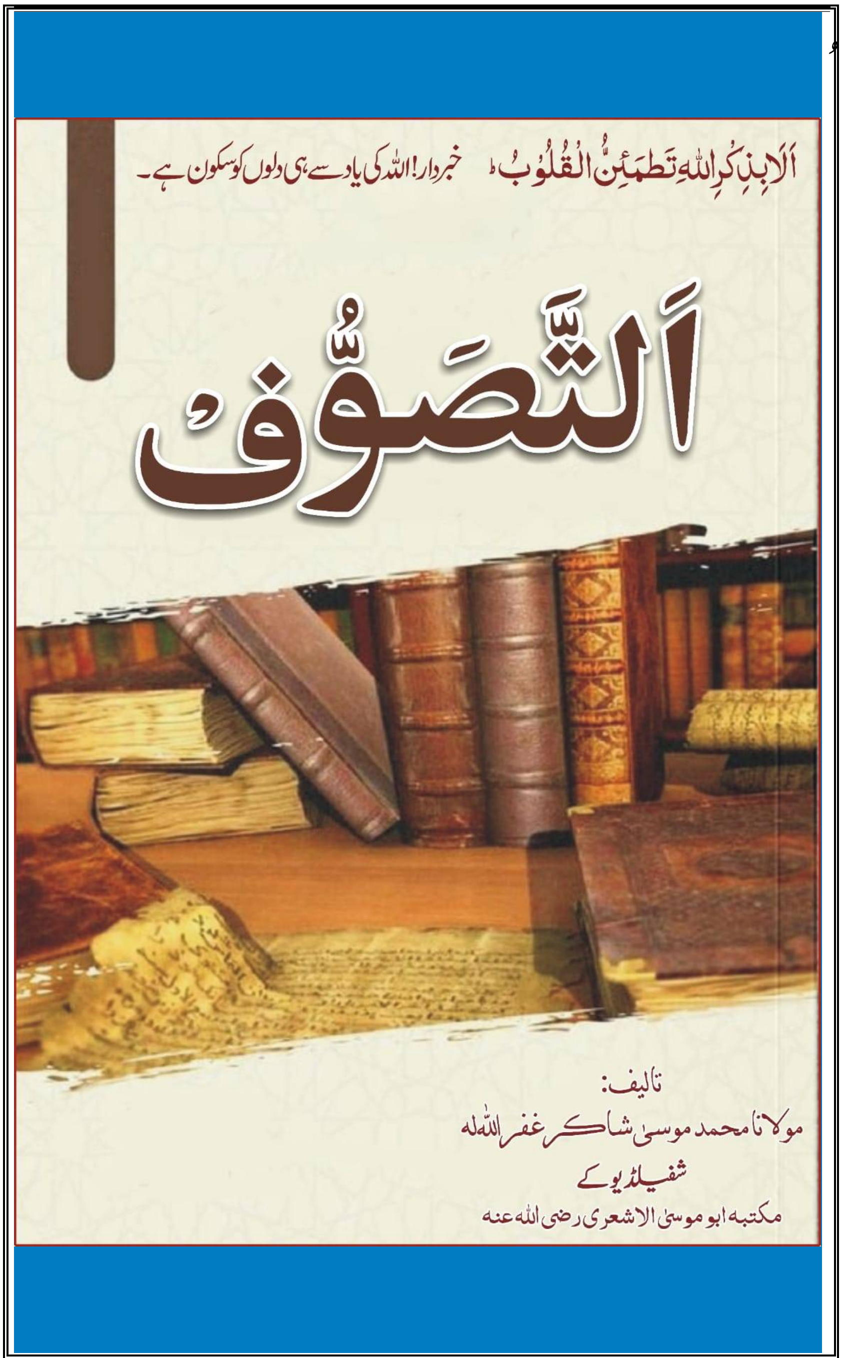


﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکر: غفر اللہ لہ ولوالدیہ﴾

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ★

خبردار!

اللہ کی یاد ہی سے دِلوں کو سکون ملتا ہے

اَلتَّصَوُّفُ

تالیف

مولانا محمد موسیٰ شاکر غفر اللہ لہٗ

شفیلڈ یو کے

مکتبہ ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ



اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

نام کتاب ـــــــــــــــــــــــ التَّصوُّف

تالیف: ـــــــــــــــــــ مولانا محمد موسیٰ شاکر غفراللہ لہٗ

بار ــ اوّل

صفحات ـــــــــــــــــــــــــــــــــ 631

قیمت: ....

تاریخ اشاعت ـــــــ 7 ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ، 10 اکتوبر 2024ء

ناشر ـــ مکتبہ ابوموسیٰ الاشعری، جامع مسجد ومدرسہ ابوموسیٰ الاشعری تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

پاکستان میں ملنے کے پتے:

۱) مکتبہ ابوموسیٰ الاشعری، جامع مسجد ومدرسہ ابوموسیٰ الاشعری شاکر آباد کوٹ میرا تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

(۲) کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

(۳) مکتبہ رشیدیہ کمیٹی چوک راولپنڈی

(۴) اسلامی کتاب گھر خیابان سر سید راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے:

1) Moulana M Musa Shakir 49, Glen Road Sheffield

S7 1RA Ph: 07794141715

2) M. Shabir Ahmad 66, Meadow St Rotherham S61 IEB

3) Junaid Banuri 35, Ironside Close sheffield s14 1FB

4) Anjum Farooq: 11, Bowshaw Ave Sheffield S8 8EY

5) Hammad Qazi 4, Gaunt Close Sheffield S14 1GD

فہرست مضامین

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ غفراللہ لہ ولوالدیہ﴾

انتساب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہر مؤلف و مصنّف اپنی تاَلیف وتصنیف کو کسی نہ کسی کی طرف منسوب کرتا ہے۔

میں اپنی اس حقیرسی کاوش کو بارگاہِ ربّ العالمین میں عرض قبولیت پیش کرتے ہوئے اپنے تمام مہربان اساتذۂ کرام ومشائخ عظام کے نذر کرتا ہوں، جنہوں نے میری تعلیم وتربیت میں شب وروز محنت فرمائی۔

اور اپنے مرحوم والدین رحمہا اللہ کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے علم دین کے راستے پر مجھے ڈالا، اور جن کی دعاؤں کی بدولت میں اس قابل بن سکا۔

اور ربّ العالمین کے حضور دعاء گو ہوں کہ ربّ العالمین میرے مرحوم والدین اور مرحوم اساتذۂ کرام کو غریق رحمت فرمائے۔ اور ان کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائے۔

اور جو زندہ ہیں اُن کا عظیم سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم دائم رکھے، اور اُن کو دین کی محنت کے لئے تا دیر تر وتازہ رکھے۔ اور ہمیں ان کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین:

محتاجِ دعاء:

(مولانا) **محمد موسیٰ شاکرؔ** غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ

شفیلڈ یوکے

حمد

خدا در انتظارِ حمدِ مانیست　　محمَّدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست

خدا مدحِ آفرینِ مصطفٰیؐ بس　　محمَّدؐ حامدِ حمدِ خدا بس

مناجاتے اگر باید بیاں کرد

بے بیتے ہم قناعت می تواں کرد

محمَّدؐ از تومی خواہم خدا را　　الٰہی از تو عشقِ مصطفٰیؐ را

دگر لب وامکن مظہرؔ فضولیست

سخن از حاجتِ افزوں تر فضولیست

☆☆☆☆☆☆☆

خدا، حمد کا کچھ نہیں انتظار　　محمدؐ بھی نہ نعت میں بے قرار

محمدؐ ثنا خواں تیرا ہے بس　　تو ہے مدحِ خواں محمدؐ کا بس

محمدؐ مری عرض دل سے تو سُن　　مجھے دے خدا اُس کی محبت کی دھن

الٰہی مِری عرض کر تو قبول　　مِرے دل میں دے، دردِ عشقِ رسول

(دیوانِ مظہرؔ)

☆☆☆☆☆☆☆

جہاں میں تو کارِ نکوئی رہے گا

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا

مناجات

الٰہی میرے دل کو روشن تو کر بنورِ محبت منوّر تو کر
مجھے یاد اپنی میں دائم تو رکھ مجھے نورِ سنّت پہ قائم تو رکھ
مجھے حشر کے روز رسوا نہ کر مجھے خلق میں تو محقر نہ کر
مِرے مخلصوں کو تو توفیق دے کمالاتِ باطن کی تحقیق دے
اُنہیں ذکر و نسبت میں مشغول رکھ اُنہیں فیضِ برکت میں مشمول رکھ
وہ کرتے رہیں اتباعِ رسول نہ لیں راہ، ہرگز خلافِ رسول

☆☆☆☆☆

در مدحِ خلفائے راشدینؓ

ثنا چار یاروں کی ایمان ہے مرا جان و دل ان پہ قربان ہے
ولیکن کروں کیوں کر میں سر براہ کہ ہے نارسائی میری عذر خواہ
پیمبر ثنا خواں ہے ان چار کا وہی مرتبہ داں ہے ان چار کا
ابوبکرؓ، فاروقؓ، و عثمانؓ، علیؓ خلیفہ بہ ترتیبِ شانِ جلی
سُتون دین کے چار ہیں اُستوار ہے اسلام ان چار سے برقرار
میرا ان سے از بس کہ دل شاد ہے سدا ان کی دل میں میرے یاد ہے
پیمبرؐ، جو ہر ایک سے راضی ہوا رضائے خدا ہو، جو ان کی جزا

☆☆☆☆☆

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْ سَلِیْنَ، مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔ اَمَّابَعْد:

بعد حمد وصلوٰۃ کے بندۂ محتاج محمد موسیٰ شاکر بن حاجی حضرت میر چوہانؒ ،رب العالمین اُس کی اور اس کے والدین کی مغفرت کاملہ فرمائے، اور ان کے ساتھ اپنی رحمت وشفقت کا معاملہ فرمائے ،اوران کا ٹھکانا جاویدانی نعمتوں کو بنائے ،عرض گزار ہے کہ:

اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے ۔حدیث جبرائیلؑ جو ایک مشہور حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے تین اہم شعبے ہیں ۔

(1) ایمانیات: یعنی عقائد جس پر متکلمین نے مکمل کام کیا۔

(2) اسلامیات: یعنی احکاماتِ عملیہ جس پر فقہاء کرام نے پوری محنت فرمائی ، جن کی رہنمائی میں آج پوری امت پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہے۔

(3) احسانیات: جسے تذکیہ نفس اور تصوّف بھی کہتے ہیں ،جس میں اصلاح نفس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔یہ اولیاءِ عظام اور صوفیاء کرام کا طرّ ۂ امتیاز ہے۔اس میں اپنے نفس کی نگرانی ،مراقبہ اورمحاسبہ پہلا قدم جب کہ مقام مشاہدہ اس کی انتہاء ہے۔

تصوّف کی اصل حدیث جبرئیلؑ ہے ۔اس حدیث شریف میں ”مَاالْاِحْسَانُ “ کے جواب میں آیا ہے کہ:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ، فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مبارک قلوب کا تزکیہ صحبت نبوی ﷺ کی برکت سے ہو جاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگیاں اشاعتِ اسلام اور جہاد میں گذریں۔ اُس دور میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور تصوّف کی حیثیت مستقل فن کی نہیں تھی۔

تابعینؒ کے دور میں جس طرح دیگر علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ نے فن کی حیثیت اختیار کی، اسی طرح تصوّف نے بھی فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور جس طرح کامل تحقیق اور تنقیح کے بعد فقہ میں مذاہب اربعہ کو امت میں قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی، صحاحِ ستّہ کو محدثینؒ میں مقبولیت نصیب ہوئی۔ اسی طرح تصوّف کے سلاسل اربعہ کو بھی امت میں مقبولیت نصیب ہوئی جو حقیقۃً مقبولیتِ عند اللہ کی واضح دلیل ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں آپ کے اصحابؓ جو اپنے وقت کے فاضل ہوتے تھے وہ صحابی رسول ﷺ کہلاتے تھے اور صحابیت سے بڑھ کر کوئی فضل وشرف نہیں تھا۔ پھر جب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور ختم ہوا اور قرنِ ثانی آیا تو جن حضرات نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صحبت پائی وہ تابعین کہلائے جانے لگے، پھر ان کے صحبت یافتہ تبع تابعین کے لقب سے ملقّب ہوئے، پھر اس کے بعد آنے والے مختلف درجات و مراتب میں تقسیم ہو گئے۔ جو لوگ امور دین کا شدّت کے ساتھ اہتمام کرتے تھے وہ "عبّاد و زہّاد" کے نام سے پکارے جانے لگے۔

پھر اس کے بعد جب بدعات کا شیوع ہوا اور لوگ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فریق یہ دعویٰ کرنے لگا کہ ان کے اندر زہّاد ہیں تو یہ دیکھ کر خواص اہل سنت نے جنہوں نے اپنے لئے معیت الٰہیہ کو تجویز کیا، اور اسباب غفلت سے اپنے قلوب کی حفاظت کی انہوں نے اپنے مسلک اور طریق خاص کے لئے تصوّف کا نام تجویز کیا، اور اس جماعت کے اکابر صوفی

کے نام سے مشہور ہو گئے۔

(اکابر کا سلوک و احسان:ص20)

تصوف کے سلسلہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ایک وہ جو تمام اجزاء کو علٰیحدہ علٰیحدہ تسلیم کرتے ہیں،مثلاً اخلاص و اخلاق کی ضرورت،یقین کا پیدا ہونا،فضائل سے آراستہ ہونا،رذائل سے پاک ہونا،حسد،کبر،ریاء،بغض،کینہ،حبِّ مال و جاہ اور دوسرے اخلاق ذمیمہ سے نجات پانا،نماز میں خشوع و خضوع،دعاء میں تضرّع و زاری کی کیفیت،محاسبۂ نفس کی عادت،اور سب سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت۔صفائی معاملات،صدق و امانت،حقوق العباد کی اہمیّت وغیرہ کی ضرورت کے بارے میں اگر آپ کسی سے پوچھیں گے تو ہر سلیم الفطرت انسان یہی جواب دے گا کہ یہ چیزیں نہ صرف یہ کہ مستحسن ہیں،بلکہ شرعاً مطلوب ہیں،اور سارا قرآن اور حدیثِ مبارکہ کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔

لیکن اگر کہا جائے کہ انہیں صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریقِ عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوّف کا نام دیا گیا ہے تو اس کے سنتے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تصوّف کو نہیں مانتے،اور تصوّف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اصطلاح کے بعض علمبرداروں اور دعویٰ داروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت ہی تلخ ہیں۔

اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اسی حقیقت کا نام بدل کر ان کے سامنے پیش کرے،مثلاً کہا جائے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ،اور حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان ہے،اور بعض متأخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقہ باطن ہے تو وہ قبول کر لیتے ہیں کہ یہ سب چیزیں منصوص ہیں۔لیکن دوسرے علوم و فنون کی طرح

اب اس کا اصطلاحی اور معروف نام تصوّف ہی پڑ گیا ہے ۔اور محقّقین فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا ہے، اور اصطلاحات اور وسائل کو وسائل کی حد تک ہی محدود رکھا ہے ۔

تاریخ اسلام میں پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے لےکر حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تک کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ اس فن کے داعیوں ،معلّموں اور اہل تحقیق نے مغز و پوست، حقائق و اشکال اور مقاصد ورسوم میں فرق نہ کیا ہو۔ اور ان رسوم و عادات کی شدّت کے ساتھ تردید نہ کی ہو جنہیں نام نہاد صوفیوں یا غیر مسلموں کے اختلاط سے تصوّف اور طریقت کا جز سمجھ لیا گیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ:

نسبت صوفیاء کبریت احمراست ، ورسوم ایشاں ہیچ نیرزد

صوفیاء کرام کی نسبت باطنی تو نعمتِ عظمٰی اور کیمیاء ہے، لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں) کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

ان اکابر نے تصوّف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا ، اور اپنے قول وفعل سے بتلا دیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے، اور جو رسوم و بدعات اس مبارک فن میں بُعدِ زمانہ سے بڑھ گئی تھیں اُن کو چھانٹ دیا۔

اس کتاب کے اندر میں نے جہاں سلاسل اربعہ میں ذکر و مراقبہ کا طریقہ بیان کیا ہے، وہیں ☆ فضیلتِ ذکر ☆ تصوّف میں قدم رکھنے والوں کے لئے عملی ہدایات

☆ بیعت کی شرعی حیثیت، ضرورت اور فضیلت ☆ آدابِ سَالِک

☆ فقراء ومشائخ سلف صالحین کے آداب ☆ تصوّف کی حقیقت

☆ اذکار واشغال سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ ☆ قُربِ الٰہی کے مقامات و مراقبات

☆ اشغال واذکار مشائخ سلسلہ قادریہ ☆ اشغال واذکار مشائخ سلسلہ چشتیہ

☆ مناصب واقسامِ اولیاء اللہ ☆ صوفیہ کی بزرگ ترین خصلت ان کے اخلاق
☆ کشف، الہام اور کرامت ☆ کیفیات، حالات، نصائح وہدایات
☆ معارف لُدنیہ و اصطلاحات تصوّف ☆ مشائخ طریقت کے کلام میں
بطور استعارہ واصلاح کے چند اصطلاحات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

امید ہے کہ اس کا مطالعہ طالبین وسالکین جو اس طریق کے اصل مقاصد اور مشائخ کے ساتھ تعلق کے منافع کے متلاشی، اور اپنی اصلاح وتربیت کے لئے فکرمند، اور رضائے الٰہی کے آرزومند ہیں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو، تاہم پھر بھی ان اوراق کی ترتیب ایک سراسر خطا کار، پُراز عیوب، قلیل العلم اور کم سواد طالب علم کی قلم سائی کا نتیجہ ہے، جس میں ممکن ہے کہ غلطیوں اور لغزشوں کا ایک ذخیرہ ملے۔ اس لئے قارئین کرام سے التجا ہے کہ وہ چشم پوشی وتسامح سے کام لیتے ہوئے اس طالب علم کو ان فروگذاشت کے بارے میں آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں گے تاکہ آئندہ اشاعت میں اصلاح ہو سکے۔

رب العالمین سے دعاء ہے کہ وہ اس کو اپنے دربار میں قبولیت نصیب فرمائے اور اپنے بندوں کے لئے مفید اور مقبول بنائے۔

ہر کہ خواند دعاء طمع دارم زانکہ من بندۂ گناہ گارم

محتاج و مستدعئ دعاء:

محمد موسیٰ شاکرؔ، غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ

تصوّف پر اشعار

بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے   تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

اکبر الہ آبادی

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو   دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

خواجہ میر درد

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی   ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

علامہ اقبال

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا   تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے   تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے   میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

خواجہ میر درد

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

امیر خسرو

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

سراج اورنگ آبادی

تماشائے دیر وحرم دیکھتے ہیں — تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں

داغ دھلوی

دریا سے موج موج سے دریا جدا نہیں — ہم سے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم

راجہ گردھاری پرساد باقی

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی — اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

خواجہ عزیز الحسن مجذوب

فریب جلوہ کہاں تک بروئے کار رہے — نقاب اٹھاؤ کہ کچھ دن ذرا بہار رہے

اختر علی اختر

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر — ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

مرزا غالب

تو ہی ظاہر ہے تو ہی باطن ہے — تو ہی تو ہے تو میں کہاں تک ہوں

اسماعیل میرٹھی

کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم
صنم ہم دیر ہم بت خانہ ہم بت ہم برہمن ہم

فیض دکنی

ہیں وہ صوفی جو کبھی نالۂ ناقوس سنا
وجد کرنے لگے ہم دل کا عجب حال ہوا

وزیر علی صبا لکھنؤی

فضیلتِ ذکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، حَمْدًا یُوَافِیْ نِعَمَہٗ، وَ یُکَافِیْ مَزِیْدَہٗ ۔یَا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ ، وَ لِعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ، سُبْحَانَکَ لَا نُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفَ الْمُرْ سَلِیْن ، مُحَمَّدٍ خَاتَمَ النَّبِیّیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔ اَمَّا بَعْد:

قارئین کرام:

ہر وہ عمل جو شریعت کے مطابق ہو ذکر ہے، چاہے وہ خرید وفروخت ہی کیوں نہ ہو۔عام طور پر ذکر کا اطلاق قرآن کریم میں قرآن کریم کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اوراَوراد واذکار اور دیگر کئی معنوں میں بھی،لیکن مشائخ کی اصطلاح میں ذکر کا اطلاق ذکر اسم ذات یعنی "اللہ اللہ" اورنفی و اثبات یعنی "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ "پر ہوتا ہے۔مشائخ اپنے متوسلین کو صفائی باطن کے لئے ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔

ذکر کا تعلق زبان اور خیال یعنی ظاہر اور باطن دونوں سے ہے ۔ذکر سے انسان ہوشیار اور چوکنا رہتا ہے،فرائض کی ادائیگی میں تساہل سے کام نہیں لیتا۔قرآن کریم میں ذکر کے متعلق بہت سی آیات ہیں جن میں ذکر کا حکم دیا گیا ہے جن میں سے کچھ کا ذکر میں یہاں پر کروں گا جن سے ذکر اللہ کی فضیلت معلوم ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذکر نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿﴾ (البقرہ،152)

مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکرادا کرو، اور میری ناشکری نہ کرو۔

ذکر کے نتیجے میں اللہ جلّ شانہٗ کے قرب، قبولیت اور مدارج کی ترقی میں سہولت ہوتی ہے" فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ "کا ثمرہ ہوشیاری، آگاہی، ذمہ داریوں کا احساس، نشاط عمل کی پختگی، بلند پروازی، خودی کی بلندی جیسے دوسرے منافع بھی ممکن ہیں۔

مفسر بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ:

" فَاذْكُرُوْنِيْ بِاِطَاعَتِيْ ،اَذْكُرْكُمْ بِالثَّوَابِ "

یعنی تم مجھے فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب دے کر یاد کروں گا۔

دل سے زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ بھی یاد ہے اور فرمانبرداری اور اطاعت میں لگنا یہ بھی یاد ہے۔ اللہ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دینا یہ بھی یاد ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ:

"كُلُّ مُطِيْعِ اللّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ"

یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری میں مشغول ہو وہ ذاکر ہے۔

زبان سے یاد کرنے کی بھی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ایک حدیث میں ہے پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کریں۔

(صحیح بخاری)

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے، سو اگر اس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا تو میں بھی اسے تنہا یاد کروں گا، اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں بھی اُسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اُس کی جماعت سے بہتر ہے (یعنی عالم بالا کے درباری فرشتوں کے سامنے)۔

(صحیح بخاری)

احادیث شریفہ میں تسبیح تہلیل اور تکبیر میں مشغول ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر میں یوں کہوں کہ:

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرْ.

(صحیح مسلم، ص ۳۴۵ ج ۲)

تو یہ مجھے اُن سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن چیزوں پر آفتاب طلوع ہوا۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا کلام (ذکر اللہ کے لئے) سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا: یعنی:

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ. (رواہ مسلم ص 351 ج 2)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے یوں کہا:

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ

اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔

(رواہ الترمذی فی ابواب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہوں گے، اور رحمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

(صحیح بخاری)

ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کی باتیں تو بہت ہیں، آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس میں میں لگا رہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ (رواہ الترمذی)

یعنی تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا اور دل میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عبد اللہ بن قیس! (یہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ خزانہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" ہے۔

(صحیح مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اُن کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور اُن پر رحمت چھا جاتی ہے، اور اُن پر اطمینان کا نزول ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے درباریوں میں یاد فرماتے ہیں۔

(صحیح مسلم، ص ۳۴۵ ج ۲)

شکر کی فضیلت اور اہمیت

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ذکر کا حکم فرمانے کے بعد شکر کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿﴾

اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو

ذکر کے ساتھ شکر ادا کرنا بھی لازم ہے۔ بندوں پر اللہ رب العزت کی اس قدر نعمتیں ہیں جن کا شمار بھی بندوں کی قدرت سے باہر ہے اُن نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ شکر میں یہ سب کچھ آجاتا ہے کہ نعمتوں کا اقرار کریں، قول اور فعل سے نعمتوں کا اظہار کریں، نعمتوں کی قدر دانی کریں۔ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں، اور نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں خرچ کریں۔

نعمتوں کا منکر ہونا، اُن کی ناقدری کرنا، ان کو گناہوں میں خرچ کرنا ناشکری ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے، اور اُن نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور نفس و شیطان کی فرمانبرداری میں ہو۔ اللہ رب العزت کی نعمتیں تو سبھی استعمال کرتے ہیں لیکن شکر گزار بندے کم ہیں:

جیسا کہ ربُّ العزت نے سورۂ سبا کے اندر ارشاد فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿﴾

شکر بہت بڑی چیز ہے، اس کی وجہ سے نعمتیں باقی بھی رہتی ہیں، اور نعمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اور ناشکری پر نعمتیں چھن جاتی ہیں۔

سورت ابراہیم کے پہلے رکوع میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ط وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ *

اور جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا: کہ البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور بالضرور اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے، تو بلا شبہ میرا عذاب سخت ہے۔

انسان کے مزاج میں ناشکری غالب ہے۔ سورۂ زخرف میں ارشاد باری ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ *

بلا شبہ انسان کھلا ناشکرا ہے۔ اور سورۂ ابراہیم میں ارشاد ربّانی ہے:

وَ اٰتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ ،وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ *

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو ان سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا، اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بلا شبہ انسان بڑا ظالم ہے (اور) بڑا ناشکرا ہے۔

بندوں کا یہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں، اس کی نعمتوں کو یاد کریں اور جب انہیں استعمال کریں تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول ہوں۔

ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ رَأْسُ الشُّكْر مَا شَكَرَ اللّٰهُ عَبْدٌ لَا يَحْمَدُهٗ * (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اصل شکر ہے، جو بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان نہیں کرتا، اُس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

(انوار البیان، ج ۱ ص ۲۰۰-۱۹۸)

ذکر باعث استحکام و پختگی ہے

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⁕ (الانفال)

اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

قرآن شریف میں جہاں کہیں ذکر کا حکم ہے وہاں اکثر و بیشتر "كَثِيْرًا" کی قید پائی جاتی ہے۔ذکر کثیر کا مفہوم عدم نسیان ہے۔اس لئے جس کے اوقات زندگی میں غفلت کم ہو وہ ذاکر کثیر ہے۔مشائخ ذکر میں تعداد کا تعین اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے آگے چل کر عدم نسیان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے،اور طالب کو حضوری حاصل ہو جاتی ہے،اور اوقات زندگی میں غفلت کی گنجائش کم رہ جاتی ہے۔تمام محنتوں اور مجاہدوں کا حاصل ذکر ہی ہے،اس لئے بکثرت ذکر کرنا چاہیئے،ذکر کثیر کے بغیر باطن کے دروازے نہیں کھلتے۔

ذکر، اللہ کی پہچان اور فہم آیات کا سبب ہے

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ⁕ (آل عمران)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے،بیٹھے،اور کروٹوں کے بل (ہر حال میں) اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔

انسان کی کل تین حالتیں ہوسکتی ہیں،یا کھڑا رہے گا،یا بیٹھا،یا لیٹا۔اور ان تینوں حالتوں میں ذاکر رہنے کے معنیٰ سوتے،جاگتے،ہمہ وقت اور ہر حال میں ذاکر رہنے ہی کے ہو سکتے ہیں۔محاورہ میں بھی کسی بات کا دھیان اٹھتے،بیٹھتے،سوتے،جاگتے،رہنے کے معنیٰ کثرت و دوام ہی کے ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے ذکر قلب کا بھی استنباط فرمایا گیا ہے،اس لئے کہ کھڑے،

بیٹھے، لیٹے آدمی بہت سے دوسرے کاموں یا باتوں میں لگا رہتا ہے جن کے ساتھ لسانی کے بجائے قلبی ہی ذکر ممکن ہے۔ خصوصاً لیٹنے میں جب کہ اس میں سونے کی حالت بھی داخل ہو۔

معرفت کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں

(1) صحبت اہل اللہ (2) کثرت ذکر اللہ (3) تفکّر فی خلق اللہ۔

صحبت اہل اللہ کو اس لئے مقدم رکھا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت ہی سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ان کی صورت دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں، اُن کی نورانی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور محبت سے ذکر کی توفیق ہوتی ہے۔

فقر خواہی آں بصحبت قائم است
نہ زبانت کاری آید نہ دست

یعنی حق تعالیٰ کا راستہ صحبت ہی سے طے ہوتا ہے
نہ محض زبان کام آتی ہے، نہ ہاتھ کام آتا ہے۔

اسی واسطے حق تعالیٰ جلّ شانہٗ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ *

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔

اب سوال پیدا ہوا کہ ڈریں کیسے؟ ڈرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا جواب بھی حق تعالیٰ نے اسی آیت میں آگے دے دیا کہ سچّوں کے ساتھ رہ پڑو، جن کا ظاہر و باطن دونوں خدا کے خوف سے سچے ہوں۔ ان کی صحبت کی برکت سے ان کا صدق فی الاعمال اور ان کا صدق فی المقال تمہارے اندر بھی آجائے گا، یعنی ان کا اندر باہر ایک ہو، جو کہتے ہوں اس پر عمل پیرا ہوں۔

توحق تعالیٰ نے کیسا پیارا قانون بتادیا کہ اللہ والوں کے ساتھ رہو، خربوزے کودیکھ کرخربوزہ رنگ پکڑ لیتا ہے۔اللہ والوں کے ساتھ رہنے ،اور ان سے تعلق اور رابطہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق پہلے سے زیادہ ہوجاتا ہے۔

کثرت ذکر اللہ: دوسری چیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کو بہت یاد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذکر کوتفکر فی الخلق (یعنی اللہ کی مخلوق میں غور وفکر) کے انوار سے نفس کے ظلماتی پردے ہٹتے چلے جاتے ہیں، ذکر کے انوار جب دل میں آتے ہیں تو دل کی تاریکیاں انوارات سے بدل جاتی ہیں۔ پہلے جب دل تاریک تھا تو افکار (سوچیں) بھی تاریک ہوتے تھے۔اب نورانی دل میں افکار بھی نورانی پیدا ہوتے ہیں، ذکر سے فکر کا جمود (بجھنا) دور ہوجاتا ہے، چوتھے پارہ میں حق تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت کاملہ اور عبدیت کاملہ کا ذکر کیا ہے، وہاں بھی پہلے "یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ" ذکر فرمایا کہ وہ لیٹے ،بیٹھے، چلتے، پھرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر بعد میں فکر ارشادفرمایا کہ:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...الخ *

کہ وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائیش میں غور وفکر کرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں کہ: "اے ہمارے پروردگار! یہ آسمان بےستون، آسمان میں چاند اورسورج اور اتنے بے شمار ستارے، اور زمین کے اتنے بے شمار ذرّات کا اکھٹا کر دینا، آپ ہی کی قدرت کاملہ کی صفت گری ہے"۔

بہر حال کثرت ذکر کے انوارات سے ان کی سمجھ ایسی نورانی ہوگئ جس سے اپنی غلامی اور بندگی کا، اورحق تعالیٰ کی عظمت شان کا استحضار پختہ ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین باوجود کثرت ذکر وفکر کے عجب اور خود بینی میں مبتلانہیں ہوتے ، بلکہ ڈرتے رہتے ہیں، اور

کہتے ہیں کہ" یارب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔

کثرت ذکر سے طالب کے اندر جو انورات پیدا ہوتے ہیں، وہ شیخ کے انوار وبرکت کو جذب کر لیتے ہیں، یعنی نور کھینچنے کی صلاحیت ذکر کے اہتمام سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

تفکر فی خلق اللہ

(1) صحبت اہل اللہ سے کثرت ذکر اللہ کی توفیق ہوتی ہے۔

(2) اور کثرت ذکر اللہ کی برکت سے فکر حرکت میں آتی ہے۔

(3) پھر ذاکر حق تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوقات میں غور کرتا ہے، اور جہان کا ہر ذرّہ ہر پتہ اس کے لئے معرفت کا دفتر بن جاتا ہے۔ ذکر سے زیادہ فکر سے قرب بڑھتا ہے، مگر فکر میں نورانیت ذکر ہی سے آتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ:" فکر کا اجر ذکر سے دس درجہ زیادہ ملتا ہے"۔اس کی تائید سورہ قمر کی آخری آیات سے بھی ہوتی ہے کہ:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ * فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ *

بے شک متقین بندے باغوں میں ہوں گے، یا عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

بیان القرآن میں ہے کہ جنت کے ساتھ قرب بھی نصیب ہوگا۔ جب تقویٰ کی یہ برکات ہیں تو تقویٰ (یعنی ڈر) کیسے پیدا ہو۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فکر ہی سے پیدا ہوتا ہے۔اس کی تائید سورہ نازعات کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔حق تعالیٰ جلّ شانہٗ ہمیں ان تینوں چیزوں پر عمل کی توفیق دے۔آمین ثم آمین۔

ذکر اطمینان قلبی کا سبب ہے

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ * (رعد)

آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

دل کے اطمینان کا طریق اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔تم کسی اور چیز کے اندر، دنیوی مال و دولت کے اندر سکون کی زندگی کے طالب ہو رہے ہو۔ چاہے تم ہزار بیگھے زمین کے مالک بن کر کمالو، اونچی سے اونچی تجارت کر کے کروڑوں، اربوں کمالو، وزیر اعظم اور بادشاہ بن کر کمالو،لیکن یاد رکھو تمہارے قلب کے اندر اطمینان اور سکون پیدا نہیں ہو سکتا۔سکون حاصل کرنے کا طریقہ ذکر اللہ ہے۔کیونکہ ذکر میں حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے،اگر چہ ذاکر کو اس پاک ذات کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔

ے چه نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

لیکن ذاکر و مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بن جاتا ہے۔اور جب محبت غالب ہوگئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں جب کام دل کے اطمینان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ کی دولت حاصل ہوگئی۔ ے

ذکر گو ذکر،تا تُرا جان است　　پاکئی دل، زِذکرِ رحمٰن است

جب تک تیری جان میں جان ہے ذکر کرتا رہ،اس لئے کہ دل کی پاکی رحمٰن کے ذکر سے ہے

ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو

فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ *

(النساء:۱۰۳)

پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت میں) یاد کرتے رہو، کھڑے بھی ، بیٹھے بھی، اور لیٹے ہوئے بھی ۔

نماز خود ذکر ہے اور ذکر کے لئے ہی مشروع ہوئی ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ *

نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو

نماز اوّل تا آخر ذکر ہے اس کے اندر ذکر قلبی بھی ہے اور ذکر لسانی بھی ، اور ذکر ہی چونکہ ہر عبادت کی روح ہے اس لئے فرمایا کہ پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنّت مؤکدہ کو بجا لانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی عزوجل تعالیٰ میں مصروف رکھنا چاہئے ، اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہ ہونا چاہئے ۔اور ہر حالت میں ذکر کرنا چاہئے کھڑے ، بیٹھے، لیٹے ، چلتے ، پھرتے ہر حال میں ذکر کریں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر چند لوگ کسی جگہ بیٹھیں اور وہ اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ بھیجیں تو یہ مجلس اُن کے لئے نقصان کا سبب ہوگی ۔ پھر اگر اللہ چاہے تو اُن کو عذاب دے، اور اگر چاہے تو ان کی مغفرت فرما دے ۔

اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اُس نے لیٹنے میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اُس کے لئے اللہ کی طرف سے نقصان کا سبب ہوگا، اور جو شخص کسی جگہ چلا اور اس چلنے میں اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اس کا یہ چلنا نقصان کا باعث ہوگا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کیسی عمدہ بات نقل فرمائی ہے ، انہوں نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یَفْرُضْ عَلٰی عِبَادِهٖ فَرِیْضَةً اِلَّا جَعَلَ لَهَا حَدًّا مَّعْلُوْمًا، ثُمَّ وعذر اَهْلَهَا فِیْ حَالِ الْعُذْرِ ،غَیْرَ الذِّکْرِفَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یَجْعَلْ لَهٗ حَدًّا یَنْتَهِیْ اِلَیْهِ ، وَلَمْ یَعْذُرْ اَحَدٌ فِیْ تَرْکِهٖ اِلَّا مَغْلُوْبًا عَلٰی تَرْکِهٖ فَقَالَ: "فَاذْ کُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ" بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ ، فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، وَفِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ ، وَالْغِنٰی وَالْفَقْرِ، وَالسُّقَمِ وَالصِّحَةِ، وَالسِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَعَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو عبادات فرض فرمائی ہیں ان کی حد مقرر ہے اور اصحاب عذر کو (معافی یا تخفیف کی صورت میں) معذور قرار دیا ہے، مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ اس کی نہ کوئی حد اور تعداد متعین ہے، اور نہ کوئی خاص وقت اور زمانہ مقرر ہے، نہ اس کے لئے کوئی خاص ہیئت قیام یا نشست کی مقرر فرمائی ہے، نہ اس کے لئے طاہر اور باوضو ہونا شرط ہے۔ ہر وقت اور ہر حال میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری، خشکی میں ہو یا دریا میں، رات ہو یا دن، ہر حال میں ذکر اللہ کرتے رہیں۔

اسی لئے اس کے ترک میں انسان کا کوئی عذر مسموع نہیں بجز اس کے کہ عقل و حواس ہی نہ رہیں اور بے ہوش ہو جائے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھیں جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا، اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن اُن کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا، اگر چہ ثواب کے لئے جنت میں داخل ہو جائیں۔

(الترغیب والترھیب ص ۴۰۹-۴۱۰ ج ۲)

شیطان تمہیں اللہ کے ذکر سے روکنا چاہتا ہے

وَیَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚفَھَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَھُوۡنَ ۞

(المائدہ: ۹۱)

اور (شیطان جوئے اور شراب کے ذریعہ) تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے اب بتاؤ کہ کیا تم باز آنے والے ہو؟

حضرت قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب کی عادت تھی کہ جوئے میں اپنے اہل وعیال اور مال وسامان سب کو ہرا کر انتہائی رنج وغم کی زندگی گزارتے تھے۔اس سے پہلے کی دو آیات میں شراب اور جوئے کی خرابی کے بیان کے ساتھ ساتھ آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی ایک اور خرابی کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ:

وَیَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚفَھَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَھُوۡنَ ۞

یعنی یہ چیزیں تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے بھی غافل کر دیتی ہیں۔(اور ذکر اللہ اور نماز سے غفلت دنیا اور آخرت اور جسم و روح دونوں کے لئے مضر ہے۔تو جب شراب اور جوئے کی یہ ساری خرابیاں تمہارے علم میں آگئیں) تو اب بھی ان سے باز آؤ گے؟

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا "اِنۡتَھَیۡنَا رَبَّنَا" اے ہمارے رب ہم باز آگئے۔

(درمنثور، ج۲ ص ۲۱۴)

نسیان کی صورت میں اللہ کو یاد کرو

وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ ۞ (الکہف)

اور جب کبھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیجئے۔

یعنی جب بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھول جاؤ پھر جیسے ہی یاد آجائے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگو۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے لیلۃ التعریس میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سوتے رہ گئے، اور پھر جب سورج طلوع ہونے پر بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی نماز کو بھول جائے اور سوتا رہ جائے تو جب یاد آجائے اُسے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ"۔

(رواہ مسلم)

ذکر میں سستی نہ کرو

اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ اَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ * (طٰہٰ:42)

تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ، اور دونوں میرے ذکر کرنے میں سستی نہ کرنا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دعوت کے کام میں ذکر اور صبر اور نرم گفتاری کی بڑی اہمیت ہے، یہ چیزیں قبول حق کے لئے مفید اور معاون ہوتی ہیں، کوئی ضدّی معاند اور سرکش نہ مانے تو یہ دوسری بات ہے۔

مساجد میں کثرت سے ذکر کرو

وَمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا * (سورۃ الحج:40)

اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مسلمان جنگ نہ کریں تو ان کی مسجدیں گرا دی جائیں گی جن میں اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مساجد بنائیں، اور اُن میں باجماعت نمازیں ادا

کریں۔تو معلوم ہوا کہ مسجدیں وہ مقام ہیں جہاں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایسے لوگ جنہیں کوئی چیز اللہ سے غافل نہیں بناتی

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ٭ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ۔صلا (النور37)

ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے ، اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ایسے مرد صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ ان کو کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں بناتی۔

ان آیات میں مساجد اور اہل مساجد کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔اورفرمایا ہے کہ مسجدوں میں وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اورنماز قائم کرنے اورزکوٰۃادا کرنے سے نہیں روکتی۔

ذکر اللہ کرنے والوں میں عام برائیاں نہیں پیدا ہوتیں

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا ٭ (الشعراء:227)

ہاں مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے ، اور انہوں نے نیک عمل کئے ، اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا۔

یعنی جو لوگ اہل ایمان ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں ، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں ، یہ لوگ شاعروں کی اُس جماعت سے خارج ہیں جن کی ان آیات میں مذمت بیان کی گئی ہے۔اس لئے کہ ان میں ایمان ہے ، اور یہ اعمال صالحہ میں لگے رہتے ہیں ، اور

اللہ کے ذکر میں کثرت سے مشغول رہتے ہیں، اس لئے یہ لوگ اگر شعر بھی کہتے ہیں تو ان کے اشعار میں جھوٹی اور بے تکی بہکی بہکی باتیں نہیں ہوتیں بلکہ ان کے اشعار بھی ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت دیتے ہیں، اللہ سے لو لگانے کی ترغیب دیتے ہیں، اور یہ اشعار میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

ذکر اللہ سب سے بڑی چیز ہے

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ، وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ *
(العنکبوت)

بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔

درحقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے، جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے آسمان و زمین قائم ہیں، اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یُقَالُ فِی الْاَرْضِ اَللّٰہْ اَللّٰہْ۔ (رواہ مسلم: ص۸۴ج۱)

اُس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں ایک مرتبہ بھی "اللہ اللہ" کہا جاتا رہے گا۔

ام المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پیارے پیغمبر ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ۔ (رواہ مسلم ،باب ذکر اللہ تعالی)

کہ آپ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

یوں تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شامل ہے، لیکن دیگر اعمال ایسے ہیں کہ ہر وقت اُن کی ادائیگی کے مواقع نہیں ہوتے، اور ذکر اللہ ایسی چیز ہے جو وضو بے وضو ہر وقت حتّٰی کہ ناپاکی کی حالت میں بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ غسل فرض ہو تو قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع ہے۔

تلاوتِ قرآن مجید، تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل، دعاء یہ سب اللہ کا ذکر ہے، درود شریف بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے جس میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت مانگی جاتی ہے۔ وہ لوگ مبارک ہیں جو دل سے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، اُس کی نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہیں، اُس کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں اور اُس کی حمد وثنا بیان کرتے رہتے ہیں۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی تلاوت کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے اُس کی وجہ سے اُسے ایک نیکی ملے گی، اور ہر نیکی دس گُنا ہو کر ملے گی۔

(رواہ الترمذی)

اور تسبیح وتحمید کے بارے میں فرمایا کہ اگر میں ایک بار:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

کہہ لوں تو یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج نکلتا ہے۔

(رواہ مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ" کہا اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔

(رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں نے (معراج کی رات) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، انہوں نے فرمایا کہ اے محمد!

اپنی امّت کو میرا سلام کہنا، اور بتا دینا کہ جنت کی اچھی مٹّی ہے، اور میٹھا پانی ہے، اور وہ چٹیل میدان ہے، اور اُس کے پودے یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

(رواہ الترمذی)

مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہے تو سب کچھ، مگر اُسی کے لئے ہے جو یہاں سے کچھ لے کر جائے۔ جو عمل سے خالی ہاتھ گیا اُس کے لئے تو چٹیل میدان ہی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کا ایک ایسے درخت کے پاس سے گزر ہوا جس کے پتّے سوکھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اُس پر اپنے عصا کو مارا تو پتّے جھڑنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

" الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ اور وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرْ"

بندے کے گناہوں کو اس طرح گرا دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتّے گر رہے ہیں۔

(رواہ الترمذی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰه، وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ (رواہ الترمذی)

یعنی سب سے بڑی فضیلت والا ذکر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" ہے اور سب سے بڑی فضیلت والی دعاء "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ہے۔

جب ذکر اللہ کی اس قدر فضیلت ہے تو اسی میں لگے رہیں، اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ

ہونے دیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے صاف کرنے کی ایک چیز ہوتی ہے،اور دلوں کو صاف کرنے کی چیز اللہ کا ذکر ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی کوئی چیز نہیں۔صحابہ نے عرض کیا،کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس قدر جہاد کرے کہ مارتے مارتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو یہ عمل بھی عذاب سے بچانے میں ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔

(رواہ البیھقی فی الدعوات الکبیر کمافی المشکوٰۃ ص ۱۹۹)

کثرت سے ذکر کرنے والے کے لئے آپ ؐ کی زندگی بہترین نمونہ ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۞ (الاحزاب:21)

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نبی کی ذات میں ہر اُس شخص کے لئے بھی بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنے والے شخص کے دل میں پاکیزگی اور روحانیت آئے گی ،اور ایسے شخص کو فلاح نصیب ہوگی۔ بر خلاف اِس کے جن لوگوں کے دلوں میں نفاق ہے،اور وہ اللہ تعالیٰ کو دلجمعی سے یاد نہیں کرتے ، یا کفر و شرک کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں کوئی نمونہ نہیں ہے۔

شاندار اجر

وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿ (الاحزاب:35)

اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے مسلمان مردوں اور عورتوں کی صفات بیان فرمائی ہیں ،اور بتایا گیا ہے کہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان صفات سے متّصف ہونا چاہئے ، اور پھر آیت کے اختتام پر ان مؤمنین اور مؤمنات کے لئے اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جو صفات اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی گئیں ہیں ان میں سے ایک صفت:

وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ

ہے کہ کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والے مرد اور کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والی عورتیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، اس لئے ہر مؤمن مرد اور عورت کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہیں۔فضول باتوں اور فضول کاموں سے بچیں اور ذکر و تلاوت کی کثرت کو اپنے درجات کو بلند کرنے کا ذریعہ بنائیں۔

زندگی کے مختلف احوال و اعمال کے وقت جو دعائیں مشروع کی گئی ہیں حسب مواقع انہیں پڑھتے رہا کریں تو کثرت ذکر کی نعمت بآسانی حاصل ہوسکتی ہے۔اللہ کا ذکر تمام عبادات میں سب سے سہل و آسان ہے، جو لیٹے ، بیٹھے چلتے ، پھرتے ،وضو بے وضو ہر حال میں کیا جا سکتا ہے۔ایسا سستا اور آسان عمل تو کبھی کسی حالت میں نہیں چھوڑنا چاہئے ، اپنے اوقات کو فضول باتوں،تبصروں میں برباد نہ کریں، ہر لمحہ کی قدر کریں، اور ہر وقت اللہ کے ذکر

میں لگے رہیں۔

کثرت سے اللہ کا ذکر کرو

یٰۤاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا للّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ٭ وَسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ٭ (الاحزاب:41،42)

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو خوب کثرت کے ساتھ۔اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

ان دو آیات میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوب زیادہ ذکر کریں، اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کریں۔مفسرین نے فرمایا ہے کہ صبح وشام تسبیح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صبح سے دن کی اور شام سے رات کی ابتداء ہوتی ہے،اس لئے خصوصیت سے لیل ونہار کے ابتدائی اوقات میں ذکر کرنے کا حکم دیا تا کہ لیل ونہار یعنی رات اور دن کے باقی اوقات میں بھی ذکر کے لئے ذہن حاضر رہے، اور قلب ولسان ذکر اللہ میں مشغول رہیں۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعری ؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔ (رواہ البخاری)

اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے، اور اس شخص کی جو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی مثال ہے۔

معلوم ہوا کہ کھاتے پیتے رہنا، اور دنیاوی مشاغل میں زندگی گزار لینا یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔زندہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہتے ہیں جہاں تک ممکن ہو لیٹے،

بیٹھے اور کھڑے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہیں، اور زبان کو ذکر اللہ میں لگائے رکھیں۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ: جنت والوں کو کسی چیز کی بھی حسرت نہیں ہوگی سوائے اُس ایک گھڑی کے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یاد کئے بغیر گزر گئی تھی۔

ہوشیار بندے وہی ہیں جو اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی ضائع نہیں جانے دیتے، دنیا میں جینے کے لئے جو تھوڑے بہت کام کی ضرورت ہے، اس میں تھوڑا بہت وقت لگایا، اور اُس میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہے، اس کے بعد سارے وقت کو اللہ تعالیٰ ہی کی یاد میں، تلاوت میں، تسبیح وتہلیل میں، تحمید وتکبیر میں، درود شریف پڑھنے میں لگاتے رہتے ہیں۔ لایعنی باتوں میں مشغول ہوکر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے، اور اپنے دل کا ناس نہیں کھوتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ نہ بولا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنا قساوتِ قلب یعنی دل کی سختی کا سبب ہے، اور بلا شبہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دُور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

امّ المؤمنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا ہر بول اُس کے لئے وبال ہے سوائے اِس بات کے کہ بھلائی کا حکم کرے یا کسی برائی سے روکے، یا اللہ کا ذکر کرے۔ (ترمذی)

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (یعنی دیہات کا رہنے والا) پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے سوال کیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو، اور اعمال اچھے ہوں۔ اُس نے عرض کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ کی یاد میں تر ہو۔ (رواہ الترمذی)

نماز جمعہ کے بعد رزق کی تلاش میں زمین میں پھیل جاؤ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الجمعہ:10)

جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو، اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے پکارا جائے یعنی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو، اس آیت میں نماز جمعہ سے پہلے جو خطبہ ہوتا ہے اُسے اور نماز جمعہ کو ذکر اللہ سے تعبیر فرمایا۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ.

نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے۔

نماز سے پہلے اذان بھی ذکر ہے اور اقامت بھی، اذان کا جواب بھی، وضو کی دعاء بھی، فرضوں سے پہلے سنتیں بھی، پھر تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نمازی برابر ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں مشغول رہتا ہے، کبھی تکبیر کہتا ہے، کبھی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، کبھی اللہ کی حمد بیان کرتا ہے، کبھی تنزیہ کلمات ادا کرتا ہے اور اپنے رب کو ہر طرح کے عیب ونقص سے پاک بتاتا ہے اور اس کے بارے میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتا ہے، اور کبھی دعاء مانگتا ہے۔

نمازی کی زبان بھی اللہ کی یاد میں لگی ہوئی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ دل بھی اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، قلب حاضر ہے، اعضاء متواضع ہیں۔ کبھی قیام میں قرأت پڑھ رہا

ہے،کبھی رکوع کے اندر تسبیح میں مشغول ہے،کبھی قومہ میں تحمید بیان کررہا ہے،کبھی سجدہ میں جبینِ نیاز زمین پر رکھی ہوئی ہے اور رب کی تسبیح میں مشغول ہے۔ بندہ کے پاس اپنا عجز و نیاز اور تذلل اور عبودیت کا عملی اقرار ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اشرف الاعضاء یعنی اپنی پیشانی کو ارذل العناصر یعنی مٹّی پر رکھ دیا، اور اپنے رب کریم کے حضور اپنی ذات کو بالکل ذلیل کر کے پیش کردیا۔

پھر نماز کے بعد سنن و نوافل بھی ذکر ہیں ،اور نماز کے بعد تسبیحات بھی ۔تو درحقیقت پانچوں نمازیں اللہ رب العزت کی یاد کی طرف کھینچتی ہیں،مومن کی زندگی سراپا ذکر ہے۔اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ

جب نماز ختم ہوجائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو

جمعہ کی حاضری کے لئے جو کام کاج چھوڑ کر آئے تھے چاہو تو اُس میں لگ جاؤ یا خرید وفروخت میں لیکن اس کے بعد پھر یاددہانی کروائی کہ:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

چونکہ بازار میں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے،خرید وفروخت کی آوازیں لگتی ہیں ،غفلت کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے طلب رزق کے ساتھ کثرت ذکر کا بھی حکم فرمایا کہ دیکھو خرید وفروخت اور دوسرے کاموں میں مشغول ہوکر اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو جانا، بلکہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر بھی کرتے رہنا تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔مومن کو ہر حال میں اللہ کے ذکر میں لگا رہنا چاہئے جو مقصود زندگی ہے، اور اسی میں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو شخص

بازار میں داخل ہوا اور اُس نے یہ کلمات پڑھے :

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ .لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِىْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ .

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ تنہا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اُسی کے لئے ملک ہے ، اور اُسی کے لئے حمد ہے ، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ،اور وہ زندہ ہے اُسے موت نہ آئے گی ،اُسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے ، اور دس لاکھ گناہ معاف فرمادیں گے ، اور دس لاکھ درجے بلند فرما دیں گے ، اور اُس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجه)

ذکر اللہ سے غفلت مت برتو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ (المنافقون:9)

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ بنا دیں۔اور جو شخص ایسا کرے گا (یعنی مال اور اولاد کی فکر میں لگ کر اللہ کے ذکر سے غافل ہوگا) تو یاد رکھو یہی لوگ گھاٹے اور خسارے میں پڑنے والے ہیں۔

دنیا میں مال اور اولاد دو چیزیں ایسی ہیں جن میں مشغول ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔فرائض اور واجبات کو چھوڑنا ،نوافل و اذکار سے دور رہنا، ،زبان سے دنیاوی دھندوں میں پھنسا رہنا ، یہ سب امور ایسے ہیں جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے

والے ہیں ۔ آدمی مال کمانے میں لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے ۔ اولاد کو مالدار بنانے کے لئے اور موت کے بعد بہت سا مال چھوڑنے کے لئے کمائی کرتا ہے۔ حلال و حرام کا خیال نہیں کرتا، زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، واجبات شرعیہ میں خرچ نہیں کرتا۔ پھر اولاد کے غیر ضروری اخراجات، لاڈ و پیار اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو گناہ پر لگاتی ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے تمہیں غافل نہ کر دیں ۔ بقدر ضرورت اپنے لئے اور اپنی اہل و عیال اور ماں باپ کے لئے مال کمانا (جس میں اللہ کی رضا مقصود ہو تو یہ) بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے، بشرطیکہ اس سے غفلت پیدا نہ ہو۔

اپنے پاک رب کو یاد کرو

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۞ (المزمل:8)

اور آپ اپنے رب کا پاک نام یاد کرتے رہیں، اور بالکل اسی کی طرف یکسو ہو جائیں۔

یعنی رات کو تو آپ نماز پڑھتے ہی ہیں، دیگر اوقات میں بھی اللہ کا نام لیتے رہیں، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا نماز ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس لئے عام اوقات میں بھی اللہ کی یاد میں لگے رہیئے۔ پیارے پیغمبر ﷺ اس پر خصوصیت سے عمل فرماتے تھے۔ امّ المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ:

كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔

پیارے پیغمبر ﷺ ہر وقت اللہ کو یاد کرتے تھے۔ اور آگے فرمایا:

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۞

اور قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں ۔

اپنا پورا قلبی رُخ اللہ کی طرف رکھیں، یعنی اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے اس کے آثار ہر تعلق پر غالب رکھیں۔ بظاہر بیویوں سے بھی تعلق رہے، اور اولاد سے بھی، اولیاء اور اصدقاء سے بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا تعلق بہر حال غالب رہے، اس کے احکام کی ادائیگی میں فرق نہ آئے۔ درحقیقت یہ بہت بڑی نصیحت ہے۔ جو بھی بندہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ لوگوں سے بھی ملتا جلتا ہے، لیکن اُس کا باطن اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے معمور رہتا ہے، اور مخلوق کو راضی رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرتا۔

(انوار البیان: ج ۹ ص ۳۰۳)

اور اسی طرح سورۃ الدھر میں ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿﴾ (الدھر:25)

اور یاد کر اپنے رب کا پاک نام صبح اور شام۔

دعوت الی اللہ کے دوران بھی ذکر سے غفلت نہ کرو

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿﴾ (طٰہٰ:42)

تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کو لے کر جاؤ، اور دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

اس آیت کریمہ میں ربّ العالمین نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ، اور میرے ذکر میں برابر لگے رہنا، اس میں سستی نہ کرنا۔ فرعون سرکش بنا ہوا ہے اُس سے جا کر نرمی سے بات کرنا ہوسکتا ہے تمہاری یہ نرمی اُس کے لئے نصیحت قبول کرنے کا ذریعہ بن جائے، یا وہ اپنے رب سے ڈر جائے، اور اپنی سرکشی سے توبہ کر لے اور رب حقیقی کا فرمانبردار ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ دعوت کے کام میں ذکر اور صبر اور نرم گفتاری کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ چیزیں قبول حق کے لئے مفید اور معاون ثابت ہوتی ہیں۔

عین قتال کی حالت میں بھی مجھے یاد رکھو

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَا ثْبُتُوْا وَاذْكُرُو اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿ (الانفال:45)

اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

اس آیت کریمہ میں دشمن کے مقابلے میں خوب مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

وَاذْكُرُو اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

یوں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت ہونا چاہئے، لیکن خاص کر جنگ کے موقعہ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا، مدد مانگنا، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا یہ سب اللہ کا ذکر ہے۔ مؤمن بندہ لڑتا ہی اللہ کے لئے ہے۔ اس کا مرنا اور جینا اللہ کے لئے ہے۔ پھر جنگ کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہونے کا تو کوئی موقعہ ہی نہیں۔ اس موقعہ پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

حضرت سہل بن معاذؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ نماز، روزہ اور ذکر ان سب کا ثواب اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی بہ نسبت سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد، ص ۳۳۸ ج ۱)

قرآن مجید کی مندرجہ بالا تمام آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ ہمیں کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا چاہیئے ۔جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر اِس وقت یعنی اپنی زندگی میں کر لیجئے، اللہ کا ذکر بہت بڑی نعمت ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں:

لِكُلِّ شَيْئٍ صِقَالَةٌ، وَ صِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ ۔

ہر چیز کے مانجھنے کی، ملمع کرنے، چمکانے کی چیزیں ہوتی ہیں، دلوں کو صاف کرنے، ملمع کرنے، چمکانے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

پھر آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَا مِنْ عَمَلٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔

کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس قدر بچانے والی نہیں ہے، کوئی امر اللہ کے عذاب سے اس قدر بچانے والا نہیں ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بچانے والا ہے۔

ذکر کو موت نہیں

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بعد بھی منقطع نہ ہوگا۔لہٰذا وہ الی الابد ہے، ذکر کو موت نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص کے پاس اشرفیاں ہوں اور وہ انہیں قدم قدم پر خرچ کرتا ہو، اور دوسرا شخص ذکر اللہ کرتا ہو تو ذکر اللہ کرنے والا افضل ہے۔

ایک حدیث میں ہے "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" کہنے کے انوارات زمین سے آسمان تک بھر جاتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ صرف "اللہ اکبر" ہی زمین سے آسمان تک بھر دیتا ہے،

اور"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " آسمان کو چیر کر نکل جاتا ہے ۔ یعنی زمین و آسمان میں اس کی سمائی نہیں ہوتی ۔

جب بندہ" اللہ اللہ" کہتا ہے تو اللہ رب العزت"لَبَّيْكَ, لَبَّيْكَ " کہتا ہے۔ اور یہی تفسیر ہے:"فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ " کی ۔

غرض ذاکرین سے ذکراللہ کسی وقت جدا نہ ہوگا۔ قبر میں بھی، محشر میں بھی، اور جنت میں بھی ساتھ رہے گا۔ اسی لئے میں نے کہا کہ ذکراللہ ان کے حق میں دائمی ہے، اور ذاکر کو موت نہیں ہے، جیسے غافل بظاہر زندہ ہوکر بھی مردہ ہے ۔

(اھل دل کے انمول اقوال:ص119)

☆ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس میں تقییدات نہ ہوں، مگر ذکراللہ کے لئے کوئی قید نہیں ہے، اور جس قدر بھی کثرت ممکن ہو وہ مطلوب ہے ۔

دل اور یاد خدا

اس ذلیل وخوار عالم دنیا میں اگر مستحق لذّت و راحت اربابِ خیر وتقویٰ ہوتے تو سب سے زیادہ منعم، غنی، اور راحت میں زندگی بسر کرنے والے حضرات انبیاءعلیہم السلام ہوتے، مگر سب سے زیادہ تکالیفِ شاقہ میں انہی کی زندگی نظر آتی ہے ۔دل میں صرف اور صرف اللہ رب العزت کو جگہ دینی چاہئے ،اس کے سوا کوئی بھی دل لگانے کے قابل نہیں ہے۔ ہاں حقوق سب کے ادا کرتے رہیں اور سب کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے رہیں۔

لمحات زندگی کی قدر

دنیا میں جو بھی وقت مل جائے ، وہ نہایت ہی غنیمت ہے۔اس کی قدر کرنی چاہئے ، اور اس کو ضائع نہیں کرنا چاہئے ۔ یہ زمانہ کھیتی کا ہے، اس کا ہر ہر سیکنڈ ہیرے اور زمرد سے

زیادہ قیمتی ہے۔جس قدر ہو اس کو ذکر الٰہی میں صرف کیجئے۔

ذاکرِ حقیقی

ذکر سے مقصود یہ نہیں ہے کہ صرف زبان پر کلمہ شریف، درود شریف، اور تسبیحات ہوں، بلکہ جو شخص جو بھی کام کر رہا ہو،اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد ذھن میں رکھتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق وہ کام کرے تو وہ ذاکر ہے،اگر چہ زبان پر ذکر نہیں ہے۔بیوی کے پاس بحکم الٰہی جارہا ہے تو بھی وہ ذاکر ہے، گو اس وقت زبان پر ذکر نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر اطاعتِ کاملہ کرنے والا ذاکر ہے،اصل چیز اطاعت ہے۔اگر جسم اس طرح اطاعت میں لگا ہوا ہے کہ تمام اعضاء اپنے اپنے وقت پر میلان اور اغوا سے محفوظ رہتے ہیں تو ایسے مطیع کو ذاکر کہتے ہیں، گو اس وقت زبان پر ذکر نہیں۔اور اس وقت بالفرض اگر دل و دماغ میں بھی ذکر نہیں پھر بھی وہ ذاکر ہے۔

جب یہ معنیٰ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں کہ:

كُلُّ مُطِيْع فَهُوَ ذَاكِرٌ

ہر وہ آدمی جو اللہ کا مطیع ہے وہ ذاکر ہے۔تو تفصیلات خود سمجھ میں آجاتی ہیں۔

☆☆☆

تصوّف میں
قدم رکھنے
والوں کے لئے
عملی ہدایات

تصوّف میں قدم رکھنے والوں کے لئے عملی ہدایات

جب طالب کے دل میں تصوّف اور طریقت کے میدان میں قدم رکھنے کا شوق پیدا ہوتو سب سے پہلے اپنی نیّت کو خالص کرلیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے اور کوئی مقصد نہ ہو۔دین کے ہر کام میں حسن نیت ضروری ہے ۔بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے، پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ۔

یعنی عمل کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کا مدار نیّت پر ہے۔جیسی نیّت ہوگی ویسے ہی اس پر اثرات مرتب ہوں گے۔حضرت عمر فاروقؓ کا مقولہ ہے:

" لَا عَمَلَ لِمَنْ لَّا نِیَةَ لَهٗ"

یعنی جس کی نیت صحیح نہیں ہے،اس کے عمل کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی نیّت سے زیادہ کسی چیز کی نگرانی نہیں کرتا، کیونکہ وہ مسلسل الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔

اور حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ بہت سے معمولی اعمال نیّت کی صحت کی وجہ سے عظیم الشان ہو جاتے ہیں، اور بسا اوقات بہت بڑے بڑے اعمال نیّت کے فساد کی وجہ سے معمولی بن جاتے ہیں۔

(جامع العلوم والحکم)

اور نیّت کو خالص کرنے کا نام ہی تو تصوّف ہے، جو اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کرنے سے آتی ہے۔

ضرورتِ شیخ

عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ کوئی کمال بدوں استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہِ طریقت میں آنے کی توفیق ہو، استادِ طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے جس کے فیضِ تعلیم وبرکتِ صحبت سے مقصودِ حقیقی تک پہنچے۔ اس لئے کہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں، اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے، اور جو معلوم ہوتا ہے، نفس کی کشاکش سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے، ان ضرورتوں کی وجہ سے پیرِ کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے، اور ان کا علاج وتدبیر بتلاتا ہے، اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اشغال واذکار کی بھی تعلیم کرتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں، اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔ ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دِلا دامن رہبر بگیر و پس بیا

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق

عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

یعنی اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ کر چلو، اس لئے کہ جو بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

☆☆☆

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

بس بہر دستے نباید داد دست

اے طالب! آدمی کی صورت میں بہت سے شیطان ہیں

پس ہرایک کی طرف رجوع اور ہرایک سے بیعت نہیں کرنی چاہئے

☆☆

پیرِ نورانی زراہ آگہ کند　　در کلامش نورراہ ہمراہ کند

مرشد نورانی سلوک سے خبردار کرتا ہے　　اور اپنے کلام میں نور کو ہمراہ کرتا ہے

☆☆

مولوی ہرگز نشد مولائے روم　　تا غلامِ شمس تبریزی نشد

اُس وقت تک مولانا رومؒ ہرگز اللہ والے نہ بنے

جب تک شمس تبریزی کی غلامی نہ کی

☆☆

دَرارادت باش صادق اے فریدؒ　　تا بیابی گنجِ عرفاں را کلید

اے فریدؒ! اپنے ارادے میں سچائی اور ثابت قدمی اختیار کر

تا کہ عرفاں کے خزانے کی چابی پا سکے

☆☆

قال را بگزار، مردِ حال شو　　پیشِ مردِ کاملے پامال شو

قال کو چھوڑو اور حال پیدا کرو　　کسی کامل کے سامنے اپنے آپ کو مٹا دو

☆☆☆

شیخِ کامل کی پہچان

ایسے شیخ کی طلب کریں جسے بقدر ضرورت دین کا علم ہو خواہ تحصیل علم سے یا صحبتِ علمائے محققین سے۔ کسی شیخ کامل صحیح السلسلہ سے مجاز ہو۔ جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرف ہو، اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو اور:

"سیر فِی اللہ اور سیر اِلَی اللہ، اور سیر عَنِ اللہ بِاللہ، اور سیر فِی الْاَشْیَآءِ بِاللہ "

کو انجام تک پہنچا چکا ہو۔ عالم ربّانی ہو۔ کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔

☆ صحیح العقیدہ ہو: اور عقائد و اخلاق میں شرع کا پابند ہو، کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوف و سلوک کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہیں۔

☆ متبع سنت رسول ہو، کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم ﷺ کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔

☆ شرک و بدعت کے قریب بھی نہ جائے، کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔

☆ دنیا دار نہ ہو، کیونکہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ٭ (الکہف:28)

اس شخص کا اتباع نہ کر، جس کا دل ذکر الٰہی سے غافل ہو اور خواہشات نفس کا تابع ہو۔

☆ علم تصوّف و سلوک میں کامل ہو، کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اس پر گامزن

کیسے ہوسکتا ہے۔

☆ شاگردوں کی تربیتِ باطنی کے فن سے واقف ہو، اور کسی ماہرفن سے تربیت پائی ہو۔ ☆ حضور نبی کریم ﷺ سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔

(دلائل السلوک)

☆ خود متّقی پرہیز گار ہو، یعنی ارتکابِ کبائر سے، اور صغائر پر اصرار سے بچتا ہو۔

☆ کافی مدت تک شیخ کی خدمت میں مستفیض ہوا ہو، خواہ خط وکتابت کے ذریعے سے یا مجلس میں حاضری کے ذریعہ سے۔

☆ اُس زمانہ کے اہل علم وفہم ومشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

☆ اس کی صحبت سے آخرت کی رغبت، محبت الٰہی کی زیادت، اور محبت دنیا سے نفرت محسوس ہوتی ہو۔

☆ اس کے مریدین میں سے اکثر کی حالت شریعت کے مطابق ہو۔

☆ اس میں دنیا کی حرص وطمع نہ ہو۔

☆ خود بھی ذاکر وشاغل ہو۔

☆ ایسے شیخ کی طلب کریں جس کا ظاہر شریعت سے اور باطن معرفت کے انوار سے منوّر ہو، اس معاملے میں بہت تحقیق اور کوشش سے کام لیا جائے، خصوصاً اس پرفتن دور میں جب بہت سے انسانی شیاطین نے نیکوں کے لباس میں خود کو چھپایا ہوا ہے۔

☆ وہ شیخ تعلیم وتلقین میں اپنے مریدین کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور اُن کو آزاد نہ چھوڑے، بلکہ جب کوئی نا مناسب بات دیکھے، یا معتبر ذریعہ سے معلوم ہو تو روک ٹوک

کرے۔اور ہر ایک کو اس کی استعداد اور حال کے مطابق راہنمائی کرے، ہر ایک کو ایک لکڑی سے نہ ہانکے،اور نہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑے۔

جس میں یہ علامات پائی جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کسی طالب کو اس قسم کا کامل پیر مل جائے تو اُسے چاہئے کہ اُس کے وجود کو غنیمت جانے۔وہ شخص اس قابل ہے کہ اس کو شیخ بنایا جائے ،اور اس کو اکسیرِ اعظم سمجھے۔اور اس کی زیارت و خدمت کو کبریت احمر جانے۔ان علامات وکمالات کے بعد پھر شیخِ کامل میں کشف وکرامات، تصرف وخوارق کو ہرگز نہ دیکھے کہ ان کا ہونا شیخِ کامل کے لئے ضروری نہیں۔

(مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ علیہ الرحمہ)

☆جب ایسا شیخ مل جائے تو استخارہ کریں اور اس کے بعد اُس شیخ اور پیر کی خدمت میں حاضر ہوکر طریقت کی تلقین حاصل کریں،اور ادب کے ساتھ ان اذکار و اشغال میں مشغول ہوں جن کی تعلیم دی جائے۔

بیعت سے قبل استخارہ کا حکم

جب طالب شیخ کے پاس آئے تو شیخ پہلے اسے استخارہ کرنے کا کہے ،اور تین یا سات مرتبہ استخارہ کرنے کے بعد جب طالب کے دل میں تذبذب نہ رہے تو پھر اس کو بیعت کرے۔

استخارہ کا طریقہ

نمازِ عشاء کے بعد تازہ وضو کر کے صدق دل سے مندرجہ ذیل استغفار:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ.

ایک سو ایک (101) بار پڑھے اور اپنے ظاہری اور باطنی گناہوں سے توبہ کرے

اور خیال کرے کہ میں نئے سرے سے پھر سے مسلمان ہوا ہوں ۔اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ کی نیت سے پڑھے،پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد آیت الکرسی ، اور دوسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد"قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ "خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے،اور بارگاہ الٰہی میں روئے ۔

سلام پھیرنے کے بعد استخارہ کی دعاء کے ساتھ ، ایک سو ایک (101) بار تیسرا کلمہ،کلمۂ تمجید پڑھے اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگے اور رب العالمین سے آرزو کرے کہ مجھے مرشد کے وسیلے سے شریعت کا پابند کردے ۔

اور جب نیند کا غلبہ ہو تو وہیں زمین پر سو جائے ،اور اگر کوئی عذر ہو تو جہاں چاہے سو جائے ،سوتے میں جو خواب دیکھے وہ اپنے مرشد سے بیان کر دے ،اور حالت استخارہ میں اپنے دل کا جائزہ لے اگر دل میں اس مرشد کے ساتھ اعتقاد کی مضبوطی ہے تو اس کو بشارت سمجھے۔مرشد کو چاہئے کہ وہ اسے مرید کر کے لطائف ستّہ کی تعلیم دے ۔

(ضیاءالقلوب:ص46)

☆ شیخ کامل کی رغبت اور توجہ بھی استخارہ کے قائم مقام ہے،لیکن اس کے ساتھ استخارہ بھی مل جائے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

پیر ناقص سے طریقہ اخذ کرنے کے نقصانات

حضرت مجدّد الف ثانیؒ ناقص پیر سے طریقہ اخذ کرنے کی مثال اس زمین سے دیتے ہیں جس میں سرے سے یا تو کچھ بویا ہی نہ جائے ، یا بوئے لیکن ناقص اور خراب بیج ڈالے تو دونوں صورتوں میں زمین ضائع اور بیکار ہوگی ۔

ایسے ہی ناقص پیر سے طریقہ اخذ کرنے اور اس کے مسلک پر چلنے سے کچھ تاَثیر نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے ۔اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو وہ اس کی

حرص وہوا کو ہی زیادہ کرے گی ،جس کا نتیجہ تاریکی پر تاریکی ہے ۔

اور ناقص کے خود واصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اللہ کی طرف پہنچانے والے اور نہ پہنچانے والے راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ طالبوں کی مختلف استعدادوں کے درمیان فرق بھی نہیں جانے گا۔

اگر اُس ناقص شیخ نے ان مختلف طریقوں اور استعداد کے درمیان تمیز نہ ہونے کے باعث اپنے مرید کو طریقِ سلوک پر چلایا تو اس نے اُس مرید کو راہِ حق سے گمراہ کر دیا جیسا کہ وہ ناقص پیر خود گمراہ تھا۔ایسے شیخ کی صحبت طالب کی بلند استعداد کو پستی میں لیجاتی ہے، اور بلندی سے پستی میں گرا دیتی ہے ۔

(حضرت مجدد الف ثانی:تعلیمات:ص592)

☆ پس جب شیخ کامل ایسے طالب کی تربیت و رہبری کرنا چاہے تو پہلے اس کو طالب سے اس چیز کو دور کرنا چاہئے جو ناقص شیخ سے اس کو پہنچی ہے،اور جو کچھ اس کا بگاڑ ہوا ہے اس کی اصلاح و درستی کرنی چاہئے ۔

اس کو توبہ کی تعلیم دے،اور اس کے بعد اس کی استعداد اور حال کے مطابق اسے ذکر کی تلقین کرے۔اور اس پر توجہ رکھے۔اس کی استعداد کے مطابق اچھا بیج اسکی استعداد کی زمین میں ڈالے تا کہ اس میں اچھی پیداوار پیدا ہو۔

جیسے جب کوئی ناقص طبیب سے دوائی کھانے والا مریض حاذق طبیب کے پاس جائے تو وہ طبیب پہلے اُس دوائی کی تاثیر مسہلات وجلاب کے ذریعے دور کرنے کی فکر کرے گا،اور اس کی تاثیر کے زائل ہونے کے بعد اس کے اصل مرض کے ازالہ کی فکر کرے گا۔

☆☆☆

اخذ فیض کے لئے آداب

1: شیخ کامل سے اخذ فیض اور کامل تربیت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ امر ضروری ہے کہ طالب کے دل میں اپنے شیخ کامل سے پوری عقیدت ہو، اور وہ پوری استقامت سے اس پر جما رہے۔ تصوّف کی اصطلاح میں اسے توحید مطلب کہتے ہیں۔

2: شیخ سے غلط بیانی نہ کرے، بلکہ صاف صاف بات کرے، شیخ سے جھوٹ نہ بولے، اور نہ ہی شیخ سے متعلق جھوٹ بولے

3: شیخ کے ساتھ خیانت کا برتاؤ نہ کرے، جو شخص معمولی چیزوں میں خیانت کا مرتکب ہو وہ اسرار الٰہی میں اور مناصب باطنی کے معاملے میں بھی امین نہیں ہوسکتا۔

4: جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہ شیخ کے لئے بھی پسند کرے۔

5: شیخ کی مجلس میں شیخ کی بات سننے کی نیت سے جائے، اُسے غور سے سنے اور اس پر دل سے کاربند ہو۔

6: جو منازل سلوک طے ہوں ان کی حفاظت کرے، اس پر شکر ادا کرے اور شیخ سے اگلے منازل سلوک میں ترقی کا مطالبہ نہ کرے۔

7: شیخ کی مجلس میں شیخ کی طرف دیکھنے کی بنسبت اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوکر ذکر قلبی میں مشغول رہے اور منازل کی نگہداشت کرے۔

8: شیخ سے سیکھنے کی نیت سے سوال کرے، اعتراض کے طور پر نہیں اس لئے کہ یہ مانع فیض ہے۔ اپنے کمالات کا اظہار نہ کرے بلکہ تابع بنا رہے۔

9: چلتے وقت شیخ کے آگے نہ چلے، اس کے احترام کو ملحوظ رکھے۔

10: شیخ کی وفات کے بعد شیخ کا ادب اسی طرح کرے جیسے شیخ کی زندگی

میں کرتا تھا،شیخ کی عدم موجودگی میں اس کے مقرر کردہ خلیفہ کا احترام اسی طرح کرے جس طرح شیخ کا کرتا ہے،اس میں کوتاہی نہ کرے۔ شیخ کے رشتہ داروں کا بھی ادب و احترام کرے۔

شیخ کا ادب

اپنے شیخ کی موجودگی اور عدم موجودگی میں ان کے ادب کا لحاظ رکھیں،کیونکہ پیر کی عقیدت اور محبت کے بغیر فیض کا دروازہ نہیں کھلتا،جو سالک جتنا زیادہ آداب کا خیال رکھے گا اتنا ہی جلدی ترقی پائے گا۔

☆ اور اپنے شیخ سے محبت رکھیں،اور محبت کا تقاضہ اطاعت اور خدمت ہے۔عربی کا مقولہ ہے:

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے۔

ہمارے اکابر میں اپنے شیخ سے محبت عشق کے درجے سے بھی زیادہ پائی جاتی تھی۔ اس لئے شیخ کے ساتھ محبت اس سلسلہ میں ضروری ہے۔

☆ ایسے ہی تعلق ارادت قائم کر لینے کے بعد شیخ کی ناراضی بھی سمّ قاتل ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کا فرمان ہے کہ اس تعلّق میں بعض اعتبار سے معصیت اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی بے ادبی مضر ہو جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ معصیّت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اس لئے توبہ سے فوراً معاف ہو جاتی ہے،اور توبہ کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ویسا کا ویسا ہی تعلق پیدا ہو جاتا ہے،بخلاف شیخ کی بے ادبی کے کہ بسبب بشریت اس کے دل میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے جو فیض پہنچانے میں

مانع ہو جاتی ہے۔لہٰذا ایک طالبِ حقیقت کا فرض یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ باادب رہ کر اپنے ظاہر و باطن کی اچھی طرح تعمیر کرے۔

☆ شیخ کی ظاہری حیثیت ،قومیت،حشمت وشوکت اور پیشہ وغیرہ پر نظر نہ رکھیں، بلکہ اُس باطنی نعمت اور فیضان کو جو اللہ تعالیٰ نے شیخ کو عنایت فرمایا ہے نگاہ میں رکھ کر اُسے حق تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ سمجھیں، اور کمال صدق ویقین سے اس کی صحبت کا فیض اٹھائیں۔جیسے جسمانی مریض حکیم اور ڈاکٹر کی ظاہری حیثیت اور قومیت کو نہیں دیکھتا، بلکہ اس کی طبّی مہارت کو دیکھ کر اس سے اپنے مرض کا علاج کرواتا ہے۔

☆ شیخ کے ظاہری اور باطنی احترام میں کوتاہی نہ کریں۔احترام ظاہری تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ حجّت ومناظرہ نہ کریں، کیونکہ اُس کی نظر اِس کی نظر سے اور اُس کا علم، اِس کے علم سے بہر حال بڑھا ہوا ہے، اور کامل ہے۔

اگر سالک کو اپنے شیخ کے بارے میں کوئی دشواری پیش آئے تو وہ حضرت حضر علیہ السلام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو یاد کرے کہ کس طرح حضرت حضر علیہ السلام کے کاموں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناگواری گزرتی تھی، لیکن جب انہوں نے پوشیدہ رازوں سے آگاہ کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراضات ختم ہو گئے۔لہٰذا اپنی کم علمی کی وجہ سے شیخ کا کوئی فعل اُسے ناگوار گزرے تو سمجھ لے کہ شیخ اپنی علم وحکمت کی زبان سے اس کی توجیہہ پیش کر سکتا ہے۔

☆ اپنے شیخ کی اتباع کریں۔اور حتّی المقدور اس میں کوتاہی نہ کریں۔کیونکہ راہ سلوک میں شیخ کی اتباع بہت ہی ضروری ہے، کیونکہ یہ غیبی راستہ ہے جسے آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔اس لئے بدون رہنما کے یہ کبھی طے نہیں ہوسکتا۔اور کوئی ایسا کام نہ کریں جو شیخ کی گرانی کا سبب ہو، بلکہ ہمیشہ گردن جھکائے رہیں۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت ایسی ہوتی تھی گویا:

" كَاَنَّ الطُّيُوْرُ عَلٰى رُؤُسِهِمْ"

گویا پرندے ان کے سروں پر بیٹھے ہوں۔

☆ سالک کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے سامنے بالکل خاموش بیٹھا رہے، اور اُس کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہ کرے۔ فرمایا شیخ کی بارگاہ میں مرید کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کے کنارے بیٹھا اللہ کی طرف سے رزق کا انتظار کرنے والا۔

ایسے ہی سالک بھی شیخ کے سماع کے ذریعہ روحانی رزق کا انتظار کرتا ہے۔ لہٰذا مرید کے لئے بہترین ادب یہ ہے کہ شیخ کے سامنے مکمّل سکوت اختیار کرے، یہاں تک کہ شیخ اس کے قول و فعل کی بہتری کے لئے خود نہ افتتاح کرے۔

قال را بگذار و مردِ حال شو   پیشِ مردِ کاملے پامال شو

محض گفتگو کو چھوڑ کر حال کی کیفیت پیدا کر (اور یہ تجھے اُسی وقت نصیب ہوگی) جب تو اپنے آپ کو کسی مردِ کامل کے قدموں میں ڈال دے گا۔

کلام حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

☆ مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ رہے، اس کی صحبت کیمیا اثر کو غنیمت سمجھے تا کہ شیخ کی نگاہِ شفقت حاصل ہو، اور اس کے فیضِ باطن سے حصّہ ملے۔

کسی اللہ والے سے پوچھا گیا کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا دس سال۔ اس لئے کہ مجھے ایک اللہ والے کی صحبت اس عرصہ میں میسّر آئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری عمر وہی دس سال ہے۔ واقعۃً جو لمحات کسی اللہ والے کی صحبت میں گزر جائیں وہی قیمتی اور یادگار لمحات ہوتے ہیں۔ اسی کو شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

یک زمانه صحبتِ با اولیاء بہتر از صد ساله طاعتِ بے ریا

یعنی وہ قیمتی لمحات جو کسی اللہ والے کی صحبت میں گزریں

وہ سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہیں۔

حضرت تھانویؒ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ کسی لمحے میں دل کی دنیا بدل جائے تو یہ چند لمحوں کی صحبت پوری زندگی کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

☆ مشائخ نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کی موجودگی میں وقوف قلبی کے بجائے رابطۂ قلبی (یعنی شیخ کے قلب سے مربوط رہنا) زیادہ مفید ہے۔

☆ شیخ کو اپنے حق میں سب سے انفع سمجھے، اور یہ اعتماد رکھے کہ میرا اصلاحِ باطن اور حصول معرفت کا مطلب اسی مرشد سے بآسانی حاصل ہوگا۔ ہر جائی نہ بنے، کہ ایسا کرنے سے فیض و برکات سے محروم رہے گا۔

☆ سالک کو چاہئے کہ شیخ کی مجلس میں اپنے آپ کو کسی طرح ممتاز نہ کرے۔ اس کی نشست گاہ پر نہ بیٹھے، بلا اجازت اس کے سامنے کھانے، پینے سے احتراز کرے۔ شیخ کے آگے نہ چلے، پیچھے چلنے میں سعادت محسوس کرے۔ شیخ کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ سے تنگ دل نہ ہو کیونکہ یہ اس کے لئے صیقل (چمکانے) کا کام کرتی ہے۔

☆ سالک کو چاہئے کہ شیخ کے ہوتے ہوئے اپنا سجادہ (جائے نماز وغیرہ) اُس وقت تک نہ بچھائے جب تک نماز کا وقت نہ ہو جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مرید کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے کو خدمت کے لئے وقف کرے۔ اور سجّادہ نشینی، آرام طلبی اور حصولِ جاہ وعزّت کی طرف اشارہ ہے۔

☆ مرید شیخ سے اپنے حوال باطنی ، اور فیوضاتِ ربّانی ، کرامت و اجابت کو پوشیدہ نہ رکھے بلکہ اس کو شیخ کے سامنے ظاہر کردے کیونکہ وہ اس کا طبیبِ روحانی ہے ۔ اور جس کے اظہار سے شرماتا ہو، اس کا اشارہ اور کنایہ سے ذکر کردے، تاکہ وہ اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرسکے ۔

☆ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے تمام چھوٹے بڑے کاموں میں شیخ کی ہدایات اور رجحانات کا خیال رکھے ، اور اس کے اخلاق ، حلم و بردباری پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی معمولی معمولی حرکات پر شیخ کی ناپسندیدگی کو نظرانداز نہ کرے ۔

☆ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے روحانی واقعات اور کشف پر شیخ سے رجوع کئے بغیر اعتماد نہ کرے، کیونکہ شیخ کا علم اس سے زیادہ وسیع ہے ۔

اگر مرید پر خدا کی جانب سے روحانی واردات نازل ہوں تو اس کی موافقت کرے گا ، اور اسے جاری رکھے گا، کیونکہ ربّ العالمین کی جانب سے کسی چیز میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اور اگر کوئی شک و شبہ ہو تو شیخ کے ذریعہ سے اس کا ازالہ ہوسکتا ہے ۔ اور مرید کو روحانی واردات اور کشف کے بارے میں صحیح علم حاصل ہوسکتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے، یا اس کا تعلق پوشیدہ خواہش نفسانی سے ہے ۔

(اکابر کا سلوک و احسان: ص116)

☆ اپنے استاد اور شیخ کے امر و نہی کی پیروی کرے، ظاہر و باطن میں ان کی مخالفت کو ترک کرے ، ان کی تعظیم اور حرمت کا خیال رکھے ۔ فرمایا گیا ہے کہ شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسا نبی اپنی امت میں ۔ شیخ کی صحبت میں اس طرح رہنا چاہئے جس طرح حضرات صحابہ کرامؓ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے ۔ قرآن کریم میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے کے آداب اسی طرح بتائے گئے ہیں ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ★ (الحجرات:۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آگے نہ بڑھو، یعنی جس قدر تم کو حکم دیا گیا اس پر عمل کرو، اس سے تجاوز نہ کرو۔

اور ارشاد باری ہے:

لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ⁕ (الحجرات۲)

تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کرو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ⁕ (النّور:۶۳)

تم رسول کو اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دسرے کو بلاتے ہو۔

☆ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس شخص کی حرمت کا خیال نہ رکھے جس سے اس نے ادب سیکھا ہے، تو وہ ادب کی برکت سے محروم رہے گا۔اور جو اپنے استاد سے "کیوں" کہہ کر سوال کرے گا تو کبھی کامیابی حاصل نہ کرے گا۔

☆ جب شیخ اس دار فانی سے رحلت فرما جائے تو اس کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرے تا کہ روحانی تعلق باقی رہے۔

☆☆☆

بیعت کی شرعی حیثیت،ضرورت اور فضیلت

بیعت کی شرعی حیثیت، ضرورت اور فضیلت

بیعت نام ہے عہد لینے کا۔کسی شریعت کی بات کے لئے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو انجام دیں گے۔خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے، یا کسی خاص مسئلہ کا عہد لیا جائے اس کو بیعت کہتے ہیں۔

بیعت کی عظمت

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَا يِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج فَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا * (الفتح:۱۰)

اے محمد ﷺ! جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، (تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنا ہے) اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔اس کے بعد جو کوئی عہد توڑے گا، اس کے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور جو کوئی اُس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، تو اللہ اس کو زبردست ثواب عطا کرے گا۔

یعنی جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ رب العزت سے بیعت کرتے ہیں۔اور یہ ایسے خوش نصیب ہیں کہ اُن کے ہاتھوں پر اللہ رب العزت کا ہاتھ ہے۔اس بیعت کی کتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اُن کے ساتھ کر دی ہے، ان کے ہر کام میں اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔اس سنت کی پیروی ہی میں مشائخ کی بیعت ظاہر کی جاتی ہے۔

بیعت ایک مسنون عمل

بیعت ایک مسنون عمل ہے ۔پیارے پیغمبر ﷺ نے بیعت کے امر کو ربّ العالمین کے حکم سے بہت سے مواقع میں انجام دیا ہے ۔اورآپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے دین کی استقامت،عقائد و اعمال میں شریعت کی پابندی، جہاد،ہجرت، اقامت ارکان اسلام وغیرہ پر بیعت لی ہے ۔اورمشہور احادیث میں پیارے پیغمبر ﷺ سے مروی ہے کہ:

اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا یُبَایِعُوْنَهٗ تَارَةً عَلَی الْهِجْرَةِ ، وَالْجِهَادِ، وَتَارَةً عَلٰی اِقَامَةِ اَرْکَانِ الْاِ سْلَامِ ، وَتَارَةً عَلَی الثَّبَاتِ وَالْقَرَارِ فِیْ مَعْرِکَةِ الْکُفَّارِ، وَتَارَةً عَلَی التَّمَسُّکِ بِالسُّنَّةِ وَالْاِجْتِنَابِ عَنِ الْبِدْعَةِ ، وَالْحِرْصِ عَلَی الطَّاعَاتِ ، کَمَا صَحَّ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنّ لَّا یَنَحْنَ۔

لوگ بیعت کرتے تھے پیارے پیغمبر ﷺ سے کبھی ہجرت اور جہاد پر، اور کبھی اقامت ارکان اسلام یعنی صوم وصلوٰۃ،حج وزکوٰۃ پر،اور کبھی معرکۂ کفار میں ثابت قدمی پر، اور کبھی سنت نبوی کو مضبوط پکڑنے اور بدعت سے بچنے پر، اور کبھی عبادات کے حریص اور شائق ہونے پر۔جیسے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے انصار کی عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی۔

اقسام بیعت

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت اسلامی میں بیعت کی کئی اقسام ہیں، جن میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

بیعت اسلام

جب کوئی کفر وشرک سے بیزاری کا اظہار کر کے دین اسلام میں داخل ہونا چاہتا تو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بیعت لیتے تھے ،جس کی مثال ہجرت سے قبل بیعت عقبہ اُولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

بیعت جہاد

بیعت جہاد کی مثال حدیبیہ کے موقعہ پر پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرات صحابہ کرامؓ سے دشمنوں کے مقابلے میں بیعت لینا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿﴾

(الفتح:۱۸)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوگیا جبکہ وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اس لئے اُس نے اُن پر سکینت اُتاردی ، اور اُن کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی۔

اس میں اُس بیعت کا ذکر ہے جو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے حدیبیہ کے مقام پر ببول کے ایک درخت کے نیچے لی تھی۔اور کس بات کی بیعت لی تھی؟ حضرت سلمہ ابن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ بیعت موت کے اوپر کی تھی۔(کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئی تو ہم مر جائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں ، بلکہ جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے)۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر یہ

اشعار تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایِعُوْا مُحَمَّدًا   عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی ہے، جہاد کرنے پر جب تک زندہ رہیں گے۔

کبائر سے اجتناب پر بیعت

کبائر سے اجتناب کے لئے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی، جس کا تذکرہ سورۃ الممتحنہ میں ربّ العالمین نے بیان فرمایا:

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَا یِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِا للّٰهِ شَیْئًا، وَّلَا یَسْرِقْنَ ، وَلَا یَزْنِیْنَ ، وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ، وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ ، وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَا یِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٭

(الممتحنة:۱۲)

اے نبی! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں مانیں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، (زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ لوگ اپنے بچوں کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ ان کے بچوں کو پالنے میں خرچ بہت کچھ کرنا پڑے گا، یعنی فاقہ کے خوف کی وجہ سے)، اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو، اور نہ کسی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی، ، تو تم ان کی بیعت کر لیا کرو، اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت کی

دعاء کیا کرو، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

تو یہ بیعت اجتناب عن الکبائر کے لئے ربّ العالمین کے حکم سے جاری ہوئی، اور آپ ﷺ نے بحکم الٰہی یہ بیعت لی۔

مختلف احکام شریعت پر بیعت

پیارے پیغمبر ﷺ نے ہجرت سے پہلے جبکہ مکّہ معظّمہ میں بارہ (12) سردار انصار کے جمع ہوئے، اور ان کو دین کی طرف تعلیم دی تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو اُنہی سرداروں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ:

بَایِعُوْ نِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ شَیْئًا ، وَلَا تُسْرِقُوْا، وَلَا تَزْنُوْا۔

(صحیح مسلم: ۲،۷۳)

مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھراؤ گے، اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے۔

اس بیعت میں پیارے پیغمبر ﷺ نے اسلام کی مختلف چیزیں تعلیم فرمائیں، اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے کی، رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنے کی مختلف چیزیں عہد میں لیں، اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ان باتوں پر وفاداری کے ساتھ قائم رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جگہ دے گا، اس کی مغفرت فرمائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے گا، اور دنیا میں اس کو سزا ملی تو آخرت کی سزا اس پر سے اٹھ جائے گی، اور اگر اس نے نافرمانی کی، اور دنیا میں سزا نہیں دی گئی تو اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے سزا دے، چاہے تو معاف فرمائے۔ تو اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے کبھی بعض خاص باتوں پر بیعت لی ہے، اور کبھی عام باتوں پر، اور کبھی پوری شریعت پر بیعت لی ہے، جن کا احادیث میں تفصیل کے ساتھ ذکر آتا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے بعض محتاج مہاجرین اصحاب سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ:

اَنْ لَّا يَسْئَلَ النَّاسَ شَيْئًا، فَكَانَ اَحَدُهُمْ يَسْقُطُ سَوْطَهٗ ، فَيَنْزِلُ عَنْ فَرَسِهٖ ، فَيَأْخُذُهٗ وَلَا يَسْئَلُ اَحَدًا۔

وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں گے، تو عادت یہ تھی کہ اگر کوئی صحابی گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کا کوڑا گر گیا، تو کوڑا بھی کسی دوسرے سے نہیں اٹھواتا تھا، بلکہ خود گھوڑے سے اتر کر اپنے کوڑے کو اٹھاتا تھا۔

بیعت ہجرت

حضرت حارث بن ساعدیؓ سے مروی ہے کہ جب غزوۂ خندق کے موقعہ پر میں پیارے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ لوگوں سے ہجرت پر بیعت لے رہے تھے۔ میرا گمان ہوا کہ لوگ بیعت کے لئے بلائے جا رہے ہیں تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس سے بھی بیعت ہجرت فرما لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا، میرے چچا زاد بھائی حوت بن یزید ہیں (یا یزید بن حوط)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے بیعت ہجرت نہیں لیتا، لوگ تمہاری طرف ہجرت کر کے آتے ہیں، تم لوگوں کی طرف ہجرت کر کے نہیں جاؤ گے۔ الیٰ آخرہ۔۔

(حقیقت تصوّف و سلوک ص ۱۲۸)

بیعت امارت

کسی کو امیر یا سربراہ بنانے کے لئے بیعت کرنا جیسے ابتدائی عہد میں سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر اور دیگر خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی۔

تو بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک مسنون عمل ہے۔قرآن و احادیث میں بہت سے واقعات کو ذکر کیا گیا ہے، بیعت اُسی وقت سے جاری ہے۔

بیعت طریقت

اسی بیعت میں سے ایک بیعت طریقت کی ہے جو پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانہ سے آج تک چلی آرہی ہے۔اس بیعت کا مقصد یہ ہے کہ استقامت سے شریعت پر عمل نصیب ہو جائے۔اس میں اس بات پر بیعت کی جاتی ہے کہ شریعت پر مضبوطی سے چلیں گے، اورجن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے،اس سے بچیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت میں پوری طرح توجہ سے کام لیں گے۔اسی کو بیعت طریقت یا پیری مریدی، یا بیعت اصلاح کہا جاتا ہے۔ اللہ کے خاص خاص بندوں نے ہر زمانہ میں مسلمانوں سے عہد لئے ہیں، یہ حقیقت میں وہی بیعت کا طریقہ ہے۔

اقسام بیعت صوفیہ

جو بیعت صوفیوں میں متوارث ہے وہ کئی طریق پر ہے۔

(1) بیعت توبہ: یعنی کبیرہ گناہوں کو چھوڑنے، اورصغیرہ گناہوں سے بچنے اور واجبات اورسنن مؤکدہ کو بجالانے کا عہد کرنا۔

(2) بیعت تبرّک: یعنی برکت کے قصد و ارادہ سے صالحین کے سلسلہ میں داخل ہونا۔حصول برکات کے لئے جو بیعت کی جاتی ہے اُس کی شرط یہ ہے کہ بیعت خلوص سے کی جائے ، اورحصولِ برکات کی نیت سے کی جائے۔پھر اپنی نیتوں ، ارادوں اورقلبی کیفیات پر محاسبانہ نگاہ رکھی جائے ،ااور جو برکات نصیب ہو رہی ہیں اُن پر استقامت دکھائے۔

(3) بیعت تاکّدِ عزیمت: یعنی ظاہر اور باطن سے اوامرِ الٰہی کو بجا لانے اور منہیّات سے بچنے کا دل کی گہرائیوں سے عزمِ مصمّم کرنا۔

تو بیعتِ تصوّف کا اصل مقصد باطنی علوم کا حصول، اللہ ربّ العزت سے مسلسل تعلق کا قیام، قرب الٰہی کی آرزو کا پیدا ہو جانا، اور گناہ چھوڑ کر نیکی کی رغبت پانے کا نام ہے۔

بیعت کی ضرورت

انسانی نفس میں بعض ایسے خفیہ امراض ہوتے ہیں جو اوّل تو سمجھ ہی میں نہیں آتے اور اگر آ بھی جائیں تو ان کا علاج سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے ان کے علاج کے لئے کسی محقق عارف شیخ اور پیر کامل کی ضرورت ہوتی ہے جو ان امراض کا علاج کر سکے۔ جس کو خود ان تجربات سے بارہا گذرنے کے بعد کسی صاحبِ بصیرت نے سہارا دیا ہو تو وہ ہر حالت کو پہچان لیتا ہے کہ اس میں کتنا حق ہے اور کتنا باطل، کتنی واقعیت ہے اور کتنا دھوکہ ہے۔ اس لئے اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے۔

پھر اسی کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے۔ اس لئے راہ سلوک کے طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی رہبر کا دامن تھام لے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بنا ٹھوکر کھائے راہ سلوک کو عبور کر لے۔

ے گر ہوائے ایں سفر داری دلا   دامنِ رہبر بگیر و پس بیا
بے رفیقے ہر کہ شُد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشُد آگاہ عشق

یعنی اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ کر چلو، اس لئے کہ جو بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا، اُس کی عمر گذر گئی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

اس لئے کسی جامع شریعت وطریقت مرشد کی ضرورت ہے، تا کہ شیطانی وساوس اور ہوائے نفسانی سے اُس کی توجہ والتفات سے محفوظ رہ سکے، اور اپنے امراضِ باطنی کے لئے اسی حکیمِ صادق کے بتائے ہوئے نسخے کو استعمال کرے، کیونکہ جب تک اندرونی امراض (حسد، بخل، غرور، کینہ، ریا کاری وغیرہ) کا انسداد نہ ہو جائے، اور ان کی جگہ اوصافِ حمیدہ یعنی (علم، حلم، سخاوت، خاکساری، تحقیرِ نفس، کم خوری، کم آرام طلبی، کم گفتگو وغیرہ) نہ پیدا ہوں گے اُس وقت تک وصول الی اللہ نہیں ہوسکتا۔ انہیں ضرورتوں کی بنا پر کسی مرشد کامل کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا ضروری کر دیا گیا ہے۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ *

جس کا میلان میری طرف ہو اس کی اتباع کرو۔

اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ آسان اور نزدیک تر راستہ یہی ہے۔ اس لئے ہر طالب کو چاہئے کہ پہلے اتباع شیخ سے تمام بداخلاقیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے، اور اپنے آپ کو کمالات ومحاسن کا جامع بنائے، اور دل میں سوائے اللہ عزوجل تعالیٰ کے کسی کے خیال کو جگہ نہ دے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

چوں تو کردی ذاتِ مرشد را قبول

ہم خدا آمد ز ذاتش ہم رسول

نفس نتواں کشت الّا ذاتِ پیر

دامنِ آں نفس کُش محکم بگیر

جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کرلیا، تو اس کی ذات سے تمہیں اللہ بھی مل گیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔ سرکش نفس کو پیر کی ذات کے سوا کوئی نہیں مار سکتا، اس لئے

اُس نفس کو مارنے والے کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

اور مولانا فرماتے ہیں:ـ

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی صحبت میں ذرا سی دیر بیٹھنا

سوسال کی بے ریا خالص عبادت سے بہتر ہے۔

اس لئے کہ بقول حضرت تھانویؒ خود پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کہ گواہی دے رہے ہیں کہ:

" هُمْ رِجَالٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ"

یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔

(اور بد بخت وہ ہوتا ہے جو موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے) جب پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ بد بخت نہیں ہوسکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے والوں کا ربّ العالمین خاتمہ بالایمان فرماتے ہیں۔

بیعت لینے کا مستحق کون ہے؟

بیعت کرنا ہر شخص کا حق نہیں ہے۔بلکہ جو شخص اپنے افعال ،اقوال اور حالات میں شریعت کا پابند ہو،قرآن وحدیث کا علم رکھتا ہو،کبیرہ گناہوں،بدعات اور فسق و فجور سے بچتا ہو،اور اس نے کسی ولی اور مرشد،متقی عالم کے پاس رہ کر کے نسبت باطنی حاصل کی ہو،اور ان سے ادب سیکھا ہو،اور ان بزرگوں نے اسے اس کام پر مامور کیا ہو۔

اُس نے فقر و فاقہ کو اختیار کیا ہو،حلال اور حرام کا جاننے والا ہو۔تارک دنیا اور

آخرت کا راغب ہو، ہمیشہ تعلّق دل کا اللہ پاک سے رکھتا ہو، یادداشت کی مشق اس کو حاصل ہو، امرِ مشروع کا حکم کرتا ہو اور خلاف شرع کاموں سے روکتا ہو، ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ پر زمانہ سابقہ میں بیعت کی جاتی تھی، اور وہی مستحق ہیں بیعت لینے کے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ مرشد کا اس واسطے مشروط ہوا ہے کہ بیعت مشروع ہوئی ہے واسطے صفائی باطن کے، اور صفائی باطن میں فقط قول بغیر عمل کے کفایت نہیں کرتا، اس لئے جو مرشد اعمال خیر سے متصف نہ ہو، بلکہ صرف زبانی تقریروں پر کفایت کرتا ہو وہ مستحق بیعت نہیں ہے۔

بیعت لینے میں ظہور کرامات، اور خوارقِ عادات شرط نہیں ہیں، اس لئے کہ ظہور کرامات اور خوارق عادات ثمرہ ہیں مجاہدات اور ریاضت کشی کے۔

تمام صحابہ میں خاص خاص لوگ بیعت لیتے تھے، خلفائے راشدین اور خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے بعد حضرت امام حسن بصریؒ، اور پھر ان کے خلفاء برابر بیعت لیتے تھے، ان کو پیر کہا گیا۔

شیخ یا پیر کا مطلب

پیر کا معنیٰ لغت میں بوڑھے کے ہیں، چونکہ مُعَمَّر آدمی جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں زیادہ دنوں تک وقت گزارا ہو وہی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے عہد لے تو اس واسطے اس کو عربی میں شیخ اور فارسی میں پیر کہتے ہیں۔

پیر کسی خاص آدمی، کسی خاص نسب یا کسی خاص طریقہ کرنے والے کا نام نہیں ہے، بلکہ جو شخص شریعت کا پابند ہو، اور عرصہ دراز تک اس نے ریاضتیں کی ہوں، ذکر کیا ہو، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا ہو، اس قدر عبادت کی ہو کہ اس کے اندر نسبت اللہ تعالیٰ سے پوری پیدا ہو گئی ہو، اسی سے وہ شریعت پر بیعت لینے کا مستحق ہے، اور وہی پیر اور شیخ ہوتا ہے۔

سچے اور جھوٹے پیر

مگر جس طرح ہر جماعت میں کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں ،اسی طرح سے طریقت کے اندر بھی کھوٹے پائے جاتے ہیں،جن کا مقصد اپنی خواہشات کو پورا کرنا، دین کو جال بنا کر دنیا حاصل کرنا ہوتا ہے ۔مگر ایسے لوگوں کی برائی کی وجہ سے اس فن کے اندر برائی پیدا نہیں ہوتی ۔جیسے ریا کار اور بے دین لوگوں کی وجہ سے نماز کو غلط نہیں کہا جا سکتا ،اسی طرح خانقاہی نظام میں بھی غلط لوگوں کی وجہ سے پورے خانقاہی نظام کو بھی غلط کہنا درست نہیں ہے اسی واسطے مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ۔ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

یعنی بہت سے ابلیس انسانوں کے بھیس میں آتے ہیں

اس لئے ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے۔

اس لئے جس طرح آپ ہر وکیل کو اپنا وکیل، ہر ڈاکٹر کو اپنا معالج نہیں بناتے ہیں بلکہ سوچ سمجھ کر قابل آدمی کی تلاش کرتے ہیں تو آخرت کے معاملے میں بھی ہر آدمی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیں۔

جو شخص شریعت کے اوپر نہ چلتا ہو،نماز کا پابند نہ ہو، روزہ کا پابند نہ ہو، پیارے پیغمبر ﷺ کی سنت کا تابعدار نہ ہو، وہ شخص بیعت لینے کا، پیر بننے کا کسی طرح حق دار نہیں ہوسکتا۔قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے :

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ (التوبة:١١٩)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچّوں کے ساتھ رہو۔

تو پیر ایسا شخص بنایا جائے گا، جو سچّا ہو، اللہ ربّ العزت کے ساتھ بھی سچّا ہو، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھی سچا ہو۔ جس کے اندر غل، مکر، فساد، حیلہ وغیرہ نہ پایا جاتا ہو، اللہ تعالیٰ کی سچّی تابعداری کرتا ہو، ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ * (المائدة:35)

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، ڈرو اللہ تعالیٰ سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، وہ شخص جو تمہارے لئے ذریعہ ہو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا اُسی کو مرشد کہتے ہیں۔

بیعت تصوف کی شرائط

(1) طلب صادق: حبّ الٰہی اور الفت پیغمبر ﷺ کے حصول کے لئے سچّی طلب رکھنا۔

(2) شیخ سے قلبی تعلق: بیعت ایک تعلق ہے جو دل کو دل سے جوڑتا ہے، جس دل میں اللہ تعالیٰ کو پانے کی سچّی آرزو ہو، تو اللہ تعالیٰ اُسے ایسے صاحب دل کے پاس پہنچا دیتا ہے جس سے اپنا مقصود پا کر خود بخود اس سے محبت ہونے لگتی ہے۔ سالک کے دل کا تعلق شیخ سے جتنا مضبوط ہوگا اسی قدر اس کے لئے تصوف میں ترقی، برکات کا حصول اور اس راہ میں استقامت نصیب ہوگی۔

تکرار بیعت

تکرار بیعت (یعنی ایک پیر سے بیعت ہونے کے بعد دوسرے سے بیعت

کرنا) پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے اور حضرات صوفیاء سے بھی ،اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔لیکن ایک وقت میں ایک ہی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے ۔ دو پیروں سے بیعت کرنا (یعنی تجدید بیعت کرنا) یا تو اس وجہ سے ہو کہ جس سے بیعت کر چکا ہے اس میں کوئی خلل ظاہر ہو جائے ، یا اس کی موت واقع ہو جائے ، یا وہ غائب ہو جائے اور اس سے ملاقات کی توقع باقی نہ رہے ۔(اور اُسے ابھی تک نسبت کے حصول کی بشارت نہ ملی ہو،اُسے تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کا حصول نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں تجدید بیعت ضروری ہے ۔

جس طرح ایک طالب علم کے لئے ایک استاد کے فوت ہونے کی صورت میں دسرے استاد سے قرآن کریم کامکمل کرنا ضروری ہوتا ہے)۔مگر بلا عذر ایک مرشد کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے بیعت کرنا صحیح نہیں ہوگا ، بلکہ یہ کھیل کے مشابہہ ہوگا جس کی وجہ سے بیعت کی برکات حاصل نہیں ہوں گی ۔

(القول الجمیل:ص35)

حضرت مجدّد الف ثانیؒ ایک مکتوب کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں : آپ کا بھیجا ہوا خط موصول ہوا،آپ نے پوچھا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس جائے ،اور حق جلّ وعلا کی طلب کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جاننا چاہئے کہ مقصود حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے ، اور پیر حق تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے ، اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے ، اور اپنے دل کو اُس کی صحبت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ طالب پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شیخ کے پاس جائے ، اور اس سے رشد وہدایت طلب کرے ۔لیکن چاہئے کہ پیرِ اوّل کا انکار نہ کرے ،اور اُس کو نیکی کے ساتھ یاد رکھے ۔

خاص کر اِس وقت کی پیری مریدی جو محض رسم و عادت کے طور پر رہ گئی ہے ۔اس

وقت اکثر پیروں کو اپنی خبر نہیں ، اور ایمان وکفر میں فرق نہیں کر سکتے ،تو پھر وہ خدائے تعالیٰ کے متعلق کیا خبر رکھیں گے ، اور مرید کو کونسا راستہ دکھائیں گے ۔

ے آگه از خویشتن چو نیست جنیں
کے خبر دارد از چُناں و چُنیں

ایسے مرید پر ہزار افسوس ہے کہ اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے ، اور کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے ، اور خدائے تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے ، یہ شیطانی خطرات ہیں جو ناقص پیر کی زندگی کی راہ سے آ کر طالب کو حق تعالیٰ سے ہٹا کر رکھتے ہیں ۔ جہاں ہدایت اور دلجمعی پائی جائے ، بلا توقف اُدھر رجوع کرنا چاہیئے ، اور شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنی چاہیئے ۔

(دفتر دوم مکتوب:63، حضرت مجدد الف ثانی: ص 609)

فتاویٰ حقانیہ میں مذکور ہے کہ طریقت و بیعت چونکہ اخذِ فیض کے لئے کی جاتی ہے ، اس لئے اگر پہلی جگہ بیعت کے بعد فیض کا حصول یقینی نہ ہو تو دوسری جگہ بیعت کرنا جائز ہے لیکن اس کی عادت نہیں بنانی چاہیئے کیونکہ اس سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے ، اور مرشد سے فیوض و برکات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے ۔

(فتاویٰ حقانیہ:۲/۲۵۷)

بیعت کے فوائد

بیعت کا بڑا فائدہ حفاظت الٰہیہ کا حصول ہے ۔ حفاظت الٰہیہ بندے کو خطاؤں ، گناہوں اور برائی سے محفوظ رکھتی ہے ۔ اُسے شیطان سے دفاع اور معاشرے میں رہنے کا ڈھنگ نصیب ہوتا ہے ، وہ اللہ کا حکم مجبوراً ماننے کے بجائے دل کی تمنّا سے مانتا ہے ۔ احکام شرعیہ اس کی روح کی غذا بن جاتے ہیں ، نئے نئے اعمال کرنے کی توفیق ہوتی ہے ، نیکی

کرنے سے دلی خوشی حاصل ہوتی ہے اور احکام پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔اور مسائل زندگی میں اُس کو فیصلہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے، اور بندہ نیکی کا فیصلہ کرتا ہے، برائی کا نہیں۔

حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس برگزیدہ بندے کی جواللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت اور عزت ہے تو اُس کی وجاہت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس شخص کی کفالت کرتی ہے، جو اُس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔اور اس کی یہ حفاظت دو طریقوں سے کی جاتی ہے یا تو اللہ تعالیٰ اس بیعت کرنے والے کے مرشد کو اس کے بارے میں مطلع فرما دیتا ہے،اور مرشد کے ذریعہ سے اس کو اس خرابی سے نکالتا ہے، اور کبھی خود ہی کسی فرشتے کے ذریعے اُس کی مرشد کی صورت میں آ کر اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔

جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی حفاظت کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں ان کے سامنے آئے اور انگلی منہ میں دبائے ہوئے اشارہ کیا کہ خبردار اس میں مبتلا مت ہونا۔اس طرح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچا لیا گیا۔

جس طرح ایک نوجوان جب فوج کی وردی پہن لیتا ہے تو اس کا تعلق فوج سے ہو جاتا ہے،اور اس کی وجہ سے وہ ہمدردی رکھتے ہیں۔اسی طرح جو شخص مشائخ طریقت سے بیعت ہو جاتا ہے اس کو اس سلسلہ کے بزرگوں سے روحانی تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔اور اس نسبت کی وجہ سے اللہ رب العزت کے ہاں اس کی عزت وقدر بڑھ جاتی ہے۔

☆ حضرت لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ بیعت کے دو فائدے ہیں:

(1) قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالذّٰاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًاوَّ الذّٰاكِرَاتِ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ⁕

اور بہت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں ان کے لئے مغفرت ہے، اور اجر عظیم ہے۔

(2) اور قرآن کریم میں قیامت کے متعلق ارشاد باری ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ⁕

جس دن لوگ ٹولے ٹولے ہو کر آئیں گے۔

تو ہر ایک اپنے شیخ سے ملتے ملتے اوپر تک مل جائے گا۔ الحمد للہ ہمارا سلسلہ سیدھا حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔

☆ بیعت کی برکت سے ربّ العالمین آخرت میں صالحین کے ساتھ حشر فرمائیں گے اس لئے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ "

قیامت کے دن بندہ اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔

تو بیعت کے ذریعے جب کوئی بندہ اپنے شیخ کے ساتھ تعلق جوڑتا ہے تو یقینی طور پر اسے اپنے شیخ اور پیر بھائیوں کے ساتھ قلبی اور دینی محبت پیدا ہو جاتی ہے، تو آخرت میں اس کے شیخ کو جو مقام حاصل ہوگا اللہ کی رحمت سے اسے بھی اُن کا ساتھ نصیب ہوگا۔

اصل ضرورت تعلیم شیخ کی ہے بیعت اصل نہیں ہے

یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ اصل ضرورت شیخ کی تعلیم کی ہے نہ کہ بیعت کی۔ آج کل تمام دار و مدار بیعت پر سمجھا جاتا ہے، اور تعلیم کی جانب توجہ نہیں دی جاتی۔

حالانکہ اصل چیز تعلیم ہے۔ اگر ایک شخص کسی سے بیعت نہیں ہے، لیکن اس کو شیخ

کامل تعلیم دیتا ہے، اور وہ اخلاص وسچائی کے ساتھ، اور فکر و اہتمام کے ساتھ پورا پورا اتباع کرتا ہے، عمل کرتا ہے، تو اس کے کامل ومکمل ہوجانے میں ذرّہ برابر شک وشبہ نہیں۔

برخلاف اس شخص کے جو کسی قطب الارشاد سے بیعت ہے، مگر نہ وہ تعلیم دیتا ہے، اور نہ یہ عمل کرتا ہے تو یہ بیعت ہیچ ہے۔

☆ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ میں دس سال تک صوفیائے کرام کے اس قول میں توقف اور شک کرتا رہا کہ ذاکر اثناءِ سلوک میں ایک ایسے حال پر پہنچتا ہے کہ اگر اس وقت اس کے چہرہ پر تلوار ماردی جائے تو اس کو پھر بھی ذرا احساس نہیں ہوتا۔

یہاں تک کہ جب خود ہمیں یہ حالت پیش آئی تو اس وقت شک دور ہوا، اور ہم نے اس بات کو بعینہٖ ویسا ہی پایا جیسا کہ مشائخ نے فرمایا تھا۔اور یہ بات بغیر ذوق حاصل ہوئے سمجھ میں نہیں آتی۔کسی نے سچ کہا ہے۔؂

ذوق ایں می نہ شناسی بخدا تا نچشی

خدا کی قسم اس کا ذوق (ذائقہ) تو نہیں سمجھ سکتا جب تک چکھ نہ لے۔

☆☆☆

بیعت کے وقت کا خطبۂ مسنونہ

سلف سے بیعت کے وقت خطبۂ مسنونہ پڑھنا ثابت ہے، اور خطبہ مسنونہ یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ، وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ، وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَ سُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ ۔

سب تعریف اللہ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اور اس سے مدد مانگتے ہیں، اور اس سے مغفرت چاہتے ہیں، اور پناہ مانگتے ہیں اللہ کی اپنے نفوس کی بدیوں سے، اور اپنے اعمال کی برائیوں سے، جس کو اللہ نے ہدایت کی اُس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو اس نے بہکایا اُس کو کوئی راہ بتانے والا نہیں، اور گواہی دیتا ہوں میں اس کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے، اور اس بات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رحمت بھیجے اللہ اُن پر اور ان کی آل پر، اور ان کے اصحاب پر، اور برکت کرے اور سلامتی عنایت فرمائے۔

خطبہ کے بعد مرشد مرید کو ایمان اجمالی کی تلقین کرے اور اس کو کہے کہ یوں کہو:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ بِمَآ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ،عَلٰى مُرَادِ اللّٰهِ ، وَ اٰمَنْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ،عَلٰى مُرَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَبَرَّأْتُ مِنْ جَمِيْعِ

الْاَدْیَانِ ، وَ جَمِیْعِ الْعِصْیَانِ، وَاَسْلَمْتُ الْاٰنَ ، وَاَقُوْلُ : اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ.

ایمان لایا میں اللہ پر اور جو اللہ کے پاس سے آیا ہے اللہ کی مراد پر، اور ایمان لایا میں اللہ کے رسول ﷺ پر اور اس پر جو اللہ کے رسول کے پاس سے آیا، رسول اللہ ﷺ کی مراد پر، اور بیزار ہوا میں سب دینوں سے سوائے اسلام کے، اور بیزار ہوا سب گناہوں سے ،اور میں اب اسلام لایا یعنی اسلام کو تازہ کیا ، اور میں کہتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے ، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اُس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

پھر مرشد مرید سے کہے کہ۔

بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بِوَاسِطَۃِ خُلَفَآئِہٖ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃً اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ، وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ ، وَحَجِّ الْبَیْتِ اِنِ اسْتَطَعْتُ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔

میں نے بیعت کی رسول اللہ ﷺ سے ان کے خلفاء کے واسطے سے پانچ امر پر، اس بات کی گواہی پر کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے ،اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں،اور نماز قائم کرنے پر، اور زکوۃ کے دینے پر، اور رمضان کے روزوں پر، اور بیت اللہ کے حج پر اگر مجھ کو استطاعت ہوگی اس کی راہ کی۔(یعنی زادراہ اور سواری کی)۔

پھر مرشد مرید سے کہے کہ:

بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِوَاسِطَةِ خُلَفَآئِهٖ عَلٰى اَنْ لَّا اُشْرِکَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا اَسْرِقَ ، وَلَا اَزْنِیْ ، وَلَا اَقْتُلُ، وَلَا اٰتِیْ بِبُهْتَانٍ اَفْتَرِيْهِ بَيْنَ يَدَیَّ وَرِجْلَیَّ، وَلَا اَعْصِيَهٗ فِیْ مَعْرُوْفٍ۔

بیعت کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، بواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء کے اس بات پر کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروں گا، اور چوری نہ کروں گا، اور زنا نہ کروں گا، اور قتل نہ کروں گا، اور اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے درمیان بہتان افترا کر کے نہ لاؤں گا، اور امر مشروع میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

پھر مرشد ان دو آیتوں کو پڑھے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ (المائدة:35)

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، ڈرو اللہ تعالیٰ سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، (یعنی وہ شخص جو تمہارے لئے ذریعہ ہو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا اُسی کو مرشد کہتے ہیں)۔ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے جدّامجد شاہ عبد الرحیمؒ کے ایک مرید سے سنا کہ ان کے ہم عصر ایک عالم نے اُن سے بیعت کے سنت یا بدعت ہونے میں گفتگو کی، تو جدّ امجد (یعنی مولانا شاہ عبد الرحیمؒ) نے بیعت کی مشروعیت کے واسطے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا، اور فرمایا

کہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلہ سے ایمان مراد لیا جائے ، اس لئے کہ خطاب اہل ایمان سے ہے ، چنانچہ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اس پر دلالت کرتا ہے۔

اور عمل صالح بھی مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ تقویٰ میں داخل ہے، اس واسطے کہ تقویٰ عبارت ہے امتثالِ اوامر اور اجتناب نواہی سے ، اس واسطے کہ قاعدہ عطف کا مغایرت بین المعطوف والمعطوف علیہ کا مقتضی ہے ۔ اور اسی طرح جہاد بھی مراد نہیں ہوسکتا ۔ پس متعین ہو گیا کہ وسیلے سے مراد ارادت اور بیعت مرشد کی ہے ۔ واللہ اعلم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۞ (الفتح:۱۰)

اے محمد ﷺ ! جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں ، (تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنا ہے) اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے ۔ اس کے بعد جو کوئی عہد توڑے گا ، اس کے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا ، اور جو کوئی اُس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے ، تو اللہ اس کو زبردست ثواب عطا کرے گا۔

نوٹ

(اگر کوئی شیخ صرف خواتین کو بیعت کے کلمات پڑھائے تو خطبہ میں سورۃ الفتح کی اس آیت کے بجائے ، سورۃ الممتحنۃ کی آیت نمبر 12 کی تلاوت کرے ۔)

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ

بِاللّٰهِ شَيْـًٔـا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَـانٍ يَّفْتَرِيْنَـهٗ بَـيْنَ اَيْـدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِـنَّ وَ لَا يَعْصِـيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۲)

اے نبی! جب مسلمان عورتیں تمہارے حضور اس بات پر بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان میں گھڑیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٭ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٭

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ٭

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِـهٖ وَرُسُـلِهٖ وَالْيَـوْمِ الْاٰخِـرِ وَالْقَـدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ٭

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِـفَاتِهٖ وَ قَبِلْـتُ جَمِيْـعَ اَحْكَامِـهٖ ،

اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ*

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ*

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ وَ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔بِرَحْمَتِکَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ*

پھر مرشد دعاء کرے اپنی ذات کے واسطے، اور مرید کے واسطے اور حاضرین کے واسطے اور یوں کہے:

بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، وَنَفَعَنَا وَإِيَّاكُمْ.

اللہ تعالیٰ برکت کرے ہمارے اور تمہارے واسطے، اور نفع پہنچائے ہم کو اور تم کو۔

وَلَا بَأْسَ اَنْ يُّلَقِّنَهٗ ، فَيَقُوْلُ : قُلِ اخْتَرْتُ الطَّرِيْقَةَ النَّقَشْبَنْدِيَّةَ، اَوِ الْقَادِرِيَّةَ ، اَوِالْچِشْتِيَّةَ، الْمَنْسُوْبَةَ اِلَى الشَّيْخِ الْاَعْظَمِ ، وَالْقُطْبِ الْاَفْخَمِ خَوَاجَه نقشبندية، اوالشيخ محى الدين عبد القادر الجيلانى ،اوالشيخ معين الدين السنجرى۔

اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ مرشد مرید کو یوں تلقین کرے سو کہے کہ تو کہہ کہ۔ میں نے اختیار کیا طریقۂ نقشبندیہ جو منسوب ہے طرف شیخ اعظم اور قطب افخم خواجہ نقشبندؒ کے، یا طریقۂ قادریہ جو منسوب ہے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف، یا طریقۂ چشتیہ جو منسوب ہے شیخ معین الدین سنجری سیستانیؒ کی طرف۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فُتُوْحَهَا، وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَةِ اَوْلِیَآئِهَا ، بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

اے اللہ ! ہمیں اس طریقے کی فتوح عنایت فرما، اور اے ارحم الراحمین !اپنی رحمت سے ہمارا حشر اس طریقے کے گروہ کے ساتھ فرمانا۔

بیعت کے وقت ہاتھ میں ہاتھ دینا

ہاتھ میں ہاتھ دے کر کلمات پڑھنا سنت ہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ پیارے پیغمبر ﷺ، خلفائے راشدین؄ اور بزرگانِ دین کا عام معمول یہی رہا ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت فرمایا کرتے تھے، اس لئے کہ بیعت کرنا ایک عہد ہے، اور عہد کے وقت عام طور پر ہاتھ میں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ.

(الفتح:١٠)

(اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

اور حافظ ابن کثیر حضرت انس بن مالک؄ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَیْعَةِ الرِّضْوَان ، کَانَ عُثْمَانَ بْنُ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ رَسُوْلَ، رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی اَهْلِ مَکَّةَ ، فَبَایَعَ النَّاسَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَللّٰهُمَّ اَنَّ عُثْمَانَ فِیْ حَاجَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ حَاجَةِ رَسُوْلِهٖ ، فَضَرَبَ بِاِحْدٰی یَدَیهِ عَلَی الْاُخْرَاهُ۔

(ابن کثیر:٢٣٨،٤)

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو اُس وقت حضرت عثمان بن عفّان ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد بن کر مکّہ والوں کے پاس گئے ہوئے تھے۔لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی۔بیعت کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الٰہی عثمان ؓ تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کو گئے ہوئے ہیں، پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا ، گویا حضرت عثمان ؓ کی طرف سے بیعت کی۔

پس حضرت عثمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اُن کے اپنے ہاتھ سے بہت افضل تھا۔اس بیعت میں سب سے پہل کرنے والے حضرت ابو سنان اسدی ؓ تھے، انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا: حضورؐ ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کرلوں ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا ، جو آپ کے دل میں ہو اُس پر۔حضرت ابو سنان اسدی ؓ کے والد کا نام وہب تھا۔

(تفسیر ابن کثیر: پ ۲۶ ص ۲۹۷)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا سنت ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ،اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اس طرح سے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں دست مبارک میں کرلیا،سو جس طرح میں نے خواب میں دیکھا میں بھی بیعت لیتے وقت اسی طرح کرتا ہوں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ بعض اکابر مرید سے فرماتے ہیں کہ اپنا داہنا ہاتھ پھیلا دے، پھر مرشد اُس پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا ہے،اور اسی طرح کی روایت حضرت عمرو بن

العاص ؓ نے پیارے پیغمبر ﷺ سے کی ہے۔

(القول الجمیل:ص:40)

اگر لوگ بہت زیادہ ہوں تو چادر پھیلا کر سب اُسے پکڑ لیں ۔ یہ بھی عملِ نبوی ﷺ ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو پیارے پیغمبر ﷺ نے اپنی چادر میں رکھ دیا اور تمام رؤسائے قریش نے مل کر اس چادر کو اٹھایا اور پیارے پیغمبر ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر اپنی جگہ پر نصب فرما دیا۔

اور اگر مجمع اس سے بھی زیادہ ہو تو فقط کلمات پڑھا کر نیت کر کے بیعت لی جا سکتی ہے۔صحابہ کرام ؓ نے مجاہدین سے اسی طرح جہاد پر بیعت لی ہے۔

عورتوں کی بیعت

عورتوں کی بیعت کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ مرشد کپڑے کے ایک کنارے کو پکڑے،اور بیعت کرنے والی دوسرے کنارے کو۔پیارے پیغمبر ﷺ نے کبھی عورتوں کی بیعت ہاتھ سے ہاتھ ملا کر کے نہیں کی۔چنانچہ بخاری شریف میں امّ المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے کہ:

وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَدَ اِمْرَأَةٍ قَطُّ، اِلَّا اَنْ يَّأْخُذَ عَلَيْهَا، فَاِذَا اَخَذَ عَلَيْهَا فَاَعْطَتْه، قَالَ: اذْهَبِيْ فَقَدْ بَايَعْتُكِ۔اوكما قال

خدا کی قسم بیعت کے وقت پیارے پیغمبر ﷺ نے کسی عورت کا ہاتھ نہیں پکڑا، بلکہ (پردہ کے باہر سے) ایک کپڑا اُسے پکڑا دیتے اور (وعظ وتلقین کے بعد) ارشاد فرماتے کہ جاؤ تمہاری بیعت ہو گئی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے کہ بیعتِ زبانی بھی عورتوں سے

جائز ہے جیسا کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدوں کپڑا پکڑنے کے بھی زبانی بیعت فرمایا کرتے تھے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر متّقی پرہیز گار کون ہوسکتا ہے؟

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر متّقی پرہیز گار کون ہوسکتا ہے؟ امت کی سب عورتیں ان کی بیٹیاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں تمام مؤمنین کی مائیں ہیں،مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بغیر پردہ کے بیعت نہ فرمائیں، ہاتھ سے ہاتھ نہ ملائیں۔

اور آج غلط کار،شیطان صفت پیر عورتوں سے کہیں کہ ہمارے سامنے آؤ، پردہ اٹھاؤ، ہم قیامت میں تم کو پہچانیں گے کیسے؟ جب تک کہ ہم تمہارا چہرہ نہ دیکھ لیں،تم تو ہماری بیٹیاں ہو، پوتیاں ہو، نواسیاں ہو،ہم سے پردہ کیا؟ ان کے ساتھ تنہائی میں جمع ہوتے ہیں، بدن دَبواتے ہیں، یہ تمام شیطانی کاروائیاں ہیں۔جو شخص ایسا کرتا ہے وہ پیر نہیں شیطان ہے ایسے پیروں سے بچو۔

غائبانہ بیعت

غائبانہ بھی بیعت کی جاسکتی ہے جس طرح پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تو اُس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی غائبانہ بیعت میں شامل فرمایا، حالانکہ وہ اس وقت مکّہ مکرّمہ میں تھے۔اور جب غائبانہ بیعت ثابت ہے تو پھر خط یا ٹیلی فون کے ذریعے بھی بیعت کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

☆☆☆☆

آدابِ سالِک

آدابِ سالک

نگاه دار ادب در طریقِ عشق ونیاز
که گفته اند طریقت تمام آدابست

عشق و نیاز کی راہ میں ادب کی خوب رعایت کر
کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ طریقت تمام تر آداب ہی ہے

ادب کی نگہداشت صوفیہ کے درمیان دوسری باتوں پر مقدم ہے۔ دیکھئے کس طرح اللہ عزوجل تعالیٰ نے اہل ادب کی مدح سرائی فرمائی ہے اور ان کے بلندئی مرتبہ کو بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ.

(الحجرات:۳)

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی آواز کو پست کر دیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان تقویٰ کے لئے کیا جاتا ہے، ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

حضرت سری سقطیؒ (جو بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور حضرت جنیدؒ کے ماموں تھے ان) کا قول ہے کہ:

حُسْنُ الْاَدَبِ تَرْجُمَانُ الْعَقَلِ۔

حسن ادب عقل کا ترجمان ہے۔

☆ ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی (جو بڑے اولیاء میں سے تھے، اور صاحب

حال ومقامات تھے وہ) فرماتے ہیں کہ مجھ سے رویمؒ نے فرمایا:

يا بُنَيَّ اجْعَلْ عِلْمَكَ مِلْحاً، وَاَدَبكَ دَقِيْقاً۔

اے بیٹے! اپنے عمل کو نمک، اور ادب کو آٹا بناؤ۔ (یعنی عمل سے زیادہ ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے)۔

فرمایا گیا ہے کہ تصوّف سراسر ادب ہے، ہر حالت کے لئے ادب ہے، اور ہر مقام کے لئے ادب ہے، جس نے ادب کا التزام کیا تو وہ بڑے لوگوں کے درجہ پر پہنچا، اور جو ادب سے محروم رہا، وہ اللہ سے دور رہا، اگر چہ وہ اپنے آپ کو اللہ سے نزدیک خیال کرتا ہو، اور بے ادب مردود ہوا اگر چہ اپنے آپ کو مقبول سمجھتا ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ:

مَنْ حُرِمَ الْاَدبَ ، فَقَدْ حُرِمَ جَوَامِعُ الْخَيْرَات۔

جو شخص ادب سے محروم رہا، تو وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا

اور کہا گیا ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَتَأَدَّب لِلْوَقْتِ فَوَقْتُهُ مُقت۔

جس شخص نے بروقت ادب کو ملحوظ نہیں رکھا تو اس کا وقت غضبِ خداوندی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ:

اَدَبُ النَّفْسِ اَنْ تُعَرِّفَهَا الْخَيْر۔ وَتَحُثَّهَا عَلَيْهِ ، وَتعَرَّفَهَا الشَّرَّ وَتَزْجَرَهَا عَنْهُ۔

نفس کا ادب یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو بھلائی سکھاؤ، اور اس پر اس کو آمادہ کرو، اور برائی سے آگاہ کرو اور اس سے روکو، اور باز رکھو۔

اور فرمایا کہ:

اَلْاَدَبُ سَنَدُ الْفُقَرَاء ، وَزَيْنُ الْاَغْنِيَاء۔

ادب فقراء کی مسند، اور مالداروں کی زینت ہے۔

اور فرمایا کہ لوگ ادب کے لحاظ سے تین طبقات پر منقسم ہیں۔

اَهْلُ الدُّنْيَا، وَاَهْلُ الدِّيْن ، وَاَهْلُ الْخُصُوْصِيَّةِ مِنْ اَهْلِ الدِّيْن۔

اہل دنیا، اہل دین، اور اہل دین میں خصوصیت والے۔

اہل دنیا کا زیادہ تر ادب فصاحت و بلاغت ، اور علوم اور بادشاہوں کی تاریخ ، اور عرب کے اشعار کو یاد رکھنا ہے۔اہل دین کا ادب علوم کو جمع کرنا، اور نفس کی ریاضت ، اور اعضاء کی تادیب ،اور طبیعت کی تہذیب اور ارادہ کی حفاظت، اور شہوت کا ترک کرنا ، اور شبہات سے بچنا، اور بھلائیوں کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

اور اہل دین میں اہل خصوصیت کا ادب قلوب کی حفاظت ، (خطرات اور وساوس سے) اور اسرار کی مراعات ، اور ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا کرنا ہے۔

مرید باہم عمل اور متوسط ادب کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں، اور عارف (یعنی منتہی) ہمت کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔اور ہمت اسے کہتے ہیں جو انسان کو اعلیٰ امور کی طلب پر ابھارے۔اور انسان کی قسمت اس کی ہمّت ہے۔

حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کیا معنیٰ ہیں:

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ (البقرۃ:۲۷۳)

وہ لوگوں سے اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے۔

تو انہوں نے فرمایا کہ ان کی علو ہمّتی ان کو اپنی حاجتیں سوائے اپنے مولیٰ کے دوسروں کے پاس لے جانے سے منع کرتی ہے۔

ابتدائی حالت میں مرید کے لئے آداب

اخلاص نیت

سالک و مرید پر سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ وہ صدق دل اور اخلاص نیت سے یاد خدا میں مشغول ہو،سلوک سے رضائے الٰہی حاصل کرنے کی نیت ہو۔اگر شیخ ومقتدا بننے کی نیت کرے گا تو شرک کا مرتکب ہو کر تباہ ہو جائے گا،اس لئے کہ اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

☆ دنیاوی مشاغل اور تعلقات کم کرے، اور لوگوں کی صحبت سے دوری اختیار کرے۔اور یہ دوری لوگوں کو اپنی برائی اور ایذاء رسانی سے بچانے کی نیّت سے ہو۔اس نیت سے نہ ہو کہ میں اچھا ہوں اور دوسرے لوگ برے ہیں۔کسی مرتبہ کی طلب کے بجائے قرب باری تعالیٰ کا طالب رہے،اور اخلاص کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے۔

☆ جب سالک راہ سلوک پر چلنے کا ارادہ کرے تو ہر قسم کی لغزشوں سے خواہ ظاہری ہوں یا باطنی چھوٹی ہوں یا بڑی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

☆ پھر وہ اپنے لئے ایسے شیخ کا انتخاب کرے جس کی دینداری پر بھروسہ کیا جا سکے،اور نصیحت وامانت میں مشہور ومعروف ہو،اور سلوک کے راستے سے واقف ہو۔اگر ایسا شیخ مل جائے تو مرید کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے، اور اس کی خدمت میں مشغول ہو جائے ، اور اس کی اطاعت کرے، اور اپنی حالت کو سچائی پر مبنی رکھے۔

☆ پھر شیخ پر لازم ہے کہ مرید کو رجوع الی اللہ کی کیفیت معلوم کرائے ، اور اس کا راستہ بتائے اور اس پر چلنا آسان کرے، اور اس کو اسلام کے احکام،اور اور اس کے لئے جو مفید اور مضر باتیں ہیں ان کی تعلیم دے۔

اور تمام چیزوں سے پہلے اس کے عقیدے کو سنوارے، اور سلف صالحین اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق اُس کے عقائد درست کرے۔ اللہ رب العالمین کی وحدانیت، اس کی ذات، اس کی جمیع صفاتِ کمال، اس کا نقصان اور زوال سے پاک ہونا، اس کا بے مثل و بے مثال ہونا، اس کا سمیع و بصیر ہونا وغیرہ۔

پھر توحید کے بعد اثبات نبوّت انبیاء علیہم السلام بالعموم اور نبوّت خاتم الانبیاء جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالخصوص ثابت کرنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اوامر اور منہیات میں، اور امور غیبیہ سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی گئی تمام خبروں مثلاً صفات ربانی، عذابِ قبر، جنت، دوزخ، قیامت، حشر، حساب و کتاب، حوضِ کوثر، پلِ صراط، رؤیت الٰہی کی تصدیق اور اقرار کرنا۔

☆ کبیرہ گناہ جن سے متعلق قرآن اور احادیث میں دوزخ یا عذاب شدید کی وعید آئی ہے، جیسے اللہ ربّ العزت کے ساتھ ذات و صفات میں کسی کو شریک کرنا، کاہنوں، نجومیوں کی تصدیق کرنا، پیغمبروں، قرآن کریم اور فرشتوں کا انکار کرنا اور انہیں برا کہنا، ضروریات دین (یعنی ایسے امور جو قرآن و حدیث مشہورہ اور اجماعِ متواتر سے ثابت ہوں) کا انکار کرنا، عمداً نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا ترک کرنا، ناحق اپنی یا کسی اور کی جان لینا، زنا، چوری، راہزنی، شراب نوشی، جھوٹی قسم، پاک دامن مرد اور عورت پر زنا کی تہمت لگانا، والدین کی نافرمانی کرنا، یتیم کا مال کھانا، ناپ تول میں کمی کرنا، کفار کے ساتھ جہاد سے بھاگنا، رشوت لینا، محارم سے نکاح کرنا، جوا کھیلنا، جادو کرنا، وغیرہ وغیرہ ان سب کبائر سے اجتناب کرے، اور صغائر پر شرمندہ ہو۔ اور صغیرہ گناہ وہ ہیں جن سے شریعت نے روکا ہو۔

☆ پھر جو فرائض ضائع ہو گئے ہیں ان کو پورا کرنا چاہئے، اور جن لوگوں پر ظلم ہو گیا ہو اس کی تلافی کرنی چاہئے، کیونکہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

رَدَّ دَانِقٍ مِّنْ حَرَامٍ يَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ سَبْعِيْنَ حَجَّة ۔

ایک دانگ کا واپس کرنا جوحرام سے حاصل کیا گیا ہواللہ کے پاس ستر حجّ مبرور کے برابر ہے۔

پچاس رکعات کی ادائیگی

سالک کومجموعی طور پر دن رات میں پچاس رکعتیں ضرور پڑھنی چاہئیں، سترہ رکعت فرض نمازوں کی ، بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ، گیارہ رکعت تہجد، دو رکعتیں اشراق کی ، اور چار رکعتیں نمازضحیٰ ،اور چار رکعتیں نماز اوّبین کی یہ کل پچاس رکعتیں ہوئیں۔

رزق حلال کھائے

پھر شیخ پر لازم ہے کہ مرید کواس کی تعلیم دے کہ اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ کھانے اور پینے میں صفائی کا خیال رکھے،(یعنی رزق حلال کھائے) کیونکہ اس سے اس کی حالت میں زیادتی ہوگی۔

پیارے پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشادفرمایا:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَة۔

(رزق) حلال کا طلب کرنا ہرمسلمان کے لئے فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے کہ حلال کا طلب کرنا ہرشخص پر فرض ہے، اور حلال کا ترک (یعنی کم کھانا)اس طائفہ صوفیہ پرفرض ہےمگر یہ کہ بقدرضرورت ہو۔

☆ سالک کو چاہئے کہ لقمۂ حرام سے اپنے آپ کو بچائے ،لذیذ کھانوں ، مشروبات لہو ولعب ،موسیقی، اور اخبار بینی سے بچے،اور بات کرتے وقت چیخ چلّائے نہیں۔جھوٹ سے بچے اور سچ بولے۔

توبہ کا اہتمام

مرید،اس کے بعد اپنے نفس کی معرفت حاصل کرے،نفس کی دو صفتیں ہیں یا تو وہ شہوتوں میں مشغول رہتا ہے، یا طاعتوں سے باز رہتا ہے،تو نفس کو مجاہدات اور ریاضتوں کے ذریعہ رام کرنا پڑے گا اس طرح کہ اس کو مالوف چیزوں سے باز رکھے، اور جن باتوں سے وہ گریز کرتا ہے ان کو کرنے کے لئے اسے آمادہ کرے، اور شہوتوں سے اس کو منع کرے اور تکالیف اٹھانے کی عادت ڈالے، اوراد کی کثرت کرے، اور روزوں اور نوافل کی پابندی کرے۔غرضیکہ نفس کی مخالفت میں ثابت قدم رہے، اور بری عادتیں ترک کردے، اور اس بات کی کوشش کرے کہ کم سوئے،کم کھائے، اور خوشحالی کے بجائے تنگ دستی کو پسند کرے۔ اس وقت وہ تائبین اور اللہ کی محبت سے مختص لوگوں میں شمار کیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. (البقرة:222)

اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلشَّابُّ التَّائِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ ، وَيَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔

جو نوجوان تائب ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، اور اُس کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا۔

اور ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ پیارے پیغمبر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لَيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ اَنَّهُمْ اَكْثَرُوْا مِنَ السَّيِّئَاتِ قِيْلَ : مَنْ هُمْ يَا رَسُوْل الله ؟ قَالَ: اَلَّذِيْنَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔

(قیامت کے دن) بعض لوگ اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش ان کے گناہ زیادہ ہوتے ، آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا۔

ایسا شخص ان مخصوص لوگوں میں ہوگا جن کو عرش کے اٹھانے والے فرشتے دعاء دیں گے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ۔

پس تو معاف کر ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ، اور تیرے راستے کی پیروی کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان لوگوں کے رتبے کو بڑھا دیا ہے ، کیونکہ حاملین عرش ان کے لئے دعاء دینے والے بنائے گئے ہیں۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ۔ (الصّٰفّٰت:٦١)

پس اس طرح عمل کرنے والے عمل کریں۔

اور ارشاد باری ہے:

وَفِيْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ★ (المطففين:٢٦)

پس چاہئے کہ فخر کرنے والے اس پر فخر کریں۔

توبہ تمام مؤمنین پر فرض ہے کہ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (التحريم:٨)

اے ایمان والو! تم تمام توبہ کرو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف خلوص کے ساتھ رجوع کرو۔

اور ارشاد باری ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (الحجرات:١١)

جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ظالم ہیں۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ کسی گناہ سے توبہ کرنے میں تمہاری غفلت اس گناہ سے زیادہ بری ہے جس کا تم نے ارتکاب کیا ہے، اور اگر کسی شخص کو توبہ سے پہلے موت آجائے تو اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر ہے چاہے تو بخش دے یا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْا مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ * (الرعد:٦)

کہ تیرا رب مغفرت کرنے والا ہے لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے۔

اور توبہ کا وقت اس وقت تک باقی ہے جب تک روح حلقوم تک نہ پہنچ جائے، یا یہ کہ توبہ کا دروازہ بند نہ ہو جائے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْ إِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (الانعام:١٥٨)

جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو اس وقت کسی انسان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اپنے ایمان سے بھلائی حاصل نہ کی ہو۔

☆ جب مقام توبہ وورع (پرہیز گاری) حاصل کرلے تو پھر مقام زُہد میں قدم رکھے، اور اپنے نفس کو ریاضتوں اور مشقتوں اور مجاہدوں سے رام کرلے، اور آداب صوفیہ

سے مؤدب بنا لے، سچّے لوگوں کی صحبت اٹھالے،تو اس وقت خرقہ یعنی صوفیہ کا لباس پہننا اس کے لئے جائز ہوگا،اور اس کے بعد اسے اس کی ذمہ داریوں اور حقوق کا بھی خیال کرنا ہوگا تا کہ وہ لباسِ صوفیہ کوعیب دار نہ بنائے ،اور اس کونمائیش ونمود کا ذریعہ نہ بنائے ۔

جبکہ اِس زمانہ میں زیادہ تر لوگ فائدہ حاصل کرنے ، اوراپنے مریدین کی تعداد بڑھانے کی وجہ سے ہی خرقہ پہنتے ہیں جس کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے ۔

☆ مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنےنفس کومجاہدات کا خوگر بنائے ، اور دیکھے کہ کونسی باتیں اس کے لئے نفع مند ہیں اور کونسی مضر۔ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ کہاں زیادتی ہوئی ہے،اور کہاں نقصان، اپنی حالت کو اپنے شیخ پر ظاہر کرتا رہے ۔اس لئے کہ وہ شخص عقلمند نہیں ہے جو اپنی حالت کا اظہار طبیب کے سامنے نہ کرے ۔

حضرت شیخ محمد بن سلمہؒ سے مروی ہے کہ ہر وہ مرید جو دن و رات میں اپنے حالات اور واردات کے متعلق شیخ سے سوال نہ کرے تو وہ طریق تصوّف کا سالک نہیں ہے ۔

پرہیز گاری اختیار کرنا

سالک کو چاہئے کہ ہر حالت میں پرہیز گاری اختیار کرے ،لوگوں کی تعریف کرنے اور نیک کہنے سے مغرور نہ ہو، بلکہ اپنے آپ کوتمام مخلوق سے کم تر اور حقیر سمجھے ،اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح اس کا محاسبہ کرنے والے ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۞

(الانبیاء:۴۷)

اگر ایک چھوٹے دانہ کے برابر بھی اس کا عمل ہوتو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ فرمائیں گے، اور اللہ سے بڑھ کر کون حساب کرنے والا ہے۔

☆ اپنے دل کو تمام دنیاوی کاموں سے پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ محبوب ترین چیز کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے۔نفس کی مخالفت کرے۔طمع اور لالچ سے دور رہے،قضاوقدر پر راضی رہے۔اپنی خوشحالی پر خوش ہو کر اترائے نہیں،تنگ حالی سے تنگ ہو کر گھبرائے نہیں ،اگر کوئی اسے تکلیف پہنچائے تو اس پر صبر کرے، اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔

☆ کسی سے حسد نہ کرے خاص طور پر برادران طریقت سے جب ان میں سے کسی پر خاص طور پر اللہ کی مہربانی ہو۔اس لئے کہ سب امور اللہ عزوجل تعالیٰ کی تقسیم ہیں۔

☆ اگر اس نے کسی کو مارا یا زخمی کیا ہے تو اس کا قصاص ہونا چاہئے ،اگر کسی کی غیبت یا چغلخوری کی ہے،یا کسی کو گالم گلوچ کی ہے تو متعلقہ شخص سے معافی مانگنی چاہئے۔

تفصیل شعب ایمانیہ

سالک کو چاہئے کہ وہ ان ایمانی شعبوں کی رعایت ضرور کرے جن کا اجمالی بیان یہاں پر کیا جاتا ہے: پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے ستر (۷۰) سے کچھ اوپر شعبے ہیں۔(حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ایمان سے مراد ورع اور تقویٰ کا مرادف ہے)۔

☆ اللہ رب العزت کی ذات اور صفات پر ایمان لانا، اس کے رسولوں پر، تقدیر پر، اور قیامت کے دن پر ایمان لانا۔حق تعالیٰ سے محبت رکھنا، غیرحق سے محبت یا بُغض اللہ ہی کے واسطے رکھنا، پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنا، اور ان کی تعظیم کا معتقد رہنا۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا، پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا، اعمال کو خالص اللہ ہی کے واسطے کرنا۔ ریاکاری اور نفاق کو ترک کرنا۔اللہ عزوجل تعالیٰ کا خوف رکھنا، اللہ عزوجل تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہنا، گناہوں سے توبہ کرتے رہنا، احسانات

ربّانی کا شکر ادا کرتے رہنا، عہد کو پورا کرنا، شہوات کا ترک کرنا، مصائب کے ہجوم میں صابر رہنا، قضائے ربّانی سے راضی رہنا، تواضع اور عاجزی اختیار کرنا۔

بڑوں کی تعظیم کرنا، چھوٹوں پر رحم کرنا، گھمنڈ اور غرور کا چھوڑنا، حسد اور کینہ کا ترک کرنا، غصّہ اور غضب کا ترک کرنا، توحید ربّانی کا ناطق رہنا، یعنی "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھتے رہنا۔

قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہنا، (کم تر رتبہ تلاوت کا (10) دس آیتیں ہیں، متوسط رتبہ (100) سو آیتیں ہیں اور اس سے زیادہ تلاوت کرنا اعلیٰ رتبے میں داخل ہیں)۔

لغو سے دور رہنا، حسّی اور حکمی طہارت کرنا، نجاستوں سے بچنا۔ ستر کو چھپانا، فرض اور نفل نماز کا پڑھنا، زکوٰۃ اور نفلی صدقات کا ادا کرنا، لونڈی اور غلاموں کا آزاد کرنا، سخاوت کرنا، کھانا کھلانا، ریاضت کرنا، (جو کہ سخاوت ہی میں داخل ہے) فرض اور نفلی روزے رکھنا، اعتکاف کرنا، شب قدر کو تلاش کرنا۔

حج، عمرہ اور بیت اللہ کا طواف کرنا، دین کی حفاظت کے لئے ایسے ملک اور صحبت کا چھوڑنا جہاں دین قائم نہ رہ سکے، (اسی میں ہجرت بھی داخل ہے)۔ اللہ کے نام کی نذر کو پورا کرنا، قسم کو قائم رکھنا، قسم وغیرہ کے کفاروں کا ادا کرنا، نکاح کے ذریعے پارسائی حاصل کرنا، اہل وعیال کے حقوق ادا کرنا۔

ماں باپ سے احسان وسلوک کرنا۔ اولاد کی تربیت کرنا، برادری کا حق ادا کرنا، لونڈی اور غلاموں کے لئے مالکوں کی اطاعت کرنا، مالکوں کو لونڈی اور غلاموں پر مہربانی اور شفقت کرنا، انصاف کے ساتھ حکومت پر قائم رہنا، جماعت مسلمین کا تابع رہنا، مسلمان حاکموں کی اطاعت کرنا، (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو)۔ خلق میں اصلاح کرتے رہنا، نیک کاموں (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) پر مدد کرنا، حدود کو جاری کرنا، جہاد کرنا۔

مرابطہ یعنی اسلامی سرحدات کی حفاظت کرنا،امانت کا ادا کرنا،خمس کا دینا، پڑوسی کے ساتھ احسان کرنا، معاملات لوگوں کے ساتھ اچھے رکھنا،اپنا حق لینے میں سختی نہ کرنا، حلال مال کا جمع کرنا ،اور اس کو جائز مصارف پر خرچ کرنا، اسراف سے بچنا، سلام کا جواب دینا،چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کے ساتھ جواب دینا۔

اپنی برائی سے لوگوں کو بچانا، کسی کو ضرر نہ پہچانا،لہو ولعب سے پرہیز کرنا، راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا۔واللہ اعلم

(قول الجمیل:ص:55)

تہجد کا اہتمام کرنا

سالک کو چاہیئے کہ رات کے آخری پہر تہجد کے لئے اٹھے۔اور اٹھتے وقت مسنون دعاء پڑھے، اور مسنون دعاؤں کے اہتمام کے ساتھ بیت الخلاء اور وضو سے فارغ ہوکر تحیۃ الوضو پڑھے،اور پھر اس کے بعد دو رکعت سے لے کر آٹھ رکعت تک جتنا وقت ہو،نماز تہجد ادا کرے ۔جس سالک کو اٹھنے کا یقین نہ ہوتو وہ رات کو سونے سے قبل تہجد کی نیت سے نوافل پڑھ کر سو جائے ۔تہجد کی ادائیگی کے بعد خوب نادم وشرمندہ ہوکر استغفار پڑھیں ،اور پھر درود شریف۔

☆ کسی نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا عبد الغفور مدنیؒ سے پوچھا کہ استغفار پہلے پڑھیں یا کہ درود شریف؟ فرمایا استغفار کی مثال کپڑے دھونے والے صابن کی سی ہے، جب کہ درود شریف کی مثال کپڑے پر لگانے والے عطر کی سی ہے۔آپ بتائیں کہ کپڑے کو پہلے عطر لگائیں یا صابن سے دھوئیں؟ سائل نے عرض کیا: حضرت پہلے صابن سے دھونا چاہیئے ، پھر عطر لگانا چاہیئے ۔

فرمایا بس اسی طرح پہلے خوب نادم وشرمندہ ہوکر استغفار پڑھیں تاکہ دل دھل

جائے ، پھر محبت وعقیدت سے درود شریف پڑھیں تا کہ عطر لگے ،اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو انگ انگ میں سما جائے ۔

☆ تسبیحات کے بعد ذکر و مراقبہ کا جو سبق شیخ نے تلقین کیا ہو اس میں مشغول ہو جائے ۔اور خطرات کو دور کرتے ہوئے پوری توجہ سے مراقبہ کرے ۔

(شجرہ طیبہ:ص52)

☆ سالک کو چاہئے کہ وہ اشراق، چاشت ،اوابین وغیرہ نوافل کی پابندی کرے، جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح پڑھے،اخیر عشرۂ رمضان میں اعتکاف کی کوشش کرے،ایام بیض (یعنی قمری حساب سے ہر ماہ کے 13، 14، 15 تاریخوں) کے روزے رکھے ،اور مختلف اوقات کی مسنون دعائیں پڑھتا رہے ۔

☆ جب تک خوب بھوک نہ لگے کھانا نہ کھائے ،اور شکم سیر ہو کر نہ کھائے ۔ نیند کے غلبہ کے بغیر نہ سوئے، اور یاد الٰہی میں مصروف رہے ۔ بزرگان دین کی صحبت اور خدمت میں مشغول رہے ،انہیں کم نظری اور حقارت سے نہ دیکھے،ان کے علم سے فائدہ اٹھائے ، کسی کرامت اور خرق عادت کا آرزومند نہ ہو۔

☆ مرید کو چاہئے کہ وہ مقامات کو ان کی ترتیب کے ساتھ طے کرنے کی کوشش کرے ، اور کسی مقام سے دوسرے مقام کی طرف اس وقت تک منتقل نہ ہو جب تک اس کے آداب کو اچھی طرح درست نہ کر لے ۔اور اس بات سے اس کو اچھی طرح ڈرتے رہنا چاہئے کہ وہ اپنی ابتداء کو لوگوں کی تعریف وتوصیف سے خراب نہ کرے ، بلکہ اس کو اپنے نفس کی معرفت کی طرف رجوع کرنا چاہئے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ الفاظ کا سننا آنکھوں سے دیکھنے کے برابر نہیں ہے ۔یعنی دیکھنے سے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ،وہ سننے سے نہیں ہوتے ، اسی لئے کہا گیا ہے کہ ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“ ۔

☆ مرید کو چاہئے کہ وہ دن کو روزے رکھے، اور راتوں میں نمازیں پڑھے، اور اپنے بھائیوں کی خدمت کرے۔اور خدمت کو نوافل پر بھی مقدم رکھے۔ اس لئے کہ ام المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائیشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے مروی ہے کہ:

مَارُئِيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَارِغًا فِيْ اَهْلِهٖ، اِمَّا أن يَّخْصِفَ نَعْلاً لِمِسْكِيْن أَو يُخِيْطَ ثَوْباً لأرملة۔

پیارے پیغمبر ﷺ اپنے گھر میں کبھی بیکار نہیں رہتے تھے، یا تو کسی مسکین کے جوتے کو درست کرتے، یا کسی بیوہ کے کپڑے سیتے۔

حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ ہر وہ مرید جو اپنے نفس کو دن میں روزہ رکھنے، اور رات کو نماز پڑھنے کا عادی نہ بنائے تو وہ ایسی بات کی تمنا کرتا ہے جس کے لئے وہ موزوں نہیں ہے۔

☆ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے اوقات کا خیال رکھے، اور ان کو کسی نہ کسی نیک کام میں صرف کرے، کیونکہ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ پیارے پیغمبر کا ارشاد گرامی ہے:

لا ينبغى للعاقل ان يكون شاخصاً الا فى ثلاث ، مرمة لمعاش، او تزوّد لمَعاد، او لذّة فى غير محرَّم۔

عقلمند کو چاہئے کہ وہ ان تین امور میں سے کسی نہ کسی میں مشغول رہے، یا تو اپنی معاش کی درستی میں، یا آخرت کی تیاری میں، یا حلال کی لذّت میں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَرْبَعُ سَاعَاتٍ مِّنَ النَّهَار، سَاعَة يُنَاجِيْ فِيْهَا رَبَّهٗ ، وَسَاعَة يُحَاسَبُ فِيْهَا نَفْسَهٗ، وَسَاعَة يَاْتِيْ فِيْهَا الْعُلَمَاء الَّذِيْنَ

يُبَصَّرُوْنَهٗ بِاَمْرِاللّٰهِ وَيَنْصَحُوْنَهٗ، وساعة يخلّى بين نفسه ولذّاتها فيما يحلّ ويجمل۔

مومن کو چاہئے کہ اس کے اوقات چار حصوں میں تقسیم ہوں، ایک حصّہ رب کی مناجات میں، اور ایک حصّہ نفس کے محاسبہ میں، اور ایک حصّہ ان علماء کے ساتھ جو اللہ کے احکام میں اس کو مدد دیتے اور نصیحت کرتے ہوں، اور ایک حصّہ اپنے نفس اور اس کی جائز لذتوں کے حصول میں۔

☆ مرید کو چاہئے کہ اس کا ظاہر اَوراد سے خالی نہ ہو، اور اس کا باطن ارادات (یعنی شوق ومحبت) سے خالی نہ ہو، یہاں تک کہ اس پر واردات وتجلّیات کا نزول ہونے لگے، تو اُس وقت اس کو واردات کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئے نہ کہ اَوراد کے ساتھ۔

☆ مرید کے لئے مکروہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کو دل کی آنکھ کھلنے سے پہلے چھوڑ بیٹھے، بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ اس کے امرونہی کے تحت اس کی خدمت میں صبر کرتا رہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے شیوخ کے احکام وتادیب سے متأدب وتربیت یافتہ نہ ہوتو وہ کتاب وسنّت سے بھی متأدب نہیں ہوسکتا۔ سچّے مرید کی علامت یہ ہے کہ وہ اطاعت وفرمانبرداری کرے، نہ کہ مرشد سے دلیل وحجت طلب کرے، اور طبیب کے علاج ومعالجہ پر صبر کو ترک کردے۔

☆ سالک کو چاہئے کہ اپنی عبادت اور نیکی کی تعریف نہ کرے، اُس کو یہ جاننا واجب ہے کہ اس کے لئے کوئی مقام وحال اور عبادت مفید نہیں ہوسکتی اگر وہ اخلاص کے ساتھ نہ ہو، اور اخلاص کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ مخلوق کے دیکھنے سے پاک وصاف ہو، (یعنی بحالت عمل اس کی نظر مخلوق پر نہ ہو)۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، مَنْ عَمَلَ لِيْ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ، فَأَنَا بَرِيْئٌ مِّنْهُ وَمِنْ عَمَلِهٖ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں سب سے بڑھ کر شرک سے بیزار ہوں (اور کسی شریک کی شرکت کا روادار نہیں ہوں)۔ اگر کسی نے کوئی عمل کیا جس میں میرے سوا کسی اور کو شریک رکھا، تو میں اُس سے، اور اس کے عمل سے بری ہوں۔

بعض صوفیہ نے فرمایا کہ ہر ایک حق بات جس میں باطل کی شرکت ہو وہ حق کی قسم سے نکل کر باطل کی قسم میں آجاتی ہے، کیونکہ حق تعالیٰ غیور ہے۔

☆ اخلاص اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک کہ مخلوق کے قدر و مرتبہ اور ان کے ضعف اور قلت نفع وضرر کی معرفت نہ ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان قرآن نے نقل فرمایا ہے:

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا. (مریم:42)

تم اس کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتا ہے، اور نہ دیکھ سکتا ہے، اور نہ وہ تم کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَعْلَمُ أَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيخْطَئَهٗ، وَمَا اَخْطَأَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ۔

تم میں سے کوئی ایمان کی حلاوت نہیں پائے گا جب تک وہ یہ جان نہ لے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ خطا نہیں کر سکتا تھا، (یعنی اس کا پہنچنا ضروری تھا) اور جس نے پہنچنے میں

خطا کی ہے وہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ مِنْ ضُعْفِ الْیَقِیْنِ اَنْ تُرضِیَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ ، وَاَنْ تَحْمَدَهُمْ عَلٰی رِزْقِ اللّٰهِ وَاَنْ تَذمَّهُمْ عَلٰی مَالَمْ یُؤْتِکَ الله ، اِنَّ رِزْقَ اللّٰهِ لَا یجرّه حِرْصَ حَرِیْصٍ ، وَلَایَدْ فَعُهٗ کَرَاهَةَ کَارِهٍ۔

یہ یقین کے ضعف اور کمزوری کی بات ہوگی کہ تم لوگوں کو راضی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناخوش کر دو، اور ان کی تعریف اس وجہ سے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (ان کے توسط سے) رزق پہنچایا، اور ان کی مذمت اس وجہ سے کرو کہ ان کے ذریعہ سے اللہ نے تم کو کچھ نہیں دلایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے رزق کو کسی حریص کا حصّہ کھینچ کر نہیں دلاتا،، اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اس کو باز رکھ سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ، وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴿یونس: 107﴾

اگر تجھ کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو سوائے اس کے کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے۔

(آداب المریدین: ص 55)

☆ سالک کو چاہئے کہ ضروریات دین کا علم حاصل کرے، موت کو کثرت سے یاد کرے، اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرنے کی کوشش کرے، اپنی تنگ دستی اور تکلیف کو حتیّ الوسع کسی پر ظاہر نہ کرے، امانت میں خیانت نہ کرے، اور اپنی خوبیوں اور دوسروں کی

خامیوں پر نظر نہ رکھے۔

☆ سالک کو چاہئے کہ ترکِ شہوات کے مجاہدے میں ہمہ وقت مصروف رہے ،اس لئے کہ خواہشات کی پیروی سے باطن کی صفائی چلی جاتی ہے۔ امیدوں کو کم کرے،اور ربّ العالمین کے سوا کسی سے امید نہ باندھے۔اور دنیا داروں سے دور رہے۔

مراعات نفس کے بارے میں

مرید سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی نگہداشت کرتا رہے کیونکہ نفس برائی کا حکم دینے والا ہے،اوراس سے کبھی غفلت نہ کرے،اگر چہ وہ معرفت میں انتہاء کو ہی کیوں نہ پہنچا ہو،کیونکہ خود آقائے نامدار سرورِ کائنات،رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نفس کی نگہداشت فرماتے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگتے تھے۔

☆ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ: میری اور میرے نفس کی مثال ایسی ہے جیسے بکریوں کا چرواہا،جو اپنی بکریوں کو ایک جانب لے جانے کے لئے اکھٹا کرتا ہے تو وہ دوسری جانب نکل جاتی ہیں۔

☆ ابو بکر الورّاقؒ نے فرمایا کہ:نفس تمام احوال میں خود نما،اور زیادہ تر حالتوں میں منافق،اور بعض احوال میں مشرک ہے۔

☆ حضرت واسطیؒ فرماتے تھے کہ نفس ایک بت ہے،اس کی طرف رغبت سے دیکھنا شرک،اوراس کے بارے میں غور کرنا اورسوچنا عبادت ہے۔

☆ فرمایا کہ:نفس کی مثال حسن کو ظاہر کرنے ، اور برائی کو چھپانے میں ایک انگارہ کی سی ہے،جس کا رنگ تو اچھا ہے،لیکن اس کا کام جلانا ہے۔اور اگر نفس کے ساتھ سختی ہوتی ہے تو وہ توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے،اور برائی سے رجوع کرتا ہے۔اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی خواہشات کا ارتکاب کرتا ہے،اور بھلائیوں سے روگرداں ہو جاتا ہے۔

ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ۞ (حم السجدۃ:۵۱)

جب ہم انسان کو اپنے انعام سے سرفراز کرتے ہیں، تو وہ روگردانی اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اس کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

☆ طالب کو جاننا چاہئے کہ نفس اپنے دعویٰ میں اللہ کا ضد، اور اپنے مطالبہ میں اس کا ہمسَر ہونا چاہتا ہے۔ اور یہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ وہ اُس کی حمد وثنا کریں، لیکن نفس اپنی تعریف پسند کرتا ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس کا حکم مانیں، اور منہیات سے بچیں، لیکن نفس یہ چیزیں اپنے لئے پسند کرتا ہے اللہ نے حکم دیا ہے کہ بندے اس کے کرم وسخاوت کی توصیف کریں، لیکن نفس یہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ بندے اس کی طرف رجوع ہوں اور اُس سے ڈرتے رہیں لیکن نفس اپنی طرف راغب کرتا ہے۔

☆ طالب کو یہ جان لینا چاہئے حاصل کلام تین چیزیں ہیں:

(1) رُشد وہدایت جب واضح ہوجائے تو اس کی متابعت واجب ہے۔

(2) گمراہی جب واضح ہوجائے تو اس سے دوری اختیار کرنا لازم ہے۔

(3) مشتبہ چیزوں سے بچنا ضروری ہے جب تک کہ از روئے علم وعقل ان کی ہدایت یا گمراہی واضح نہ ہوجائے۔

☆ مرید پر لازم ہے کہ وہ کبر، کینہ، حرص، لمبی امیدوں، حسد، لڑائی جھگڑے، غیبت، بدگمانی، بے شرمی وغیرہ اخلاق ذمیمہ سے بچے، اور اخلاق حمیدہ اختیار کرے۔

آداب صحبت

وَحْدَتُ الْاِنْسَانِ خَيْرٌ مِنْ خَلِيْلِ السُّوْءِ عِنْدَهٗ

جَلِيْسُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِنْ جُلُوْسِ الْمَرْءِ وَحْدَهٗ

انسان کا اکیلا رہنا بہتر ہے، اس سے کہ برا ساتھی اس کے پاس ہو

اور اچھا ساتھی بہتر ہے، اس سے کہ آدمی اکیلا بیٹھے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِيْنِ خَلِيْلِهٖ ، فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلْ۔

انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ يُخَالِطُ النَّاس ، وَيَصْبِرُ عَلٰی أَ ذَاهُمْ ، خَيْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا يُخَالِطُهُمْ ، وَلَا يَصْبِرُ عَلٰی آذَاهُمْ وَفِی الكلِّ خَيْرٌ۔

وہ مومن جو لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے، اور ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، اُس مومن سے بہتر ہے جو کسی سے نہیں ملتا، اور نہ ہی ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَألِف ، وَلَا يُؤْلَف۔

اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو کسی سے الفت نہیں رکھتا، اور نہ کوئی اُس سے اُلفت رکھتا ہے۔

☆ صوفیاء کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنس اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں جن سے بھلائی پہنچ سکے۔اور صحبت کے لائق وہی لوگ ہیں جو تمہارے عقیدے کے موافق ہوں ، اور جن کو تم بزرگ اور قابل احترام سمجھتے ہو۔رب العالمین کا ارشاد ہے:

وَلَا تُؤْمِنُوٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ★ (آل عمران:۷۳)

اور تصدیق نہ کرو بجز ان کے جو تمہارے دین کی پیروی کرتے ہیں۔

اور ایسے شخص کی صحبت اختیار نہ کرے جو اس کے مذہب کا مخالف ہو، اگر چہ اس کا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔غور کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے کیا فرمایا، جب انہوں نے درخواست کی کہ میرا لڑکا میرے اہل وعیال میں سے تھا: فرمایا:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ج اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ★ (هود:۴۶)

وہ تمہارے اہل وعیال میں سے نہیں ہے، بلکہ وہ ناپسندیدہ عمل کرنے والا ہے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَ قولهٗ تعالیٰ:

''لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' الخ:

(قال) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عِنْدِيْ يَداً فَيُحِبّهٗ قَلْبِيْ۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی" تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول کے مخالف کو دوست رکھیں گے" الخ: تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعاء فرمائی: اے اللہ! کسی بدکار کو مجھ پر احسان کرنے کا موقع نہ عطا فرمانا کہ جس کی وجہ سے میرا دل اس سے محبت کرنے لگے۔

پیر بھائیوں کے ساتھ سلوک

سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں، اور جماعت کے کمزوروں، ضعیفوں معذوروں اور بزرگ ساتھیوں کی جان و مال سے خدمت کرے، ان کی تکلیف کو دور کرے، ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کرے۔ ہر ایک کے مرتبہ کے مطابق ان کی قدر کرے، اور بجز خلاف شرع امور کے ارتکاب کے ان پر اعتراض نہ کرے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ سے مروی ہے کہ جو شخص لوگوں کے مرتبہ کو پہچاننے میں جاہل ہو تو وہ اپنے نفس کے مرتبہ کو پہچاننے میں زیادہ جاہل ہوگا۔

☆ اخوان طریقت کے ساتھ میل جول میں ممکنہ حد تک موافقت کی جائے، اور مخالفت کو ترک کیا جائے، حسد اور کینہ سے بچے، اگر اپنے ساتھی میں کوئی عیب، یا مخالف مذہب و شریعت کوئی عمل دیکھے تو اس کو بتائے، مداہنت سے کام نہ لے، اور ایسی باتوں کی طرف ان کی رہنمائی کرے جس میں ان کی فلاح و بہبود ہو۔

اس لئے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔

☆ اپنے کسی بھائی کی خطا اور لغزش پر مطلع ہو تو اس کی پردہ پوشی کرے۔ ان کے عیوب پر پردہ ڈالے۔ طبرانی شریف کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص لوگوں

کے عیوب تلاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب تلاش کرے گا، اور جس کے عیوب اللہ تعالیٰ تلاش کرے گا تو اس کو ذلیل وخوار کر دے گا، اگر چہ وہ اپنے کجاوہ کے بیچ ہی میں ہو۔

☆ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، ان کے لئے جو چیز اچھی اور بہتر ہو اس کی طرف ان کی رہنمائی کرے۔ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ۔ (مسلم)

دین خیر خواہی کا نام ہے۔

☆ سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو تمام مسلمانوں سے کم تر سمجھے، اور اپنے بھائی کو اپنے سے افضل سمجھے، ان کو اپنی ذات پر ترجیح دے، ایسا نہیں کرے گا تو متکبّرین میں شمار ہوگا۔ ان کی ایذاؤں کو برداشت کرے۔

☆ اگر سالک اپنے کسی بھائی سے ناراض ہو جائے تو تین دن سے زیادہ اس ناراضگی کو نہ بڑھائے، گفتگو اور سلام کرنے میں پہل کرے۔ اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ میٹھی گفتگو کرے، اگر گفتگو میں بد زبانی سے معاملہ کرے گا تو محروم ہو جائے گا۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَهُ النَّاسُ اِتِّقَآءَ فُحْشِہٖ۔ (ترمذی)

برا آدمی وہ ہے جس کی بد مزاجی کی وجہ سے لوگ اُسے چھوڑ دیں۔

☆ اگر اُس پر کوئی احسان کرے تو اُس کے احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کرے، اگر کسی کی بے ادبی ہو جائے تو اُس سے معافی مانگے۔ اگر اُس کا بھائی اُس سے معافی مانگے تو اُسے چاہئے کہ معاف کر دے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

جس شخص کے پاس اس کا بھائی کسی گناہ کی معافی مانگنے کے لئے آئے تو

اُسے چاہئے کہ اپنے بھائی کا عذرقبول کرے، وہ بھائی سچا ہو یا جھوٹا۔ اگر اس نے عذرقبول نہ کیا تو پھر میرے حوض پر نہ آئے۔

(مستدرک الحاکم: ح:7258)

اللہ کے ساتھ حسن ادب

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے ساتھ حسن ادب یہ ہے کہ انسان کا کوئی عضو بجز رضائے الٰہی کے حرکت نہ کرے۔

زبان کا ادب

زبان کا ادب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے، اور اپنے بھائیوں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرے، اور ان کو دعاء دیتا رہے، ان کو وعظ ونصیحت کرتا رہے اور کوئی ایسی بات نہ کہے جو ان کو ناگوار گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے زبان کو قلب کی ترجمان اور خیر وشر کی کنجی بنایا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم قلب کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔

☆ طالب کو چاہئے کہ خاموشی اختیار کرے، کیونکہ خاموشی جاہل کے لئے پردہ پوشی اور عقلمند کے لئے زینت ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَهَلْ يَكُبَّ النَّاسُ فِيْ النَّارِ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ ، اِلَّا حَصَآئِدُ أَلْسِنَتِهِمْ*

لوگوں کو ان کی زبان سے کاٹی ہوئی پیداوار منہ کے بل گرائے گی۔

کان کا ادب

کان کا ادب یہ ہے کہ وہ فحش، بیہودہ، غیبت، چغل خوری، اور ہر قسم کی بری باتوں کو نہ سنے، بلکہ ذکر وموعظت، حکمت ودانائی، اور ایسی باتیں سنے جس سے دین ودنیا کا فائدہ حاصل ہو۔

آنکھ کا ادب

آنکھ کا ادب یہ ہے کہ حرام چیزوں اور اپنے بھائیوں کے عیوب ومنکرات ومحرمات کو دیکھنے سے اپنی آنکھ کو بند کر لے کیونکہ ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرِ ★ (المؤمن:۱۹)

اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

اِيَّاکَ اَنْ تَتَّبِعَ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ ، فَاِنَّ الْاُوْلٰی لَکَ ، وَالثَّانِيَةَ عَلَيْکَ۔

خبر دار! ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ نہ پڑے، کیونکہ پہلی کی اجازت ہے دوسری کی نہیں۔

یعنی جو نگاہ بغیر قصد وارادہ کے پڑ جائے وہ جائز ہے، دوسری نگاہ کے وقت احتیاط کرنی چاہئے۔

قلب کے آداب

دل کے آداب یہ ہیں کہ اچھے اور اعلیٰ احوال کی رعایت رکھی جائے، اور برے خیالات کو دور کیا جائے، تمام مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے، کینہ، دھوکہ، حسد، اور بدعقیدگی سے دل کو پاک کرے کہ یہ چیزیں قلب کی خیانتوں میں داخل ہیں۔

ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ❋

بیشک کان، آنکھ، اور دل ہر ایک کی نسبت پوچھا جائے گا۔ (بنی اسرائیل:۳۶)

اور پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

اَلَآ وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ، اَلَا وَهِیَ الْقَلْب۔ (بخاری:حدیث،۵۲)

دیکھو آدمی کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہوتو سارا جسم درست ہوگا، اور اگر وہ خراب ہوتو سارا جسم خراب ہوجائے گا۔خبردار! وہ دل ہے۔

اسی طرح قلب کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اورنوازشات میں غور وفکر کیا جائے۔ ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ*

اور وہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں۔

اور پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

تَفَكَّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔

ایک گھڑی کا غور وفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ہاتھ کا ادب

ہاتھ کا ادب یہ ہے کہ بذل و احسان ،انفاق فی سبیل اللہ اور بھائیوں کی خدمت کرے،اور اپنے ہاتھوں سے معصیت وگناہ کا کوئی کام نہ کرے۔

پاؤں کا ادب

پاؤں کا ادب یہ ہے کہ طاعت ،عبادت اور خیر کے راستوں پر چلے، اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر تکبر وغرور کے ساتھ نہ چلے کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو پسندنہیں ہیں۔

(آداب المریدین:ص74)

☆ صوفیاء کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگراُن میں سے کوئی کسی شہر میں داخل ہو، اور وہاں کوئی شیخ ہوتو اس کی زیارت کرے، اس کے سر کو بوسہ دے، اور اگر وہ کم عمر ہوتو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے،۔اس کے بعد سالک کو چاہئے کہ اس شیخ کے پاس گھڑی بھر کے لئے خاموش بیٹھے، اور اگر وہ کچھ پوچھے تو اس کے سوال کا جواب دے۔وہ شیخ سے دنیا اور اہل دنیا کے حالات نہ پوچھے، بلکہ احوال مشائخ اور دینی بھائیوں کے متعلق پوچھے۔

اور اگرکوئی شیخ نہ ہوتو فقراء کی جگہ آئے۔اور اگر وہاں ایسے کئی مقامات ہوں تو ان میں جوسب سے زیادہ قدیم ہو، اور جہاں فقراء کی جماعت زیادہ ہوتو اس کا قصد کرے۔

پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے، اور جب گروہ صوفیہ میں آئے تو کسی گوشہ،کسی کونہ میں جگہ اختیار کرے۔

اور اگر وہاں کوئی ایسا مقام نہ ہو، اور ایسی جماعت نہ ہوتو ایسے لوگوں کے پاس جائے جواس گروہ صوفیہ سے محبت رکھتے ہوں، اور لوگوں سے اعتقاد اور میلان خاطر ہو۔

☆ بدعتیوں اور بے دینوں کی صحبت سے دور رہیں۔ رسوم و رواجات اور خلاف شرع کاموں سے اپنے آپ کو بچائیں۔اور روز مرّہ کی زندگی میں اتباع شریعت کا اہتمام کریں۔

☆ خود پسندی، تکبر، طمع ولالچ سے دور رہیں اور عاجزی، انکساری اور نیاز مندی کو اپنا شیوہ بنائیں۔

☆☆☆

پیر کا مرید کے ساتھ تعلق اور سلوک

پیر کا مرید کے ساتھ تعلق اور سلوک

جب کوئی شیخ اور پیر اپنے مریدوں سے کلام کرے تو اس کے کلام کا مقصد نصیحت و ارشاد اور طلب نجات ہونا چاہئے، اور ایسی بات کہنی چاہئے جس کا نفع سب کو پہنچے، اور ان کو لوگوں کی عقل کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے۔ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

أُمِرْنَا مَعَاشَرَ الْاَنْبِيَاء اَن نُّكَلِّمَ النَّاسَ عَلىٰ قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔

ہم جماعت انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔

اور جب تک ان سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا نہ جائے اس وقت تک وہ اس کے متعلق گفتگو نہ کریں، اور جب پوچھا جائے تو سائل کی حیثیت کے مطابق انہیں جواب دیں۔

حضرت جنیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ سے کسی مسئلہ کے متعلق جب سوال کیا جاتا ہے تو آپ ایک سائل کو ایک طرح کا جواب دیتے ہیں، اور اُسی مسئلہ کا دوسرے سائل کو دوسرے طریقے سے جواب دیتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جواب سائل کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔

ترحم اور نرمی

شیخ، پیر، مرشد کو چاہئے کہ وہ طریق سلوک کی تعلیم دینے میں حریص، مہربان اور شفیق ہو جو کہ پیارے پیغمبر ﷺ کی صفتیں ہیں ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآ ءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِا لْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞ (توبہ)

تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

اس لئے پیر کو تُرش رُو نہیں ہونا چاہئیے، اور مریدوں کو بجز دینی مفاد کے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے، نصیحت نرمی اور شفقت سے کرے، اور سخت کلامی نہ کرے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی طریقہ رہا ہے۔

تعلیم ان کو دینی چاہئے جو اس کے اہل ہوں، لیکن بعض کا خیال ہے کہ اہل و نااہل سب کو تعلیم دینی چاہئے، اگر نااہلوں کو تعلیم نہیں دی جائے گی تو علم ان کے پاس پہنچنے سے رُک جائے گا۔ اگر پیر اپنے حق میں مریدوں کی کوتاہیاں دیکھے تو انہیں معاف کر دیا کرے۔

ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا

یعنی انہیں چاہئے کہ معاف کر دیا کریں، اور لوگوں کی کوتاہیوں سے درگذر کیا کریں۔

مریدوں سے طمع نہ رکھے

شیخ کو چاہئے کہ وہ اپنے مریدوں سے مالی یا بدنی منفعت کی توقع نہ رکھے، اس لئے کہ لوگوں کی دینی رہنمائی ایک عبادت ہے، اور عبادت پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔

ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج (الکہف:۲۸)

یعنی ان سے نگاہ ہرگز نہ پھیرو، کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟

اور ہدایت کی انجام دہی میں اجر کی نیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ رکھے۔

ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

قُلْ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ. (هود)

اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرما دیجئے! کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا، میری جزا تو بس اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

صبر و تحمل

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کی ایذاء رسانی پر صبر فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

رَحِمَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَخِیْ مُوْسٰی لَقَدْ اُوْذِیَ اَکْثَرَهُمْ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ۔

اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ وہ اس سے بھی زیادہ ستائے گئے، اور انہوں نے صبر کیا۔

☆ اپنے سے زیادہ جاننے والے کے سامنے گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ (جو تبع تابعین میں سے تھے، حدیث وفقہ کے امام تھے، ان کے متعلق حضرت سفیان ثوریؒ جن کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مبارک مشرق ومغرب میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔ اُن) سے حضرت سفیان ثوریؒ کی موجودگی میں ایک مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ "ہم استادوں کی موجودگی میں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔"

با وقار رہے

صاحب مسند وارشاد یعنی پیر طریقت کو چاہئے کہ با وقار رہے، اور نہ گھر گھر گھومے

اور نہ خواہ مخواہ کے میل جول بڑھائے ، کیونکہ اگر اس کی عظمت مرید کی نگاہ میں کم ہوگی تو مریدوں پر فیض کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

سوائے اہل طلب کے مریدوں کو ایک دوسرے پر ترجیح نہ دے

مریدوں کو ایک دوسرے پر ترجیح نہ دے سوائے اس کے کہ کسی کے اندر اللہ تعالیٰ کی طلب زیادہ ہو تو اس کی تعلیم و تلقین میں کوشش بھی زیادہ ہونی چاہئے۔حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

يَا دَاوُدُ اِذَا رَأَيْتَ لِيْ طَالِبًا فَكُنْ لَهٗ خَادِمًا۔

اے داؤد! جب تو کسی کو میرا طالب پائے تو تُو اس کا خادم بن جا۔

بدگمانی کا موقع فراہم نہ کرے

پیر طریقت کو چاہئے کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے جس کی وجہ سے مخلوق خدا اس سے بدگمان ہو جائے کہ اس سے ہدایت و ارشاد کے کام میں خلل پیدا ہوتا ہے۔کیونکہ منصبِ ارشاد ایک بلند منصب ہے، یہ پیارے پیغمبر ﷺ کی نیابت ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۞ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۞ (الاحزاب:45،46)

بیشک ہم نے تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (اُمت کے اعمال پر) گواہی دینے والے (نیک لوگوں کو) خوش خبری سنانے والے ،اور (بدوں کو دوزخ سے) ڈرانے والے ہیں۔اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے، اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہیں۔

ہدایت پھیلانے کے کام کا ثواب دوسری عبادات کے ثواب سے زیادہ ہے ۔

دارمی نے حضرت حسن بصریؒ سے روایت کی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا جن میں سے ایک عالم تھا، جو صرف فرض نماز ادا کرتا تھا، اور باقی سارا وقت مخلوق خدا کی تعلیم میں مصروف رہتا تھا۔ دوسرا عابد تھا جو ساری رات قیام کرتا تھا، اور ہمیشہ روزہ رکھتا تھا۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عالم کا درجہ اس عابد سے اتنا ہی زیادہ بلند ہے جیسے مجھے تم میں کے ادنیٰ شخص پر فضیلت حاصل ہے۔

(ارشاد الطالبین: ص ۷۲)

قوت سے زیادہ کام نہ بتائے

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ طالبین سے ان کے حالات معلوم کرتے تھے کہ فرصت کتنی ہے؟ آمدنی کتنی ہے؟ صحت کیسی ہے؟ تعلقات کیا کیا ہیں؟ قوت کتنی ہے؟ کیونکہ قوت سے زیادہ کام نہیں بتانا چاہئے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے لوگوں کے حالات اور مصروفیات، ضعف وقوت، اور قصور و ہمت کے اعتبار سے تعلیم وتربیت کے لئے سالکین کو چار طبقات میں تقسیم فرمایا تھا۔

(1) وہ عامی جو کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے سے بے فکر ہے۔

(2) وہ عامی جو کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔

(3) وہ عالم جو دنیا کے کاموں سے خالی ہے۔

(4) وہ عالم جو روزگار کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ دستور العمل تجویز فرمایا تھا جس کی تفصیل قصد السبیل میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ اصل مقصود رضائے حق کا طالب بننا اور ناراضگی سے ڈرنا ہے، جس امر

کو رضا میں دخل ہو ان پر عمل کرے مثلاً واجبات، سنن، مستحبات و مامورات، اگر فوت ہو جائیں تو قضا کر لے، اور منہیات سے جن میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا دخل ہو ان سے اجتناب رکھے۔ ارشاد باری ہے:

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ *

دین میں کوئی تنگی و دشواری اللہ نے نہیں رکھی۔

☆ آدابِ علم میں سے یہ بھی ہے کہ کسی علم میں اُس کے وقت سے پہلے گفتگو نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس سے بہت سی آفتیں پہنچ جاتی ہیں جو اس سے علم کے فوائد منقطع کر دیتی ہیں۔

☆ اگر کسی شخص نے کوئی علم حاصل کیا، اور اس پر عمل نہ کیا تو وہ علم اس کے لئے قصہٴ پارینہ بن جائے گا، یعنی چند دنوں تک اُسے یاد رکھنے کے بعد بھول جائے گا۔

☆ علم سے دنیوی جاہ و مرتبہ، اور مالِ دنیا کو حاصل کرنے سے بچتے رہنا چاہئے، اس لئے کہ ایسے شخص کو ربّ العالمین علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع بخش نہ ہو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِي بِهِ الْعُلَمَآءَ ، اَوْ يُجَارِي بِهِ السُّفَهَآء ، اَوْ لِيَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ علماء میں امتیاز پیدا کرے، اور ادنیٰ لوگوں پر تفوق و برتری حاصل کرے، یا یہ کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانا پڑے گا۔

۞۞۞۞۞

فقراء و مشائخ سلفِ صالحین کے آداب کا بیان

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ: غفراللہ لہ ولوالدیہ﴾

فقراء و مشائخِ سلف صالحین کے آداب کا بیان

قارئین کرام

قطب العارفین ،امام السالکین حضرت العلام امام عبد الوہاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب انوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیۃ میں جس کا اردو ترجمہ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی خواہش پر آداب بندگی کے نام سے کیا ہے۔جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے خاص بندہ کی کیا شان ہونی چاہیئے ،اور شیخ کامل کی کیا علامت اور پہچان ہے۔

اس کتاب میں فقراء اور مشائخ سلف صالحین کے آداب کے نام سے ایک پورا باب (صفحہ نمبر 179 تا صفحہ نمبر 315) باندھا ہے جس میں تفصیل سے کلام فرمایا ہے،مگر میں کوشش کروں گا کہ اس کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے ،تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ مشائخ سلف کا کیا طرز تھا۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں مشیخیت کے دعویدار بہت زیادہ ہیں ۔ہر شخص جس کو اس کے شیخ نے تلقین ذکر کی اجازت دیدی ہو،وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ میں ولی اللہ ہوں ۔اور جب عام لوگ بھی ایسے ہی ان کے متعلق یہ گمان رکھنے لگتے ہیں ، اور ان کا اتباع کرتے ہیں تو ان کا یہ دعویٰ اور بھی زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔

حالانکہ درجۂ ولایت بہت بڑا درجہ ہے،اور اس کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اُس کی ولایت کو آسمان اور زمین والے ،اور حیوانات و نباتات سب پہچانتے ہوں ،اور اللہ تعالیٰ کی اُس سے محبت کی وجہ سے تمام مخلوقات بھی اس کے ساتھ محبت کرتی ہوں۔

جب کہ آج کل کے بہت سے مدعی ولایت کا حال تو یہ ہے کہ دیگر مخلوقات حشرات الارض، مچھلیوں اور چیونٹیوں کا تو کیا کہنا وہ گدھا جس پر وہ روزانہ سواری کر رہا ہو اُس سے اگر اُس کی ولایت کا حال پوچھا جائے تو وہ بھی اس کی ولایت سے ناواقف ہوگا۔

اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنے رتبہ کو پہچان لیا اور ایسے جھوٹے دعوؤں سے اپنے آپ کو بچایا جو اللہ کے غصّہ اور غضب کا سبب ہیں۔اس لئے سالک کو چاہئے کہ سلوک میں قدم رکھنے سے پہلے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھے۔

(1)علم شریعت سے واقفیت

سالک کی ایک شان یہ ہے کہ وہ طریق میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک علم شریعت اور علم حدیث سے خوب واقف نہ ہو جائے، کیونکہ سالک پر بعض امور ایسے منکشف ہوتے ہیں جو بظاہر شریعت پر منطبق نہیں ہو سکتے۔اور یہ ایک خطرناک اور مجہول راستہ ہے جس پر چلنے والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ آگے کیا کیا خطرے ہیں، اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ختم ہوتا ہے،اس لئے اُسے ایک رہنما کی ضرورت ہے جس کی رہنمائی میں وہ یہ راستہ طے کر سکے اور وہ رہنما نور بصیرت کے ساتھ ساتھ شریعت کا نور ہے۔

اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:"نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ" ایک نور پر دوسرا نور ہے۔تو اس تاریک راستے پر چلنے کے لئے دو(2)نوروں کی ضرورت ہے ایک سے روشنی ظاہر نہیں ہوگی، اور یہ دونور نور بصیرت، اور نور شریعت ہیں۔

(2)اہل سنت کے عقائد سے واقفیت

سالک کو چاہئے کہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے اہل سنت کے کچھ عقائد ضرور پڑھ لے تا کہ اس کا اعتقاد اُن اوہام سے پاک ہو جائے جن میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں

جیسے حق تعالیٰ کے لئے صورت جسمیہ ماننا، یا یہ اعتقاد رکھنا کہ حق تعالیٰ عرش کے اُوپر ہیں، اور ان کے مثل جو اور باتیں ہیں ان کو اسی طریق پر سمجھ لیں جو مسلک اہل سنت والجماعت ہے۔

(3) اولیاء کاملین کے کلام کا مطالعہ کرنا

سالک کو چاہئے کہ وہ اولیاء کاملین کے کلام کا مطالعہ کرے، نہ کہ مغلوب الحال اولیاء کے کلام کا، کیونکہ ان میں سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق کلام کرتا ہے، جس کے سمجھنے کے لئے اسی ذوق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس میں اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ سالک کے دل میں بھی اُس ذوق، اور حال کے حصول کی تمنا پیدا ہو، جب کہ درویشی کا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے لئے بجز رضائے محبوب کے کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

بخلاف اولیائے کاملین کے کلام کے کہ اس کے مطالعے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے ذوق اور حال کو بیان نہیں کرتے، بلکہ مقاصد اور اعمال کو بیان کرتے ہیں جو اپنی وسعت کے اعتبار سے سراپا ادب ہی ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ بھی، اور اس کی مخلوق کے ساتھ بھی۔

(4) مخلوق کے حقوق ادا کرے

سالک کو چاہئے کہ وہ خود تو مخلوق کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے، لیکن مخلوق سے اپنے حقوق کی ادائیگی کی خواہش نہ رکھے، اور اگر اس کے مریدوں میں سے کوئی شخص اس کی مجلس میں آنا کم کردے یا چھوڑ دے تو اس سے مکدّر نہ ہو۔

اور بعض اکابر کی بابت جو یہ منقول ہے کہ انہوں نے اپنی صحبت کو چھوڑنے والوں کے ساتھ تکدّر اور رنج ظاہر کیا تو وہ باعتبار شفقت کے تھا کہ افسوس یہ مرید راستہ طے کرتے کرتے پیچھے کیوں ہٹ گیا، اس کی ذات سے ان کو کوئی بغض وعناد نہیں تھا۔

(5) کسی نئی عادت کے ساتھ ممتاز بن کر نہ رہے

سالک درویش کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ وہ ذلیل ہو کر رہے اور کسی دوسرے سے کسی نئی عادت وطرز کے ساتھ ممتاز بن کر نہ رہے جس سے اس کی شہرت ہو۔اور وہ اپنے آپ کو تمام مسلمانوں سے علی الاطلاق کمتر سمجھے، اور نہ کسی کو اپنے ہاتھ چومنے دے، اور نہ سر جھکا کر بیٹھنے کی اجازت دے کیونکہ یہ سلاطین کے طریقے ہیں، غلاموں کی یہ شان نہیں ہوتی اور درویشوں کو غلامانہ زندگی بسر کرنا چاہئے۔

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اگر دست بوسی وغیرہ ایک خاص نظام کے ساتھ ہونے لگے ،اور مریدوں پر اپنی وقعت قائم ہونے کا خیال پیدا ہونے لگے تو ایسی صورت میں ان باتوں سے قطعاً منع کر دینا درویش پر واجب ہے۔

جب درویش کا نفس اس خاص نظام کے ساتھ اپنی تعظیم کا خوگر ہو،اوراپنے پاس لوگوں کی آمد ورفت سے مانوس ہوجاتا ہو، یا اگر آنے جانے ،ادب بجالانے، یا دست بوسی کم کرنے ،اور خدمت ونگہداشت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے اس کا نفس یہ چاہتا ہو کہ ان لوگوں کے سامنے ادب سے متعلق حکایتیں بیان کرنی چاہئیں۔کہ پیارے پیغمبر ﷺ کے سامنے صحابہ کرام ادب وحیاء کی وجہ سے ایسے خاموش بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔اور فلاں بزرگ کے مریدوں کی اپنے شیخ کے سامنے یہ حالت ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ۔

اور مقصود اس سب کا یہ ہو، تا کہ یہ لوگ تیرے سامنے ادب بجا لائیں ،اور بظاہر مریدوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ مجھے تو مخلوق کے اعراض کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تو اس قسم کی تعظیم وغیرہ کے دروازہ کو بند کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس دروازے کو کھول کر اس کے خطرات میں داخل ہو، کیونکہ اس میں ہلاکت زیادہ اور سلامتی کم ہے۔

(6) ہر شخص سے اس کے درجہ کے موافق برتاؤ کرے

درویش کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ ہر شخص سے اس کے درجہ و مرتبہ کے مطابق برتاؤ کرے، اور اس معاملے میں عام لوگوں کی نقالی نہ کرے کہ جس درویش کی وہ تعظیم بجا لاتے ہوں یہ بھی لائے، اور جس کی وہ تعظیم نہ کرتے ہوں یہ بھی نہ کرے۔ اور سب سے زیادہ معزّز اور قابل تعظیم وہ شخص ہے جو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ اتباع کرتا ہو۔

(7) مخلوق کی طرف سے پیش آنے والی اذیّت کو برداشت کرے

سالک درویش کو چاہئے کہ وہ تمام مخلوق کی طرف سے پیش آنے والی اذیت کو برداشت کرتا رہے، اور اس کو اپنے لئے اللہ کی نعمت سمجھے تاکہ اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا میلان نہ ہو۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی انبیاء علیہم السلام اور اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ یہ عادت جاری ہے کہ ابتداء میں ان پر تکالیف کو مسلط کرتے ہیں، اور پھر اخیر میں غلبہ ان ہی کا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح بزرگان سلف صالحینؒ کے ساتھ معاملہ ہوتا رہا ہے، اور ان کو مختلف قسموں کی اذیتوں اور تہمتوں کا سامنا رہا ہے۔

بعض بزرگوں کی طرف غلط عقائد کی نسبت رہی جس سے حق تعالیٰ کا مقصود ان کے نفس کی تادیب و تربیت تھی۔ تاکہ انہیں اپنے ساتھ مخلوق کا زیادہ اعتقاد دیکھ کر مخلوق کی طرف میلان نہ ہو جائے، جس سے ان کی حالت بگڑ جائے کیونکہ جب انہیں مخلوق کی طرف میلان ہوگا تو اُن کا دل ان کی محبت میں پھنس جائے گا۔

اور حق عزوجل تعالیٰ بڑے صاحب غیرت ہیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ اپنے بندۂ مؤمن

کے دل میں اپنے سوا کسی اور کی محبت دیکھیں، کیونکہ مومن کا دل تجلّی گاہ حق عزوجل تعالیٰ ہے، اور حق عزوجل تعالیٰ کو اپنی تجلّی کی جگہ میں دوسرے کا ہونا گوارا نہیں ہے، کیونکہ وہ شرکت سے نہایت بیزار ہے۔اس لئے غیب سے عارف پر مخلوق کی طرف سے قسم قسم کی ایذائیں بھیجی جاتی ہیں تاکہ اس کا دل مخلوق سے کھٹّا ہو جائے، اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا میلان نہ ہو۔

اورعزیز من! تمام مخلوق اگر تمہاری مدح وثنا کرے تو اللہ کے نزدیک تم کو اس سے کیا نفع ہوسکتا ہے۔اگر عند اللہ تم قابل مدح نہیں ہو، اور مخلوق کا برا بھلا کہنا تم کو کیا ضرر دے سکتا ہے، اگر اللہ کے نزدیک تم برے نہیں ہو۔بلکہ سب برا کہنے والے مرنے کے ساتھ ہی تم سے جدا ہو جائیں گے۔

کیا وہ قبر میں تمہارے ساتھ جائیں گے، اور وہاں تمہارے خلاف کچھ کاروائی کریں گے، اور آخرت میں تمہارے سوال و جواب یا حساب و کتاب کے مالک ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔تو جب ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تو پھر ان کے برا کہنے سے رنج کیسا ہے۔ذوق شاعر نے خوب کہا ہے ؎

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق
ہے برا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے، تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں برا کہنے سے تو اس کے برا مانتا ہے

(8) حکم کی خلاف ورزی پر رنجیدہ نہ ہو

سالک درویش کی یہ شان ہونی چاہئے کہ جب وہ کسی کو کسی بات کا حکم کرے، یا منع کرے تو اس حکم کی خلاف ورزی کی صورت میں اُس سے مکدّر و رنجیدہ نہ ہو، کیونکہ حق تعالیٰ

شانہٗ کا ارشاد ہے:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ★ (المائدہ:۹۹)

رسول کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔

اور ارشاد باری ہے:

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَاب★ (الرعد:۴۰)

پس آپ کے ذمّہ پہنچا دینا ہے، اور ہمارے ذمّہ حساب لینا ہے۔

اور یہی منصب وارثان رسول کا ہے کہ ان کا کام صرف سمجھانا اور نصیحت کرنا ہے۔ اس کے بعد چاہے کوئی عمل کرے یا نہ کرے، اس سے ان کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ امتثال حکم کا معاملہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اگر حق تعالیٰ نے بندہ کے لئے امتثال کو مقدّر کیا ہے تو وہ ضرور حکم کی تعمیل کرے گا، ورنہ کسی حکم کرنے والے کی قدرت میں یہ بات نہیں کہ دوسرے سے اپنے حکم کی تعمیل کرالے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا۔

اس لئے نرمی اور شفقت کے ساتھ دوسروں کو سمجھاؤ اور ان کی تحقیر مت کرو، اس لئے کہ اُس کام کا سرزد ہونا (جس سے تم منع کر رہے ہو) تم سے بھی ممکن ہے تو پھر تحقیر اور تکدر کیسا؟

(9) خادم سے سختی نہ برتے

درویش کی یہ شان ہے کہ اپنے خادم سے کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق باز پرس نہ کرے کہ ایسا کیوں ہوا یا نہیں ہوا؟ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زمانۂ خدمت میں عمر بھر کبھی ان سے کسی کام کے متعلق یہ نہیں پوچھا کہ یہ کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟۔

اور اس میں درحقیقت حق تعالیٰ شانہٗ کا ادب ہے نہ کہ خادم کا۔ اس لئے کہ اہل اللہ جانتے ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ حکمت خداوندی سے ہوتا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ نا جائز امور پر بھی اعتراض نہ کرو۔اعتراض ضرور کرو مگر اس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کی حکمتوں کا بھی لحاظ رکھو جو ان کاموں کے متعلق رکھی گئی ہیں۔

اور جو شخص حکمت کو جان کر اعتراض کرتا ہے، وہ شریعت کے اعتراض کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے۔(گویا وہ صرف شریعت کے اعتراض کا ناقل ہوتا ہے،خود اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔جس شخص کو یہ ذوق حاصل ہوا اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اقامت حدود کی اجازت ہے۔

(10) بیمار پرسی کے لئے نہ آنے والے مریدوں سے رنجیدہ نہ ہو

سالک درویش جو فقراء کاملین کے درجہ تک نہ پہنچا ہواُسے چاہئے کہ وہ اپنی بیماری کے زمانے میں اس کی تیمارداری کے لئے نہ آنے والوں ، اور اس کے علاج ومعالجہ کے لئے اس کی خدمت میں ہدایا وغیرہ نہ پیش کرنے والوں سے مکدّر ورنجیدہ نہ ہو۔

اس لئے اگر زیارت کرنا اور ہدیہ دینا ان کے حق میں بہتر تھا تو نہ دے کر وہ خود ہی اس خیر سے محروم ہو گئے ۔اور اگر یہ ان کے حق میں یا خود درویش کے حق میں بہتر نہیں تھا تو وہ اس خواہش نفسانی میں شریک ہونے کے شر سے بچ گئے ۔غرض درویشِ ناقص کو اس مضمون کے استحضار سے کام لے کر بیماری وغیرہ میں اپنے مریدوں اور خادموں کی بے اعتنائی سے مکدّر نہیں ہونا چاہئے۔

رہے فقراء کاملینؒ تو وہ اس حالت سے بالکل ہی نا آشنا ہوتے ہیں ، اور وہ اپنی معرفت کی وجہ سے ان امور کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے کہ کون ان کی عیادت کے لئے آیا، اور کون نہیں آیا۔اس لئے کہ وہ مخلوق سے زیادہ حق تعالیٰ شانہٗ کے قریب ہوتے ہیں ،اور ان

کی نظر بجائے مخلوق کے ہر دم اُسی ذاتِ برحق عزوجل تعالیٰ پر رہتی ہے۔

(11) اپنے ہاتھ میں کسی نفع وضرر کو نہ سمجھے

درویش کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ وہ بجز حق عزوجل تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں کسی نفع وضرر کو نہ سمجھے۔ اگر تمام مخلوق کو بھی اس کے ہاتھ سے نفع پہنچے، اور یہ ان کو سالک بنادے، تو بھی ان کی ہدایت کو کسی درجہ میں بھی اپنی طرف منسوب نہ کرے۔

اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ★ (القصص:٥٦)

اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے، بلکہ حق تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔

اور اس کی علامت یہ ہے کہ جو لوگ طالب بن کر اس کے پاس آئیں، اُن میں سے کسی پر بھی اپنے مرتبہ کو بلند نہ سمجھے۔ اس لئے کہ یہ انہی کی وجہ سے شیخ بنا ہوا ہے، ورنہ یہ اگر کسی نئے علاقہ میں چلا جائے تو کوئی بھی اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ اور جب ان فقراء اور مریدین کے ساتھ اس حال میں کہ وہ اس کے آگے پیچھے گردن جھکائے ہوئے چل رہے ہوں کسی بھی علاقہ میں چلا جائے تو سب لوگ جان جائیں گے کہ یہ صلحاء میں سے کوئی بزرگ ہے۔ یہ شانِ مشیخیت اس کے اندر انہی مریدوں کی جماعت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیخ کے مقابلے میں مریدین زیادہ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، اور شیخ دن بھر مخلوق کے ساتھ مجلس آرائی میں مصروف رہنے کی وجہ سے اس قدر عبادت کے لئے وقت نکال نہیں پاتا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشائخ ناقصین مشیخیت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے

ابتداء میں تو خوب محنت کرتے ہیں،اور جب ان کی یہ مراد پوری ہو جاتی ہے، اور ان کو مخلوق کا اعتقاد اپنے ساتھ محسوس ہو جاتا ہے تو اب وہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں ، اور وہ مخلوق کے ساتھ ہنسی اور دل لگی میں مشغول رہتے ہیں، جب کہ مریدین عبادت میں ۔تو اب سمجھو کہ دونوں میں افضل کون ہوا؟۔

اور کسی مرید سے اپنے آپ کو افضل نہ سمجھنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر اس کے سارے مریدین اس کو چھوڑ کر اس کے ہمعصر کسی دوسرے بزرگ کے پاس چلے جائیں تو اس کے اندر بال برابر بھی تغیّر وتکدّر پیدا نہ ہو۔اور یہ سمجھے کہ اصل مقصود تو مخلوق کی ہدایت ہے، چاہے وہ میرے ہاتھ سے ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے، کیونکہ ہدایت کرنے والے تو حقیقت میں صرف حق تعالیٰ شانہٗ ہیں ،وہ جس کے ہاتھ سے چاہئیں ہدایت کردیں ۔ میں ان کی ہدایت کے بارے میں کیوں غم کروں ۔

جس شخص کو یہ حالت حاصل نہیں ،اور وہ اپنے پاس مجتمع ہونے والے مریدوں کے بارے میں یہ سمجھے کہ یہ لوگ تو میری طرف محتاج ہیں ، اور میں کسی بات کی تعلیم میں ان کی طرف محتاج نہیں ہوں تو وہ خود ابھی قابل اصلاح ہے ،وہ دوسروں کی کیا اصلاح کرے گا؟ اس لئے کہ وہ بتدریج شیطان کے راستے میں ترقی کر رہا ہے، خدا کے راستے پر نہیں چل رہا۔

باقی رہے مشائخ کاملین جو طریق میں محقّق وراسخ ہو چکے ہیں ان کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ مریدین کو اس دولت کا محتاج دیکھتے ہیں، جو اللہ کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے تو وہ اس نعمت پر حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس نے ان کے ساتھ ایک ایسی جماعت کو وابستہ کر دیا ہے جو ان کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کر کے ان کو اس بات پر متنبہ کرتے رہتے ہیں کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔

کیونکہ اگر ان کی طرف کسی کی احتیاج ظاہر نہ ہوتی تو شاید یہ بھی کسی وقت اپنے

محتاج ہونے کو بھول جاتے ۔تو کاملین اپنے حق سے زیادہ مریدوں کا اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں۔کیونکہ مریدین حالاً ان کے شیخ ہیں، اور یہ قالاً اور تربیت کے درجے میں ان کے شیخ ہیں۔

(12) دنیا میں جو کچھ ظاہر ہو اس سے متأثر نہ ہو

درویش کی ایک شان یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ظاہر ہو اس سے متغیر نہ ہو۔اس لئے کہ وہ ہردم مراقبہ،اور اپنے رب کی عظمت کے استحضار کی وجہ سے یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اس کائنات میں بغیر اس کی اجازت واذن کے ایک ذرّہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔اس لئے اہل قرب کو عالم کے تغیّرات کی وجہ سے کبھی تکدّر نہیں ہوتا۔اور ظاہر ہے کہ جو شخص ناگوار اور پریشان کن واقعات پر دنیا کی بناء سمجھتا ہو، اور ان کو اصل کے موافق جانتا ہو اسے کسی واقعہ سے ناگواری کیوں ہوگی؟۔

اس لئے عبدیت کی شان یہ ہے کہ اپنی مرضی کو حق تعالیٰ شانہٗ کی مرضی کے تابع کر دے کہ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے، اور یہ ہر حال میں راضی رہے۔

قطب ربانی سیدی شیخ احمد رفاعیؒ کا ارشاد ہے کہ اگر تمام مخلوق دو جماعتوں میں تقسیم ہو جائے ، اور ایک جماعت میری دائیں طرف کھڑی ہو کر میری تعظیم بجا لاتے ہوئے مجھے عُود اور اگربتی کی دھونی دے ۔اور دوسری جماعت میری دوسری طرف کھڑی ہو کر قینچیوں سے میرا گوشت کاٹنے لگے تو میں دونوں کو تقدیر کا لکھا ہوا سمجھ کر دونوں حالتوں پر یکساں طریقے سے راضی رہوں گا۔

اس سے وہ ناگوار افعال مستثنیٰ ہیں جو اُن لوگوں سے صادر ہوں جن کی تربیت اس شیخ سے متعلق ہے، وہاں ناگواری کا اظہار کرنا تربیت کے لوازمات میں سے ہے، اور عین اتباع سنت ہے۔

(13) مسند مشیخت وارشاد اس وقت اختیار کرے جب روز ازل سے ہونے والے اپنے مریدوں کو پہچان لے

درویش کامل کی یہ بھی شان ہے کہ وہ مسند مشیخیت وارشاد پر بیٹھنے کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہوتا جب تک اپنے ان مریدوں کو پہچان نہیں لیتا جو روز ازل سے اس کے مرید ہو چکے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اس کی توجیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ شرط مطلق مشیخیت کی نہیں ہے، بلکہ خاص اس مشیخیت کی ہے جس کے خاص احکام ہیں، جن میں سے اپنے مریدین کو دوسرے مشائخ کے پاس جانے سے روکنا بھی ہے۔یہ روکنا اس شیخ کو جائز ہے جس میں یہ شرط پائی جاتی ہو۔

اس بات کی مزید وضاحت حضرت شیخ الاسلام مولانا مظفر احمد عثمانیؒ نے اس کتاب کے حاشیے میں اس طرح کی ہے کہ: (1) یہ جو علامہ نے فرمایا ہے کہ شیخ کامل کو اپنے مریدوں کا حال روز ازل سے معلوم ہونا چاہئے، اس کے دو طریقے ہیں۔ایک طریقہ کشف کا ہے مگر اس کا سب کو ہونا ضروری نہیں، اور تو اور، حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی بعض واقعات کا کشف نہیں ہوا۔اور پھر حضرت حضر اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا واقعہ، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کے حق میں استغفار اور پیارے پیغمبر ﷺ کے اپنے چچا ابو طالب کے اسلام لانے کے لئے کوشاں رہنا مثال کے طور پر بیان کیا ہے۔

(2) دوسرا طریقہ وجدان صحیح کا ہے: کہ مشائخ کاملین کو وجدان صحیح سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ کون روز ازل سے ہمارا مرید ہے، اور کون نہیں۔اور اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کامل کے قلب کو جس شخص کی طرف از خود کشش ہوتی ہے اگرچہ اُس نے طلب بھی

ظاہر نہ کی ہو،وہ اس کا ازل سے مرید ہے ، اور وہ اسی شیخ کے ہاتھ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے دوسرے سے نہیں ۔ اور جس کی طرف شیخ کے قلب کو از خود کشش نہ ہو بلکہ اوّل طالب کے قلب کو کشش ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ۔ یا تو طالب کی طلب کے بعد شیخ کو بھی اس کی طرف میلان ہو جائے تو ایسا شخص کبھی تو ازل سے مرید ہوتا ہے اور کبھی نہیں ،غرضیکہ اس کا حال مشتبہ ہوتا ہے ۔ اور اگر شیخ کے قلب کو اس کی طرف بالکل میلان نہ ہو تو ایسا شخص ازل سے اس کا مرید نہیں ،اس کو اس شیخ سے نفع نہیں ہوگا ۔

اس بناء پر مشائخ کاملین کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی طرف ان کے قلب کو از خود کشش ہوتی ہے ،اور جب وہ طلب ظاہر کرتا ہے تو اس کو فوراً بیعت کر لیتے ہیں ، دیر نہیں لگاتے ، اور ایسے لوگ کامیاب ہوتے ہیں ۔

اور جس کی طرف از خود کشش نہیں ہوتی اس کی بیعت میں جلدی نہیں کرتے ، بلکہ توقف کرتے ہیں ، اور اس کے بار بار طلب ظاہر کرنے کے بعد اگر ان کے قلب میں میلان پیدا ہو گیا تو توکلاً علی اللہ بیعت فرما لیتے ہیں ۔ان میں سے بعض تو ثابت قدم رہ کر کامیاب ہو جاتے ہیں ، اور بعض متزلزل رہتے ہیں ۔

اور اگر پھر بھی میلان نہ ہو تو صاف فرما دیتے ہیں کہ تم کسی اور سے بیعت ہو جاؤ، ہمارے اور تمہارے درمیان مناسبت نہیں ہے ۔پہلی دو قسموں میں قسم اوّل کے مریدوں کو تو دوسرے مشائخ سے روکنے کا شیخ کو حق ہے ، اور دوسری قسم کے مریدوں کو روکنے کا حق نہیں ہے کہ یہ سب مرید میری ہی طرف منسوب رہیں ۔کسی اور کی طرف منسوب نہ ہوں ۔

جس کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت ہوتی ہے اس پر اپنے مریدوں کی حالت مخفی نہیں رہتی ۔حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجھے یاد نہیں ہے کہ کسی شخص کی طرف میرے قلب کی از خود کشش ہوئی ہو ، اور پھر وہ میرے پاس نہ آیا ہو ۔کسی نہ کسی وقت

ضرور آیا، اور آ کر بیعت کی درخواست کی۔ پھر الحمد للہ اس کو بہت نفع ہوا۔

مگر حکیم الامت ایسے مریدوں کو بھی دوسرے مشائخ سے نہیں روکتے تھے، بلکہ عام طور پر سب کو اجازت دیتے تھے کہ جس کو جہاں سے زیادہ نفع معلوم ہو چلا جائے۔ میں مخلوق کو خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، اپنا بندہ نہیں۔ اور یہی بات حضرت حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے۔

یہ تحقیق اوّل تو مشائخ کے بارے میں تھی۔ تحقیق ثانی مریدین کے متعلق ہے کہ وہ بیعت ہونے سے قبل مختلف مشائخ کی زیارت کر کے ان کے پاس کچھ دنوں رہ کر دیکھ لیں کہ ان میں سے اپنی طبیعت کو کس سے زیادہ مانوس پاتے ہیں، پھر جب کسی ایک سے زیادہ لگاؤ ہو جائے تو اس سے بیعت ہو جائیں۔ بیعت کے بعد ذکر و شغل میں مشغول ہو جائیں، اگر نفع معلوم ہو، اور اصلاح نفس میں ترقی محسوس ہو تو اُسے لازم پکڑ لیں، اور کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

اور اگر بیعت کے بعد نفع محسوس نہ ہو تو ادب کے ساتھ اس سے الگ ہو کر کسی دوسرے شیخ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے ساتھ بھی یہی صورت اختیار کرے۔ اور بدون کامل جانچ کے بیعت نہ ہو۔ اور بیعت کے بعد نفع معلوم ہو تو اس کی صحبت کو لازم پکڑے، پھر کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔

اور جاننا چاہئے کہ صاحب ارشاد کی شرط یہ ہے کہ وہ تلقین و ارشاد میں اُس بات پر اعتماد کرے جو حق تعالیٰ اس کے قلب میں القاء فرما دیں۔ اور وہ ہر ایک کو وہ بات بتائے جس کو اس کی استعداد قبول کرتی ہو۔ جو شخص بزرگوں کے اقوال مطالعہ کر کے یکساں طور پر ہر شخص کو بتلا دیا کرے اور سنا دیا کرے، خواہ وہ مرید کی حالت کے مناسب ہوں یا نہ ہوں۔ وہ صاحب ارشاد نہیں ہے۔

کیونکہ وہ اپنے ذوق سے کچھ نہیں کہتا بلکہ دوسروں کے ذوق کا ناقل ہے۔مگر آج کل لوگ اسی کو ارشاد وسلوک سمجھتے ہیں۔اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ان حکایتوں اور باتوں کے سننے ہی سے سالک ہو گئے، حالانکہ ان کو ان باتوں کا ذوق بھی حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ کاملین کی باتوں کا کسی قدر ذوق اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ان کے درجہ میں ہو۔

(14) دعویٰ اور تذکیہ نفس ظاہر کرنے والے الفاظ سے بچیں

درویش کی یہ بھی شان ہے کہ ایسے الفاظ کے استعمال سے بچے جن سے دعویٰ اور اپنے نفس کا تذکیہ ظاہر ہو۔مثلاً یوں کہنا کہ ہم تو فلاں شیخ کی صحبت میں پہنچ کر ہی آدمی ہوئے ہیں، یا یوں کہنا کہ کشف تو ناقصین کو ہوا کرتا ہے، کاملین کو نہیں ہوا کرتا، اور اس طرح حاضرین کے سامنے اپنے کامل ہونے کا اظہار کرے کہ میں تو کامل ہوں اس لئے مجھے کسی شے کا کشف نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے اور واقعہ کے مطابق نہیں ہوتا جیسا کہ ناقصین کو بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ان کو بعض دفعہ کسی بات کا کشف ہوتا ہے، اور وہ اُسے فوراً بیان کر دیتے ہیں کہ ایسا ہونے والا ہے اور پھر واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے، حالانکہ وہ اپنی بات میں سچے ہوتے ہیں، مگر حق تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا حکم بدل دیتے ہیں جس کی صاحب کشف کو بالکل خبر نہیں ہوتی۔

اس لئے ادب یہ ہے کہ جو کچھ مکشوف ہو اس کو سکوت کے ساتھ مخفی رکھا جائے، اور جب تک حق تعالیٰ خود ظاہر نہ کریں اس وقت تک اس کو کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔

(15) احسان کرنے والے کے ساتھ صرف اللہ کے لئے محبت کرنا

سالک درویش کی ایک شان یہ ہے کہ وہ اپنے محسن کے ساتھ محض اللہ کی وجہ سے محبت کرے احسان کی وجہ سے نہیں۔اور اس کی ایک ادنیٰ علامت اور پہچان یہ ہے کہ جس

شخص سے محض اللہ کی خاطر محبت ہوتی ہے وہ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک وہ انسان اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق چلتا رہتا ہے۔اور جب وہ اللہ کی مرضی کو چھوڑ دے اور معاصی کے اندر مبتلا ہو جائے تو اس کے دل میں اس کے ساتھ وہ سابقہ محبت باقی نہ رہے، بلکہ اس کی حالت بدلنے کے ساتھ ہی اس کی محبت کا رنگ بھی بدل جائے،تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی اپنے محسن کے ساتھ محبت لوجہ اللہ تھی۔

اور اگر اس کی محبت کے اندر کچھ تغیر واقع نہ ہو تو سمجھ لے کہ اس کی اس کے ساتھ محبت لوجہ اللہ نہیں تھی بلکہ محض احسان کی وجہ سے تھی۔گو اس کو اس کے ساتھ فوراً قطع تعلق نہیں کرنا چاہئے بلکہ حق دوستی ادا کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی فکر وکوشش کرنی چاہئے۔

(16) مشائخ کے سامنے بتکلف وقار وسکون پیدا نہ کرے

درویش کی ایک شان یہ ہے کہ جن مشائخ سے اسے عقیدت ہو جب ان سے ملنے جائے تو ان کے سامنے اپنی روز مرّہ کی حالت سے زیادہ وقار وسکون نہ اختیار کرے، اور سر جھکا کر نہ بیٹھے۔اس لئے کہ اس کا شیخ اگر واقعی درویش ہے تو وہ اس کے باطن کو دیکھے گا نہ کے اعضائے ظاہرہ کو۔اس لئے کہ "اَلْمُؤْمِنُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ" مؤمن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔اس لئے اگر تمہارے باطن میں کچھ نہیں تو شیخ کے سامنے ظاہری بناوٹ اختیار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔اور اگر شیخ دنیا داروں میں سے ہے تو اس کے سامنے ظاہری تعظیم اور دکھاوا اس لئے نہ اختیار کرے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل نہ ہو۔

اسی طرح اگر درویش کے پاس اس کا کوئی معتقد یا مرید ایسے وقت میں آئے کہ وہ کسی ایسے کام میں مشغول ہو جو شان بزرگی کے خلاف ہو تو اس سے اسی حالت میں ملے۔ مثلاً ہنسی و مذاق کر رہا ہو تو اسی حالت میں اس سے ملے اور اپنی حالت بدل کر سنجیدگی اختیار نہ کرے، کیونکہ اس میں نفس بد کی عزت و ناموس پاش پاش ہوتی ہے۔

(17) مخلوق کی نگاہ میں عظمت کی طلب نہ ہو

درویش کی ایک شان یہ ہے کہ ان کو کسی ایسی حالت کی طلب نہیں ہوتی جس میں انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت حاصل ہونے کے بجائے مخلوق کی نگاہوں میں عظمت حاصل ہو۔مثلاً خاص قسم کا جبّہ، دستار وعمامہ کا استعمال، کہ یہ قلت معرفت کی دلیل ہے۔

کاملین نے دنیا میں ہمیشہ مخلوق سے اپنے کمال کو چھپایا ہے،اور ایسی جگہ میں اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا جہاں ان کے مولیٰ نے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔اس لئے وہ عام لوگوں کے سامنے اسی ظاہری عبادات کے طریقے پر چلتے رہتے ہیں جن پر چلنے سے عادۃً انسان بزرگ اور عبادت گذار مشہور نہیں ہوتا۔

اُن کو وہی پہچان سکتا ہے جو اُن کے مقام پر پہنچا ہوا ہو۔یہ شہرت کے طالبوں کی طرح کبھی حصار میں بیٹھنے، چلہ کشی کرنے،اور جنّوں کو تابع کرنے کے درپے نہیں ہوتے۔

(18) تعمیل حکم ربّانی کے لئے اپنے بازو کو جھکا ہوا رکھے

درویش کی ایک شان یہ ہے کہ محض تعمیل حکم خداوندی کے لئے کسی مسلمان کے سامنے اپنے بازو کو جھکا ہوا رکھے کسی اور علت کی وجہ سے نہیں۔مثلاً اپنے حسن اخلاق کو اس لئے ظاہر کیا جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ پیغمبرانہ اخلاق کا مالک ہے، اس کا نفس مر چکا ہے اور یہ مشیخیت اور تربیت کرنے کا اہل ہے وغیرہ۔

اس لئے درویشوں کو اپنے مریدین کے ساتھ نرم گفتگو کسی مصلحت اور لالچ کی بنا پر نہیں کرنی چاہئے ، بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے لئے کرنی چاہئے ،خاص طور پر ایسے مریدین کے ساتھ جن سے انہیں مالی نفع حاصل ہوتا ہو۔

(19) اپنے معمولات کے وقت لوگوں کی آمد ورفت سے خوش نہ ہو

درویش کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اپنے وظائف اور معمولات کے وقت میں لوگوں کی آمد ورفت سے خوش نہ ہو۔اور ایسی مجالس میں بھی آنے سے خوش نہ ہو جن میں لوگوں کی آمد کی وجہ سے نفس کو خوشی حاصل ہو۔ بلکہ درویش پر واجب ہے کہ وہ گمنامی اختیار کرے، اور اپنی تعظیم وتکریم کا خیال دل سے نکال دے۔

(20) اپنی باطنی ومخفی حالت وارادت کو ظاہر نہ کرے

درویش کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اپنی باطنی حالت اور مخفی ارادت کو جہاں تک ہو سکے ظاہر نہ کرے، اور خشوع کی صورت، بدن میں لرزہ پڑنے، سر جھکانے، اور شانوں کو باہم ملانے سے احتراز کرے۔الّا یہ کہ مغلوب الحال ہو۔

(21) دوستوں کی مصالح اور خیر خواہی پر نظر رکھے

درویش کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اپنے دوستوں کی مصلحتوں پر نظر رکھے، ان کا خیر خواہ ہو۔اور ان کو کوئی پیشہ اختیار کرنے ،اور کاروبار میں مشغول رہنے کا حکم کرے، جس سے اس کو اور اس کے اہل وعیال کو فائدہ حاصل ہو۔

اسی لئے شارع علیہ السلام نے ہاتھ سے کام کر کے کھانے کی رغبت دلائی ہے ۔ اور عارفینؒ بھی ہمیشہ اسی کی رغبت دلاتے رہے ہیں۔ اور حتی الامکان دوسروں کا مال کھانے سے بچنے کی تاکید کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح درویش کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو اپنی مجلسوں میں اور ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں شریک ہونے کا پابند نہ بنائے جن کی حاضری ان پر واجب نہیں ہے کیونکہ یہ قلت ادب کی دلیل ہے۔

بلکہ ان کو ان کے پیشے ہی میں مصروف رہنے دے۔اس لئے کہ عارف وہ ہے کہ جو لوگوں کو ان کے کاروبار کی مشغولی ہی میں سلوک طے کرادے۔جس طرح ہمارے مشائخ کراتے رہے ہیں۔

(22) نفس پر گراں گزرنے والے کاموں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کرے

درویش کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ نفس پر گراں گزرنے والے کاموں میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرے، جیسے راتوں کو اٹھنا،لوگوں کی طرف سے ناحق پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرنا وغیرہ وغیرہ۔اور جو شخص ظاہری ہلکی باتوں پر اکتفا کرے جو چیزیں نفس کے لئے آسان ہیں مثلاً: شملہ دار عمامہ باندھنا،اونی جبہ پہننا،مسواک کرنا،خوشبو لگانا ،اور باطن میں ناشائستہ امور کا ارتکاب کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے بدن اور کپڑوں پر گندگی اور غلاظت مل لے، اور جب جمعہ کی نماز کو جانے لگے تو اسی گندگی پر خوشبو کی اسپرے کر لے ۔اور جب اس سے کوئی یہ کہے کہ خوشبو کو چھوڑو پہلے غلاظت اور گندگی کو اپنے بدن اور لباس سے صاف کرلو تو وہ جواب میں کہے کہ نہیں میں خوشبو لگانے کی سنت پر ضرور عمل کروں گا ،تو بتایئے ایسی خوشبو لگانے کا کیا فائدہ جس کے نیچے غلاظت اور گندگی بھری ہوئی ہو۔

پس عارفین اور ہر وہ شخص جن کی بصیرت اللہ نے کھول دی ہو،وہ ظاہر کی آراستگی چھوڑ کر اندر کی خباثت کو دور کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔اور اسی کے اندر ان کی ساری زندگی ختم ہو جاتی ہے ۔اس لئے پہلے ہلاکت میں ڈالنے والی باتوں کا علاج کیجئے،اپنے باطن کو ان سے صاف کیجئے ،اوراس کے بعد ہلکی ہلکی باتوں پر عمل کیجئے ۔

اس لئے درویش کو اپنا وقار پاش پاش کرنا چاہئے ، اورکسی حالت کا پابند نہیں ہونا چاہئے جیسے بڑا عمامہ باندھنا اور قیمتی لباس اور جبہ کا پہننا وغیرہ وغیرہ، بلکہ اپنے تمام حالات

میں سہولت اختیار کرے، جومل جائے پہن لے، کھالے، اپنے ہاتھ سے کھانا پکالے، جھاڑو دے لے، یتیموں اور بیواؤں کی خدمت کر لے، کیونکہ یہ سارے کام پیارے پیغمبر ﷺ نے بھی فرمائے ہیں۔عوام کے ساتھ انہی کی طرح گھل مل کر رہے، کسی بات میں اپنے آپ کو ممتاز نہ بنائے، یہ نہ سمجھے کہ میں شیخ ہوں اور میرے ہاتھ میں مخلوق کی ہدایت ہے۔جبکہ ربّ العالمین نے پیارے پیغمبر ﷺ پر یہ حکم نازل فرمایا:

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ★ (العنکبوت:۱۸)

رسول کے ذمّہ بجز تبلیغ کے کچھ نہیں

اور ارشاد باری ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ★

(الانعام:۳۵)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا، پس آپ نادان نہ بنئے۔

اور اس کے سوا بہت سی آیات اسی قسم کی ہیں جن میں پیارے پیغمبر ﷺ کو مخلوق کی فکر میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

(23) اگر کوئی آپ کے درجہ سے انکار کرے تو مکدّر نہ ہوں

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی اُسے اولیاء صالحین کے درجہ سے نکالے، اور یوں کہے کہ فلاں کو تو طریق کا کچھ بھی ذوق نہیں ہے تو ایسی باتیں سن کر مکدّر نہ ہو، کیونکہ اگر یہ عند اللہ صالح ہے تو کسی کے کہنے سے صلاح سے نہیں نکلے گا۔اور اگر عند اللہ غیر صالح ہے تو کہنے والے نے سچ ہی تو کہا ہے اس لئے اس پر غصّہ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

اور جو شخص اپنی نسبت لوگوں کی مدح و ثناء سن کر خوش ہو ، اور حقیقت میں بزرگی سے کورا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی اپنے مرید کی یہ بات سن کر خوش ہو کہ میرے پیر کے پاخانہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے اور اس پر خوشی سے الحمد للہ کہتا پھرے ۔ حالانکہ وہ اپنے پاخانہ کی پلیدی اور سڑاہند کی وجہ سے قضائے حاجت کے وقت خود اپنی ہی ناک بند کر لیتا ہے ۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا دھوکہ ہوگا ؟ ۔

اس لئے شیخ کو نہ تو کسی کی مدح و تعریف پر خوش ہونا چاہئے اور نہ ہی کسی کی مذمت پر دل برداشتہ ۔ جو شخص مخلوق کے چند افراد کی طرف سے پہنچنی والی ایذا کو برداشت نہ کر سکے وہ کس طرح شیخ و مربی ہو سکتا ہے ۔

(24) اپنے آپ کو مخلوق میں سب سے کمتر سمجھے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ حق عزوجل تعالیٰ کے ادب کا ہمیشہ خیال رکھے ، اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے کمتر سمجھے ۔ اور مرید سے ہرگز یہ نہ کہے کہ اگر ذکر کے وقت شیطان تمہارے دل میں وسوسے ڈالے تو تم میرا نام لے لیا کرو ، شیطان بھاگ جائے گا ، ایسا کہنا دلیل ہے اس بات کی کہ وہ اپنے آپ کو اولیاء کاملین و عارفین میں شمار کرتا ہے اور ایسا گمان رکھنا غلط ہے ۔ اس لئے کہ جب خود اس کو شیطان گراتا اور پچھاڑتا رہتا ہے تو اس کا نام لینے سے کیوں بھاگے گا ۔

جبکہ امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ : ایک رات جنات نے پیارے پیغمبر ﷺ کو پریشان کرنا چاہا ، اور ایک شیطان نے اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لا کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو نقصان پہنچانا چاہا ، تو اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے ، اور پیارے پیغمبر ﷺ کو چند کلمات بتائے ۔ آپ ﷺ نے جب ان کلمات کو پڑھا تو آگ بجھ گئی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کو اولادِ آدم پر اس قدر تسلط دیا گیا ہے کہ وہ ملعون سردار انبیاء ﷺ سے بھی نہیں ڈرا اور آپ ﷺ کو بھی ایذا دینے کی ہمت کی۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

ایک رات پیارے پیغمبر ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا، اور میری نماز توڑنے کے لئے مجھ پر حملہ کیا، پھر حق تعالیٰ نے مجھے اُس پر قابو دے دیا۔الخ

تو جس لعین کو اتنی ہمت ہے وہ کسی شیخ کا نام لینے سے کیوں کر بھاگے گا؟۔

(25) اپنے شیخ اور قطب وغیرہ کا ادب ملحوظ رکھے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شیخ کا ادب ملحوظ رکھے، اور جہاں تک ممکن ہو اس کے ساتھ عقیدت رکھے کیونکہ اس سے انشاء اللہ اُس کو نفع حاصل ہوگا۔مگر اپنے شیخ کے متعلق یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ اس وقت کے تمام مشائخ سے زیادہ کامل ہے۔کیونکہ اس میں ایک تو قطب اور اصحاب نبوّت وغیرہ اولیاء کاملین کی بے ادبی کا اندیشہ ہے۔دوسرے اس اعتقاد میں بعض دفعہ کذب کا احتمال بھی پایا جاتا ہے کیونکہ یہ تو محض اس کا گمان ہی گمان ہے "وَالظَّنُّ اَکْذَبُ الْحَدِیْث"۔

پس ایک ولی کو دوسروں پر فضیلت دینا اسی شخص کا کام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور کشف یا صحیح الہام کے بتا دیا ہو، دوسروں کو یہ حق حاصل نہیں۔چنانچہ جب حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے پوچھا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ؟ تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ واللہ! ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ ان حضرات کا ذکر ہی کرسکیں پھر ایک دوسرے پر فضیلت دینا تو بڑی بات ہے اس کے ہم کہاں اہل ہیں۔

امام صاحب کے اس طرزِ عمل میں ہمارے لئے سبق ہے کہ کس طرح انہوں نے

اپنی تواضع اور عجز کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو بے تحقیق بات کرنے سے بچایا۔

اسی طرح درویش کامل کی ایک شان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ قطب وغیرہ کے ساتھ ادب کو لازم سمجھے۔اور محض دوسروں کی تقلید میں ان کے خلاف زبان سے کسی بے ادبی کی بات کو نہ نکالے۔

(26) نہ کسی سے سوال کرے اور نہ بلاوجہ کسی کا ہدیہ رد کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ نہ کسی سے سوال کرے، نہ کسی کا ہدیہ بلاوجہ رد کرے، اور نہ آئندہ کے لئے ذخیرہ جمع کرے۔

(27) دوسروں کے عیوب پر نظر نہ رکھے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کے عیوب سے اپنی نگاہ بند رکھے، کیونکہ دوسروں کے عیوب پر نظر کرنا اس کے اندر ایسے عیوب پیدا کر دے گا جو پہلے اس میں نہیں تھے۔

اور اگر کوئی شخص اس کے مقابلہ میں اپنی مشیخیت ظاہر کرے تو یہ اس کی شاگردی قبول کر لے، اور اگر وہ اس کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھائے کہ اس کو بوسہ دو تو یہ اس کے پیر چوم لے اور ہمیشہ دُم کا آخری بال بن کر رہے، کیونکہ مار سب سے پہلے سر پر پڑا کرتی ہے۔

(28) اپنی مشیخیت ختم ہونے لگے تو مکدّر نہ ہو

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ جب اس کی بستی میں کوئی دوسرا شیخ ظاہر ہو جائے اور اِس کی جماعت اُس کی طرف پلٹ جائے اور اِس کی بیعت کو توڑ دیں تو یہ اُس سے رنجیدہ نہ ہو، بلکہ خوش ہو کہ اُس نے اِس کا بوجھ ہلکا کر دیا اور یہ عبادت کے لئے فارغ ہو گیا۔اور اگر اس کو اس بات سے تکدر ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شخص ریاست اور شہرت

کا طالب ہے جو لوگوں کی نگاہ میں بڑا بننا چاہتا ہے۔

اور حب جاہ کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے اس کے ہم عصروں میں سے کسی کی تعریف کی جائے تو اس کو انقباض ہو، اور چہرہ پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوں، خصوصاً جب اس کے معتقدین کے سامنے کسی دوسرے کی تعریف کر کے اس کا درجہ بڑھایا جائے تو اس کو سخت ناگوار ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص پیری مریدی کو پیشہ بنائے گا وہ بے شمار امور مذمومہ میں مبتلا ہوگا، کیونکہ اس کا کھانا، پینا، اور پہننا سب اسی پیشہ سے ہوگا، اصحاب دولت اس پر احسان کریں گے، اور یہ ان کے سامنے ان کے آنے کے وقت عاجزی اور خشوع اور اپنا وقار ظاہر کرنا چاہے گا، اور اپنی مجلسوں اور محفلوں میں اغنیاء کی آمد و رفت کا خواہش مند ہوگا۔ اور ہمیشہ اس اندیشہ میں مبتلا رہے گا کہ یہ مالدار لوگ مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کے پاس نہ چلے جائیں۔

یہ خانقاہوں والے یوں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے فضل سے سر تا پاؤں نعمت میں غرق ہیں، ہمیں کچھ خبر نہیں کہ یہ نعمتیں کہاں سے آتی ہیں۔

اور یہ لوگ اس بات کو بھول گئے کہ ان نعمتوں کا سبب یہ ہے کہ معتقدین ان کو دیندار سمجھتے ہیں، اور ان کی خدمت محض ان کی دینداری اور ظاہری بزرگی کی وجہ سے کرتے ہیں، تو یہ لوگ دین کے ذریعہ سے دنیا کھاتے ہیں، اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں، بلکہ اس گمان میں ہیں کہ ہم دین فروشی سے محفوظ ہیں۔

یہ تو دینداروں کا حال ہے، اور جن کے پاس صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہو اور دین سے بالکل کورے ہوں، اور لوگ انہیں دین دار سمجھ کر ان کی خدمت کریں تو ایسی صورت میں ان کا کھانا، پینا، اور پہننا سب حرام ہوگا۔

(29) مریدوں کے مال پر نظر نہ ہو

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اپنے مریدوں کے دنیاوی سازو سامان سے اپنی نظر اور اپنا خیال اٹھالے، اور جہاں تک ممکن ہو اپنی حاجت کو مریدوں سے چھپائے، اوران پر ظاہر نہ ہونے دے۔ چنانچہ پیارے پیغمبر ﷺ بعض دفعہ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔ اور کسی پر اپنا حال ظاہر نہ فرماتے تھے، اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ کی بھوک اور پیاس کا احساس محض آپ ﷺ کے چہرہ کی زردی دیکھ کر ہوتا تھا۔

اسی طرح درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مال دار مریدوں کے سامنے اشارۃً وکنایۃً بھی اپنی حاجت کو ظاہر نہیں کرتا۔ جیسے ان کے سامنے، عمامہ، جوتا، رومال یا کسی اور چیز کا بھاؤ اور قیمت کا پوچھنا، جس سے اس کے معتقدین یہ سمجھیں کہ شاید ہمارے شیخ کو ان چیزوں کی ضرورت ہے تو وہ لامحالہ ان چیزوں کو خرید کر شیخ کی خدمت میں پیش کریں گے، تو یہ ایسا ہے جیسے گویا شیخ نے صراحتاً ان سے سوال کیا۔

بازاری کتے اور شکاری کتے کی حکایت

ایک دفعہ ایک بازاری کتے اور شکاری کتے میں مناظرہ ہوا۔ بازاری کتے نے شکاری کتے سے کہا کہ میں کوڑے پر پڑے ہوئے ٹکڑوں پر قناعت کرتا ہوں، اور امرا وسلاطین کی صحبت سے دور آزادی کی زندگی گزارتا ہوں، لیکن تو میری طرح کوڑے پر پڑے ہوئے ٹکڑوں پر قناعت نہیں کرتا، اور امراء وسلاطین کی صحبت سے الگ ہو کر راحت اور آزادی بھی اختیار نہیں کرتا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ پھر بھی تیری عزت وخاطر کرتے ہیں۔ اور مجھے دھتکارتے اور ذلیل کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

شکاری کتے نے کہا کہ میں اگر چہ امراء وسلاطین کے سرہوں، مگر میں دوسروں کے لئے شکار کرتا ہوں، اس لئے معزز ہوں۔ اور تو صرف اپنے لئے شکار کرتا ہے، اس لئے ذلیل وحقیر ہے، اور تجھے کوڑیوں پر دھکّے دئے جاتے ہیں۔

(30) غریبوں کے پاس اٹھا بیٹھا کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ غریبوں کے پاس اٹھا بیٹھا کرے، اور ان کے پاس بیٹھنے میں اپنی حقارت نہ سمجھے۔ کیونکہ ربّ العالمین نے پیارے پیغمبر ﷺ پر ایک نابینا صحابی سے ذراسی بے رخی کرنے پر عتاب فرمایا۔ اور سورت عبس نازل فرمائی:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى ۞ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۞ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۞ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۞ الخ (عبس)

آپ چیں بجبیں ہوئے، ترش رُو ہوئے، اور منہ پھیر لیا اس واسطے کہ آپ کے پاس ایک نابینا آ گیا تھا۔ اور آپ کو کیا خبر شاید وہ گنا ہوں سے پاک ہونے آیا ہو۔ یا وہ نصیحت قبول کرتا۔ اور نصیحت سے اس کو نفع ہوتا۔

(31) صرف اپنی شہرت کے طالب نہ بنو

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں میں تنہا اپنی شہرت کا طالب نہ ہو کہ اس میں بے شمار آفات ہیں۔ اور ادنیٰ آفت یہ ہے کہ اس کے ہم عصروں میں جو کوئی اس سے شہرت میں بڑھ جائے گا یہ اس سے کراہت کرے گا، اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور صاحب تقویٰ اور صاحب ورع ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے یہ یوں چاہے گا کہ اس کا نام اور شہرت مجھ سے بلند نہ ہو۔ مجھ سے ممتاز نہ ہو۔ اس طرح یہ اپنے اس عمل میں شیطان کا بھائی بن جائے گا، اس لئے کہ شیطان بھی آدمیوں کے لئے نقصانِ خیر کا طالب ہے اور یہ بھی۔

حالانکہ اگر یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں سچا ہوتا تو مشائخ اور اصحاب سلسلہ کی کثرت سے خوش ہوتا، کیونکہ یہ بات پیارے پیغمبر ﷺ کی خوشی کا باعث ہے کہ آپ ﷺ کی امت میں ہادی اور رہنماؤں کی کثرت ہو۔

(32) اپنی زبان کو اپنے معاصرین کے حق میں ہمیشہ سنبھالے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اپنی زبان کو اپنے معاصرین کے حق میں ہمیشہ سنبھالے، اور ان کی برائی نہ کرے، اس لئے کہ یہ ایسا عام مرض ہے کہ جس سے بجز معدودے چند درویشوں کے کوئی بچا ہوا نہیں ہے۔

اس لئے اس معاملہ میں بہت احتیاط برتنی چاہئے اور اپنے متعلقین کے سامنے خیر خواہی یا تنبیہ کا بہانہ بنا کر خوش طبعی کے طور پر بھی اپنے معاصرین کی مذمت کا دروازہ نہیں کھولنا چاہئے۔ اور یوں نہیں کہنا چاہئے کہ فلاں کو تجلیات اور مقامات حاصل نہیں ہوئے، اور پھر اس قسم کی باتیں کر کے اپنے بھائی کی غیبت میں مبالغہ کرتا چلا جائے۔

انہی وجوہات کی بنا پر درویشوں میں محبت بہت کم ہوتی ہے، اور اگر ایک درویش کو دعوت ولیمہ میں مدعو کیا جاتا ہے تو دوسرا شریک نہیں ہوتا۔

(33) تلقین ذکر کی اجازت ملنے کے بعد ہوشیار رہے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ جب اس کے شیخ کی طرف سے اُسے تلقین ذکر کی اجازت ملے تو ہوشیار رہے کہ کہیں اس کے پیر بھائی اور مریدین اس کو نصیحت کرنا نہ چھوڑ دیں۔ اس لئے کہ جب وہ انہیں یہ بتائے گا کہ اسے شیخ کی طرف سے تلقین کی اجازت مل گئی ہے، اور اب وہ سالکین کی تربیت کے قابل ہوگیا ہے، تو اس کے پیر بھائی، اور مریدین میں سے کوئی اسے نصیحت کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ خاص طور پر اس وقت

جبکہ اس کے سر جھکانے اور گریبان میں منہ ڈالنے کی وجہ سے معتقدین کے دلوں میں اس کی عظمت و ہیبت بھی قائم ہوگئی ہو۔

اس لئے درویشوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دوستوں اور مریدوں سے اصرار کے ساتھ یہ درخواست کرتے رہیں کہ اگر مجھ میں خلاف شریعت وطریقت کوئی بات دیکھوتو مجھے نصیحت کردیا کرو۔

چنانچہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے اپنے اصحاب سے بطور امتحان کے یہ پوچھا کہ اگر میں سیدھے راستے سے ہٹ جاؤں توتم کیا کرو گے؟ صحابہ کرام ؓ نے جواب دیا کہ ہم تلوار سے تمہیں سیدھا کریں گے۔اس جواب پر حضرت عمر ؓ کو خوشی ہوئی ، اورفرمایا کہ ہاں !تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب ؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کردے۔

اور بعض اوقات سیدنا حضرت عمر ؓ حضرت خذیفہ بن الیمان ؓ کے پاس تشریف لے جاتے ، اوراُن سے فرماتے کہ : اے خذیفہ!تم رسول اللہ ﷺ کے راز دار ہو، اور پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانہ ہی سے منافقین کے بارے میں جانتے ہو،تم دیکھو کہیں میرا نام ان منافقین میں شامل تونہیں ؟ اگر ہوتو مجھے بتلادو۔وہ جواب دیتے کہ اے امیر المؤمنین ! بخدا! میں آپ کے اندر نفاق نہیں پاتا۔اوراس پر دونوں حضرات دیر تک روتے رہتے۔

حضرت خذیفہ ؓ کوتو حضرت عمر ؓ کی اس بات پر رونا آتا ، اور حضرت عمر ؓ اس خوف سے روتے کہ شاید میرے اندر کچھ خفیف اور ہلکا سا نفاق ہو ، جو مجھے اور حضرت خذیفہ ؓ کو محسوس نہ ہوتا ہو۔

دیکھئے ! حضرت عمر ؓ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا قطعی ہے ، اور

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے جنتی ہونے کی شہادت بھی موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ .(الفتح)

بے شک اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہوگئے جب کہ وہ (خدیبیہ کے مقام پر) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کرتے تھے۔

اور اس بیعت رضوان میں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، پھر آپ عشرۂ مبشرہ میں بھی ہیں جن کو زبان رسالت سے دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ اس کے باوجود آپؓ کا یہ حال تھا، تو ہم جیسوں کا کیا حال ہونا چاہئے۔

اس لئے کسی شیخ ناقص کا اپنے مریدین سے یہ کہنا کہ جو شخص اپنے شیخ کے ایسے افعال جو بظاہر برے معلوم ہوتے ہیں اس میں تاویل کر کے شریعت کی موافقت پر محمول نہ کرے تو اسے کچھ نفع حاصل نہ ہوگا کسی طرح زیب نہیں دیتا، اس لئے کہ یہ تو الیاء کاملین کی شان ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث ہیں۔ جو شخص ان کے درجہ کو نہ پہنچا ہو اسے کب جائز ہے کہ ایسی باتیں کہہ کر اپنے اوپر دوستوں کی نصیحت کا دروازہ بند کرے۔

قطب ربّانی حضرت سید احمد رفاعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے خواطر و واردات کو ہمیشہ متہم نہ سمجھے، وہ مردان طریق (یعنی اولیاء اللہ) کے دفتر میں نہیں لکھا جاتا۔

(34) تعظیمی القاب کے بغیر نام لینے سے مکدّر نہ ہو

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس کو صرف اس کا نام لے کر پکارے، اور سیادت اور مشیخیّت کے مناسب کوئی تعظیم کا لفظ نہ بڑھائے تو اس سے مکدر نہ ہو، نہ اس پر غصہ ہو، اور نہ برا جانے اس لئے کہ صرف نام سے پکارنا ہی صحیح ہے جس میں کذب اور جھوٹ کا احتمال نہیں ہے، بخلاف پیر طریقت، رہبر شریعت، سید، شیخ جیسے القابات کے کہ

اس میں کذب کا احتمال ہے، ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ویسا نہ ہو۔تو اس صورت میں اس کو سید اور شیخ کہنے والا کذب میں مبتلا ہوگا۔

اس لئے جو شخص اس کے لئے تعظیم کے الفاظ استعمال نہ کرے تو اس کے اس عمل کو اسی پر محمول کرے کہ اس نے کذب سے بچنے کے لئے تعظیمی الفاظ استعمال نہیں کئے۔

برخلاف مرید اور شاگرد کے کہ اس کو تو اپنے شیخ کے ساتھ ادب اور تعظیم کا ہی حکم ہے، اس لئے وہ تعظیمی الفاظ ہی سے اسے پکارے۔

(35) اپنے نفس کی حمایت میں بات نہ کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس کے بارے میں ایسی حکایتیں اور باتیں بیان نہ کرے جن میں نفس کی حمایت ہو۔کیونکہ اوّل تو یہ ان حضرات کے مقام پر نہیں ہے جن کی حکایتیں بیان کر رہا ہے۔

اور دوسرے یہ ناقصین کی عادت ہے کہ وہ اپنے نفس کی حالت کو دیکھ کر اپنے مناسب اور اپنی حالت کے موافق حکایاتِ سلف سے استدلال کیا کرتے ہیں جو کبھی کسی بزرگ کو عمر بھر میں ایک دو دفعہ پیش آئی ہیں، کیونکہ اگر یہ ان کی غالب حالات کو بیان کریں تو ان سے خود ان ناقصین کے اوپر حجت قائم ہو جائے گی۔

(36) اپنے نیک اعمال پر کبھی بھروسہ نہ کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال پر کبھی بھروسہ نہ کرے، اور جن میں نفس کی آمیزش ہو اُن کا کیا کہنا؟ امام شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک یہودی کو سنا کہ وہ دوسرے کو کہہ رہا ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا گمان کبھی نہ کرنا، اور اس کو کسی حالت اور کیفیت سے مانوس نہ ہونے دینا۔کیونکہ

جس چیز میں نفس کی آمیزش ہو،اُس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا۔

جب یہودی بھی اس سے منع کرتے ہیں جن کے اعمال اور مجاہدات بوجہ کفر کے "هَبَآءً مَّنْثُوْرًا" ہیں،تو بتلائیے ہمارا کیا حال ہونا چاہئے ۔ "نَسْأَلُ اللهَ تَعَالیٰ الْعَافِيَةَ"

اور فرماتے ہیں کہ آج کل مشائخ میں ایک دوسرے کونصیحت کرنے کا طریقہ گویا نہیں رہا۔ کوئی کسی کو بھی نصیحت نہیں کرتا، باوجودیکہ اس کو دوسرے کے وسائس نفس پر اطلاع بھی ہے کہ اس میں تکبر، عجب، ریا اور حسد کا مادہ ہے۔ ناقصین کو تو اکثر یہ خوف مانع ہوتا ہے کہ اگر ہم نے دوسرے کو نصیحت کی تو وہ بھی نصیحت کا دروازہ کھولے گا، اور آئے دن ہمیں نصیحت کیا کرے گا، جس سے ہم دونوں کی بزرگی کرکری ہو جائے گی ۔ کیونکہ ہر ایک کے مرید یہ گمان کریں گے کہ اگر اس بزرگ میں نقص نہ ہوتا تو دوسرا ان کو نصیحت کیوں کرتا۔

جبکہ سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کیا کرتے تھے، اور خط و کتابت کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر اعتراض و گرفت کرتے تھے، اور اس برتاؤ سے ایک دوسرے کو خوشی حاصل ہوتی تھی، رنج و ملال پاس بھی نہیں آتا تھا۔

اس لئے ایک دوسرے کو نصیحت کرنا نہیں چھوڑنی چاہئے، چاہے اس سے تمہارے معتقدین کی نظروں میں تمہاری عزت پاش پاش کیوں نہ ہو جائے، اور تمام لوگ تمہیں ملامت ہی کیوں نہ کریں۔

مگر نصیحت کرنے سے قبل آداب نصیحت کا سیکھنا بھی ضروری ہے کہ امر بالمعروف کس طرح کرنا ہے، ورنہ نصیحت کرنے سے بجائے نفع پہنچنے کے دوسرے کو نقصان پہنچے گا، اور بجائے اصلاح کے فساد ہوگا۔ اورسب سے پہلی شرط نصیحت کے لئے خلوص ہے کہ دوسرے کو محض خیر خواہی، ہمدردی اور دل سوزی سے نیک راہ بتا دی جائے، اور اپنے آپ کو اس سے افضل اور دوسرے کو حقیر سمجھ کر کے نصیحت نہ کرے۔

درویش کو اپنی نسبت یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ میں تو صرف عوام کے نزدیک درویش ہوں، فقراء صادقین کے نزدیک میرا کچھ بھی درجہ نہیں ہے۔اس لئے کہ آدمیوں میں بہتر وہی ہے جو گمنام ہو اور اپنے نام کو اہل مشیخّیت کی فہرست سے مٹا چکا ہو، اس لئے کہ فقر اسی وقت تک نور ہے جب تک فقیر اس کو چھپاتا رہے، اور جس نے ظاہر کرنے کا قصد کیا اس کے پاس سوائے ظلمت کے کچھ نہیں رہتا۔ہاں اگر باوجود چھپانے کے کسی کو اللہ تعالیٰ چمکا دیں تو یہ نعمت موہوبہ ہے۔جس سے نور میں کمی نہیں آتی بلکہ ترقی ہوتی ہے۔

اور اگر تمہیں کوئی نصیحت کرے تو اس کے خلاف باتیں نہ بنانا، اور یوں نہ کہنا کہ درویش اس کی نصیحت کے محتاج نہیں ہیں، کیونکہ درویشوں کو تو حق تعالیٰ نے نفسانی کدورتوں سے پاک وصاف کر دیا ہے، نصیحت کے محتاج تو علماء ظاہر اور عوام ہیں۔

اس میں اپنے نفس کی نصرت وحمایت بھی ہے، اور لوگوں کو یہ بتلانا ہے کہ جس عیب کی وجہ سے تمہیں نصیحت کی گئی تھی، اور جو بات تمہاری طرف منسوب کی گئی تھی، گویا تم اس عیب سے خالی اور پاک وصاف ہو۔اور اگر واقعی حقیقت میں بھی تم اس عیب سے پاک و صاف ہو تب بھی خاموش ہو کر سب کی نصیحت سن لیا کرو۔

اسی طرح کسی کی نصیحت کے جواب میں اپنے نفس کی حمایت میں کوئی رسالہ نہ لکھ ڈالو کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ فلاں درویش نے بھی کہی ہے، اور ان سے بھی وہ افعال سرزد ہوئے ہیں جو مجھ سے ہوئے ہیں۔کہ اس میں اپنے نفس کے ساتھ خیانت ہے کہ باوجود صدہا عیوب کہ تم اس کو پاک وصاف ظاہر کرنا چاہ رہے ہو۔

اسی طرح شیخ کو اپنی نسبت یہ بات کبھی نہیں کہنی چاہئے کہ میرے ہاتھ پر اتنے لوگوں کو نفع پہنچا ہے، بلکہ یوں سمجھو کہ جو کچھ بھی ہوا ہے بلا واسطہ محض حق تعالیٰ شانہ کے فضل سے ہوا ہے، یا اُن مریدوں کے حسن ظن کی برکت کی وجہ سے ہوا ہے۔اپنے کو واسطہ یا آلہ

سمجھنا یہ ایسی بات ہے کہ جس کے ساتھ انسان کی عقل وفہم غائب ہو جاتی ہے کہ بعض دفعہ آلہ اور واسطہ ہونے کی حیثیت محض برائے نام لفظ ہی کے درجے میں ہوتی ہے، اور دل میں یہ مضمون ہوتا ہے کہ مجھ سے یہ نفع ہوا، اور مجھ سے اتنا فیض ہوا، اور میں نے اتنے آدمیوں کو کامل بنا دیا وغیرہ وغیرہ۔

(37) صرف درویشوں کی صورت بنانے پر اکتفا نہ کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ درویشوں کی صورت بنانے اور ان جیسا لباس پہننے، اور عمامہ کا شملہ چھوڑنے، اور دعوتیں کھانے پر اکتفا نہ کرے، اور محض ان باتوں سے اپنے آپ کو درویش نہ سمجھنے لگے، اور دل میں یوں نہ کہے کہ جب سے لوگ میرے معتقد ہوئے ہیں، اور مرید بڑھ گئے ہیں تو اس وقت سے بڑی خیر و برکت ہے۔

اس طرح مریدین کے بڑھنے سے شکر کے ساتھ ساتھ وہ دھوکہ میں بھی بڑھتا چلا جائے گا، اور جب معتقد کم ہو جائیں گے تو اس کے دل میں گھٹن اور انقباض کی کیفیت پیدا ہوگی، تو ان باتوں میں سے کسی پر بھی اسے ذرہ برابر توجہ نہیں کرنی چاہئے۔

درویش کامل کی شان یہ ہے کہ وہ ظاہراً و باطناً ربّ العالمین کی طرف متوجہ ہو، اور مختلف عبادات و طاعات کے ذریعہ سے اس کا قرب حاصل کرتا رہے، اور اپنی ان ظاہری حالتوں سے بالکل غافل ہو کہ کون میرا معتقد ہے اور کون نہیں، اور میرا لباس، اور عمامہ کیسا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

دیکھئے! یہ دنیاوی بادشاہوں کے درباری جس وقت شاہی دربار میں حاضر ہوتے ہیں، تو اس وقت ان کو اپنی ظاہری حالت کی بالکل خبر نہیں ہوتی، وہ دربار شاہی میں جا کر اپنے لباس پر نظر نہیں رکھتے، اپنے ملازمین کی کثرت پر نہیں اتراتے، اس لئے کہ وہ دربار شاہی کی جلالت سے واقف ہوتے ہیں۔ تو وہ درویش جو احکم الحاکمین کا درباری ہے اس کی حالت

کیوں اس سے مختلف ہو۔

(38) اپنے متعلقین کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اُسے ان لوگوں کے ساتھ شفقت ہو جو اُن کے پاس رہتے ہیں، اور ان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو چیز ان کے دلوں کی حالت بدلنے والی ہے اس کا سبب نہ بنیں، جیسے ایسی دعوتوں میں ان کو ساتھ لے کر جانا جو محض ایصال ثواب کے لئے ان کو کھلائی جائیں کہ اس سے مریدوں پر برا اثر پڑتا ہے، اور ان کے لئے نقصان دہ ہے کہ ان کے دلوں میں ذرا سی ظلمت سے کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔

چنانچہ شیخ ابراہیم تنبولیؒ اپنے مریدوں کو دعوت میں ساتھ جانے سے یہ کہہ کر روک دیتے تھے کہ میں تو زہر کھانے کے ارادے سے جا رہا ہوں کیا تم بھی زہر کھاؤ گے؟ اور کبھی فرماتے کہ میرے بچو! میں تو سمندر ہوں میرے اندر زہر اثر نہیں کرتا۔

خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ وہ مخلوق کے مشتبہ مال کو بڑی خوشی سے کھاتے ہوں، اور آپس میں یہ کہتے ہوں عمر کے یہ دن حضرت شیخ کے ساتھ بڑے مزے سے گزر رہے ہیں، اور اس دعوت میں حاضر نہ ہونے والوں سے یہ کہیں کہ واہ میاں آج تم کہاں رہ گئے تھے، کیا دعوت تھی؟ تم بڑی دولت سے محروم رہے۔ تو ایسے پیٹ کے گدھوں کو جو پیٹ بھرنے ہی کو بڑی دولت سمجھیں دعوتوں میں ہرگز ساتھ نہیں لے جانا چاہیئے۔

(39) اپنے ہم عصروں کے عیوب کو چھپانا

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں کے عیوب کو چھپائے، اور ان کی خوبیاں ظاہر کرے، اور ان کی تعریف وتوصیف کرے۔ مگر اس کے اندر بھی اس بات کا خیال رکھے کہ اس میں اس کی نفسانی غرض شامل نہ ہو، مثلاً اس لئے کسی کی

تعریف کرنا کہ جواب میں وہ بھی میری تعریف کرے گا، یا یہ کہ لوگ مجھے حسد سے پاک سمجھیں گے، اور میرے معتقد ہو جائیں گے کہ فلاں تو بڑی کامل ہستی ہیں جو اپنے دشمنوں سے بھی ملال نہیں رکھتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(40) کبھی دعویٰ نہ کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ کبھی دعویٰ کی بات نہ کرے، اور اگر اس کی زبان سے کوئی دعویٰ کی بات صادر ہو جائے تو اس کے بعد اس کے تدارک کے لئے ایسی باتیں نہ کرے جن سے سامعین یہ سمجھیں کہ وہ اپنے دعویٰ سے برأت ظاہر کر رہا ہے جبکہ اس کا دل اپنے مریدوں کو اپنے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے اور زیادہ معتقد بنتے ہوئے دیکھ کر اندر سے خوشی سے بھر گیا ہو۔ پھر ایسی باتیں کرنے سے کیا فائدہ کہ ہم تو دعویٰ سے بری ہیں۔ لوگوں کو اس طرح نصیحت کرنا جس میں دعویٰ اور قصد کو دخل نہ ہو بہتر ہے کہ اس میں آفتیں کم ہیں، اور دعویٰ میں بہت آفتیں ہیں۔

اور کچھ بھی نہ ہو تو یہ آفت تو ضرور ہے کہ اس کا انجام دین فروشی ہے کہ تم اس دعویٰ کے بعد بزرگ مشہور ہو کر دعوتوں میں بلائے جاؤ گے، اور لوگ تمہارے پاس اپنا میل وکچیل زکوٰۃ وغیرہ کا روپیہ ہدیہ کے طور پر لایا کریں گے محض اس وجہ سے کہ وہ تم کو ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں، تمہیں کسی چیز میں محتاج دیکھیں گے تو اس کو پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ تو اس طرح تم اپنے دعویٰ ولایت سے لوگوں کو تکلیف اور مشقت میں مبتلا کرو گے۔ اور ان کا یہ دینا رضائے خداوندی کے لئے نہیں ہوگا، بلکہ تمہاری خوشی اور دعاؤں کے نتیجے میں اپنے دنیاوی کاموں کے نکالنے کے لئے ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ اولیاء کاملین کو ان احوال میں سے کسی کا بھی احساس نہیں ہوتا، اور نہ کبھی وہ اپنی طرف ان احوال کی نسبت کرتے ہیں، کیونکہ وہ تو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف

خالص عبدیت کے لئے بلاتے ہیں ، انہیں اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کس نے ہماری دعوت قبول کی ، اور کس نے نہیں ،کون ہمارا مرید ہے اور کون نہیں ، کیونکہ ان کی دعوت اور تلقین کا مقصد اپنی معتقدین کی جماعت کو بڑھانا نہیں ہوتا ، بلکہ محض عبدیت اور امتثال امر مطلوب ہوتا ہے ۔ وہ ہر طالب کو فیض پہنچانے کے لئے تیار ہوتے ہیں خواہ مرید ہو یا نہیں ۔

ارشاد باری ہے ۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ، فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ، قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ط

(المائدة:١٠٩)

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرما کر ان سے پوچھیں گے کہ تم کو (مخلوق کی طرف سے) کیا جواب ملا؟ (کس نے تمہاری اطاعت کی اور کس نے نہیں) تو وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں ۔

اور وہ اپنے اس جواب میں سچے ہوں گے کیونکہ ان کا مقصد دعوت الی اللہ تھا نہ کہ اپنی جماعت پیدا کرنا۔طریق باطن بہت خطرناک ہے ،اس میں ہلاکت کا اندیشہ زیادہ ہے ، اس کی پوشیدہ آفتیں بے شمار ہیں ،جن سے بہت کم لوگ بچتے ہیں ۔ بالخصوص جو لوگ بزرگی میں مشہور ہو جائیں ، اور لوگ ان کی طرف اعتقاد اور مدح وثنا کے ساتھ جھک پڑیں تو ان میں سلامت رہنے والے بہت ہی کم ہیں ۔

اسی لئے شیخ سید احمد ابن الرفاعیؒ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ تابع ہو کر رہو ، سردار بن کر نہ رہو ، کیونکہ مار سب سے پہلے سر پر پڑتی ہے ۔

اور فرماتے تھے کہ مردوں کے گرد جوتوں کی کھٹ پٹ نے بہت سے سرتن سے جدا کر دیئے ، اور بہت سوں کا دین برباد کر دیا ۔ (یعنی مریدوں اور معتقدین کے آگے پیچھے چلنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا دماغ بگڑ گیا ، اور دین تباہ ہو گیا ۔ کیونکہ وہ اپنے معتقدین کا

مجمع دیکھ کر اپنے کو بزرگ کامل سمجھنے لگے، اور یہی بربادی کی صورت ہے)۔

(41) اپنے ہم عصروں سے اپنے آپ کو افضل نہ سمجھے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں سے اپنے آپ کو افضل اور ممتاز نہ سمجھے، خاص کر اس وقت جب پیارے پیغمبر ﷺ کی طرف سے خواب میں مخلوق کی ہدایت وارشاد کے لئے اجازت دی گئی ہو۔ کیونکہ جن کو اِذن اور اجازت حاصل نہیں وہ بھی اس کے برابر ہی ہیں، اِذن سے کچھ اس کی فضیلت نہیں بڑھ جاتی۔

اس لئے کہ قرآن وحدیث میں حالت بیداری میں تمام مخلوق کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی خیرخواہی کریں، اور لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں، اچھے کاموں کا حکم دیں، اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور جو حکم بیداری میں دیا گیا ہے وہ اس حکم سے افضل ہے جو خواب میں دیا جائے، کیونکہ سونے والا خواب کو اچھی طرح یاد نہیں رکھ سکتا۔

دوسرے عارفین محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کی طرف سے خاص اذن صرف اس قطب کو ہوتا ہے جو وراثت محمدیہ پر حاوی ہو، (یعنی آپ ﷺ کا سچا جانشین اور کامل نائب ہو)۔ اس کے سوا دوسروں کو جو اذن ہوتا ہے وہ اصحاب خدمت کی طرف سے ہوتا ہے جو عالم میں تصرف کرنے والے ہیں۔

تو جو شخص پیارے پیغمبر ﷺ کی طرف سے اذن خاص کا دعویدار ہے وہ گویا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے میں قطب غوث ہوں جو کہ اپنے درجہ میں فرد واحد اور وراثت محمدیہ کا جامع ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے دعویٰ سے بچو کہ اس کا انجام ہلاکت ہے۔

اور اگر تم کو یہ اِذن واجازت سوتے ہوئے ایسے سچے خواب کے ذریعہ ہوا ہو جس میں صدق وصحت کی تمام شرائط موجود ہوں، تب بھی تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرو، کیونکہ یہ

کمزوری، کم حوصلگی اور بے احتیاطی کی بات ہے۔

(42) اپنے حالات وواقعات بیان کرنے میں احتیاط برتے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے حالات وواقعات کے بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لے، اگر چہ ان کا بیان کرنا ہی خود نقص کی دلیل ہے، جب کہ کوئی دینی مصلحت بھی اس پر مرتب نہ ہو۔ جیسے یہ کہنا کہ میں تو صرف خاطر حق کی وجہ سے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو بطور الہام کے اس کا حکم ہوا ہے) مخلوق کی ارشاد وتلقین کے لئے بیٹھا ہوں۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ آج کل کسی کو بلا واسطہ حکم دیں۔

اس لئے کہ عارفین محققین کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ خواطر حق میں امر ونہی نہیں ہوا کرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اوامر ونواہی کو پیارے پیغمبر ﷺ کی زبان پر ختم کر چکے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربّانی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ. (المائدة)

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا

اور اس کے علاوہ بہت سی نصوص ہیں مثلاً پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ: میں نے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جو اللہ تعالیٰ سے تم کو قریب کرتی ہو، مگر اس کا حکم کر چکا ہوں۔ (الحدیث)

پس شریعت مکمل اور واضح ہو چکی ہے، اب خاطر (اور وارد) کا نازل کرنے والا فرشتہ کوئی حکم الٰہی کسی پر ہرگز نازل نہیں کرسکتا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ یہاں پر آداب بندگی کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اس مقام میں قادیانی فرقہ کو بھی غور کرنا چاہئے، جو مرزا قادیانی علیہ ما علیہ

کے لئے نبوّت غیر تشریعیہ ثابت کرنے کے لئے بعض صوفیہ کی عبارات سے استدلال کیا کرتے ہیں۔تو علامہ شعرانیؒ نے اس مقام پر صوفیہ کا اجماع اس بات پر نقل کیا ہے کہ ملک (فرشتہ) خاطر اب کسی پر امر و نہی نازل نہیں کرسکتا، اور نہ اب بلا واسطہ حق تعالیٰ کسی کو امر و نہی کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔

اور مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ اپنے الہامات میں امر و نہی کا مدعی ہے۔پس یقیناً اس کے الہامات خواطر حق نہ تھے، بلکہ شیطانی خواطر تھے، جن کو اس نے خاطر حق سمجھ لیا۔

(شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ آداب بندگی: ص 283)

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بلاواسطہ فرشتہ کے حکم دیا ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ دعویٰ پہلے دعویٰ سے بھی زیادہ سنگین ہے۔کیونکہ اس صورت میں تم اس بات کے مدعی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اُس طرح کلام کیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں۔

اور اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کسی سے بطور الہام کے کلام بھی فرمائیں تو صرف علوم و اخبار کا القاء فرمائیں گے، احکام اور شریعت کا القاء کبھی نہ ہوگا، اور نہ کسی کو کچھ حکم دیں گے۔پس ثابت ہوگیا کہ اوامر و نواہی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔اب جو شخص سیدنا محمد الرسول اللہ ﷺ کے بعد اس کا مدعی ہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے امر و نہی فرمایا ہے، وہ ایک نئی شریعت کی وحی کا مدّعی ہے، خواہ وہ شریعت محمدیہ کے موافق ہو یا مخالف۔موافقت کی صورت میں بھی وہ نئی شریعت کی وحی کا مدّعی ہے، کیونکہ اب شریعت کے موافق بھی کسی کو بطور الہام کے حق تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی نہیں ہوسکتا۔

معلوم ہوا کہ امر و نہی سب شریعت کے اندر ہے، شریعت سے باہر کسی کو امر و نہی

نہیں ہوسکتا ، کیونکہ اب تمام مخلوق پیارے پیغمبر ﷺ کے تابع ہے ،اور انہیں بدون پیارے پیغمبر ﷺ کے کچھ بھی نہیں مل سکتا۔

جوشخص نظر بصیرت سے غور کرے گا وہ اپنے آپ کو بے شمار مخلوقات کا غلام پائے گا۔بجز کامل اولیاء کے جوحضرات انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث ہیں ،ان کے سوا سب کی خواہشات مختلف ہیں ۔کسی کو شملہ لمبا کرنے کی خواہش ہے، اور کسی کو ترک شملہ کی، کسی کو سفید عمدہ جبّہ پہننے کی خواہش ہےتو کسی کو میلے کچیلے جبہ کی، کسی کو حلقۂ ذکر میں نمایاں مقام پر بیٹھنے کی خواہش ہے،اور دوسری جگہ بیٹھنا اس پر گراں ہے ،تو کسی کی خواہش اس کے خلاف ہے ، کسی کی خواہش گوشہ نشینی کی ہےتو کسی کی اس کے برعکس ،تا کہ کوئی اُسے بزرگ اور مشیخیت کا طالب نہ سمجھے۔

کسی کی خواہش ہے کہ وہ خانقاہ میں مخصوص اوقات ہی کے اندر جائے اور ہر وقت خانقاہ میں نہ رہے تا کہ لوگوں سے زیادہ میل جول کی وجہ سے ان کے دلوں میں اس کی عزت وعظمت کم نہ ہو،تو کسی کی خواہش ہے کہ خانقاہ میں ہر وقت حلقۂ ذکر جمائے رکھے، لوگ اس کے اردگرد جمع رہیں ،اوراس کو بت بنا کراس کے ہاتھ پاؤں چومتے رہیں ۔

کسی کی خواہش ہے کہ اس کے اردگرد مریدوں اور مجاوروں کا مجمع ہمیشہ گردن جھکائے خدمت کے لئے تیار رہے ،اور جب وہ سوار ہوکر چلے تو خدام اس کے آگے پیچھے ہوں کہ انہیں کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں اس کی عزت ہوگی ،لوگ اس کو پیر اور شیخ سمجھیں گے اور اس کے پاس ہدایا اور صدقہ وخیرات بھیجتے رہیں گے،بخلاف اس شخص کے جس کے پاس مجاور نہ ہوں کہ عام لوگوں کی نظر میں وہ شیخ نہیں سمجھا جاتا۔

کسی کی خواہش بہترین کھانوں کے ساتھ لنگر جاری کرنے کی ہے ،تو کسی کی خواہش احتیاط ،زہد وتقویٰ کی ، اور ظاہر ہے کہ احتیاط وتقویٰ کے ساتھ لنگر جاری نہیں ہوسکتا ،اس لئے

کہ درویشوں کے پاس زمین داری یا تجارت کی آمدنی تو ہوتی نہیں سوائے ہدایا اور نذرانوں کی آمدنی کے، اور جو نذرانوں اور ہدایا کے قبول کرنے میں بغیر احتیاط کے وسعت سے کام لے گا لنگر وہی جاری کر سکتا ہے۔ کسی کی خواہش ہے کہ ظالموں اور حکومتی ملازموں کے ہدایا واپس کر دے، تو کسی کی خواہش ہے کہ ان کو بھی جمع کر لے۔

تو معلوم ہوا کہ جس طرح برے کاموں کے کرنے میں نفسانی خواہش کا عمل و دخل ہوتا ہے، اسی طرح کبھی برے کاموں کے چھوڑنے میں بھی خواہش نفس کا دخل ہوتا ہے، اس لئے نفس بد نامی اور برائی سے دور بھاگتا ہے تو جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ میرے ہم عصروں میں سے فلاں شخص، فلاں سبب سے بدنام ہو گیا ہے تو اس کام سے خود پرہیز کرے گا، کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میں بھی بدنام و حقیر ہو جاؤں گا۔ اس صورت میں اس کا برے کام سے بچنا محض نفسانی خواہش کی وجہ سے ہے، خوف خدا کی وجہ سے نہیں۔

خدا کے لئے کام کرنے والا وہ ہے جس کو مخلوق کے مدح و ذم کی پرواہ نہ ہو، نہ کوئی کام مخلوق کی مدح کے لئے کرے، اور نہ مخلوق کی مذمت کے خوف سے چھوڑے، بلکہ اس کے ہر عمل اور ہر کام کا کرنا یا چھوڑنا رضائے حق عزوجل تعالیٰ و خوف الٰہی کی وجہ سے ہو۔

چنانچہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے مرشد برحق شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں جب اپنا حال لکھا تو اس میں ایک جملہ یہ تھا کہ بندہ کو مدح و ذم برابر ہے۔ تو حضرت شیخ نے اس پر بے حد مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ یہ بہت بڑا مقام ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

کہنے کو تو یہ دو جملے ہیں مدح و ذم برابر ہے، مگر بخدا اس کی تحصیل میں بہت عمریں ختم ہو گئیں، اور بجز معدودے چند کے بہت کم لوگ کامیاب ہوئے۔ "جَعَلَنَا اللهُ تَعَالٰی مِنَ الْفَآئِزِيْنَ"

(43) خلافت ملنے کے بعد مطمئن نہ ہو جائے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کو اپنے شیخ، یا کسی اور کی طرف سے ارشاد وتلقین کی اجازت ہو جائے تو اس سے مطمئن اور بے فکر نہ ہو جائے، کیونکہ اجازت کے بعد بھی شب وروز وہ اپنی حالت کو کبھی ترقی اور کبھی تنزل میں دیکھے گا، پس تنزل کے وقت تو یہ کسی شیخ کا محتاج ہے جو اس کی تکمیل کرے، اور ترقی کے وقت اذن جدید کا محتاج ہے، کیونکہ پہلی اجازت تو تنزل کی وجہ سے کالعدم ہو چکی۔

پھر یہ اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی ضمانت نہیں ہوا کرتی کہ اس پر کبھی قہر نہ ہوگا، یا یہ حالت سلب نہیں ہوگی۔ اور فرض کرو کہ اگر اجازت اس بات کی ضمانت بھی ہو تب بھی بے فکری جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہو سکتی، اور یہ اجازت اپنی ضمانت کے پورا کرنے پر قادر نہیں۔ اور جس نے ارشاد باری تعالیٰ:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ ط (الرحمٰن: ۲۹)

وہ ہر روز کسی شان میں ہے۔ (اور)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتَابِ ★ (الرعد: ۳۹)

اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے، منسوخ کر دیتا ہے، اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے اور تمام کتابوں کی جو اصل ہے، وہ اُسی کے پاس ہے۔

کے معنیٰ سمجھ لئے وہ اس بات کی حقیقت کو بھی سمجھ لے گا۔

خلاصہ یہ کہ انسان کو ایک حال پر قرار نہیں رہتا جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

(44) اپنے اقوال وافعال واحوال میں بیداری سے کام لے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ جو اقوال و احوال اس سے صادر ہوتے ہیں ان میں تیقّظ اور بیداری سے کام لیتا ہو، پس اپنے پاس بیٹھنے والوں کے سامنے وہی بات اور وہی حال ظاہر کرتا ہو جس کو ان کی استعداد قبول کرتی ہو۔

(45) آیات متشابہ، معانی صفات، حروف مقطعات میں غور وحوض نہ کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ وہ آیات متشابہہ اور معانی صفات واسماء الٰہیہ اور معانی حروف مقطعات وغیرہ میں غور وحوض نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کو جہنم میں منہ کے بل زبانی باتوں کے سوا کوئی چیز نہیں گراتی، (یعنی زیادہ تر دخول جہنم کا سبب یہی ہے)۔ پھر جو لوگ ان باتوں مشغول ہوتے ہیں زیادہ تر محض تقلید سے مشغول ہوتے ہیں خود ان کو اسرار سے بھی ذرا ذوق نہیں ہوتا۔ اس لئے غیر عارفین کا ایسی باتوں میں غور وحوض کرنا ان کے دین وعقائد کے لئے مضر ہے، اس لئے اس میں مشغول ہونا عارف کامل کے سوا کسی کو لائق نہیں۔

(46) اپنی تعریف کی طرف توجہ نہ کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ لوگ جب اس کے بارے میں یہ کہیں کہ فلاں شخص بڑا بزرگ اور شیخ ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کرے، اور نہ اِس سے خوش ہو کہ لوگ اُس کو مشائخ زمانہ میں شمار کرتے ہیں، بلکہ دل سے یوں سمجھے کہ مجھے تو طریق ولایت کی ھوا بھی نہیں لگی۔ اور فرض کرو کہ آج تم لوگوں کی نگاہوں میں شیخ اور بزرگ ہو، مگر یاد رکھو کہ ابھی خطرہ میں ہو۔ اور حقیقی طور پر بزرگ کا لفظ صرف اسی شخص پر صادق آسکتا ہے جو پل صراط اور میزان عمل سے پار ہو جائے۔ اور اعمالنامے اٹھائے جانے کے وقت اس کو غضب

الٰہی سے نجات اور امن کا پروانہ مل جائے ۔اس سے پہلے کی حالت کا کچھ اعتبار نہیں ہے ۔
انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کا معصوم ہونے کے باوجود خائف ولرزاں رہنا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ کہ انسان کو اپنے اعمال پر مغرور نہیں ہونا چاہئے ، بلکہ ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے ۔کیونکہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں ہے ۔اس لئے انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اعمال حسنہ اور مقامات حمیدہ عطا فرمائیں ،ان کو نعمت الٰہیہ سمجھ کر اس پر شکر بھی ادا کرتا رہے ، اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی رہے ،مگر اس کے ساتھ عظمت وجلالت حق کا تصور کر کے بے فکر و مطمئن بھی نہ ہو۔اسی امید وبیم کا نام ایمان ہے ۔

(47) اپنے نفس کو ہمیشہ برائی کے ساتھ متّہم سمجھے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو ہمیشہ برائی کے ساتھ متّہم سمجھے ، اور اس کی کسی بات اور کسی حالت کو اچھا نہ سمجھے ، بلکہ ان میں سے کسی پر نظر و توجہ بھی نہ کرے ، اور جتنی برائیاں لوگ اس کی طرف منسوب کریں ،مثلاً یہ کہ یہ ریاء کار ہے ، بڑائی اور مشیخت کا طالب ہے وغیرہ وغیرہ تو ان سب برائیوں کے ساتھ پہلے لحہ ہی میں اپنے نفس کو متہم سمجھے۔اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس اور اپنے افعال کے ساتھ حسن ظن رکھے گا وہ کسی کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔
کیونکہ وہ یہ سمجھے گا کہ جتنی باتیں میرے متعلق کہی گئی ہیں اور جن عیوب کی وجہ سے مجھے نصیحت کی گئی ہے میں اس سے مبرّا ہوں ۔ مجھے نصیحت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میرے دوسرے ہم عصروں کو اس کی ضرورت ہے ، کیونکہ وہ دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو اس نگاہ سے دیکھتا جس سے دوسروں کو دیکھتا ہے تو سب سے پہلے اپنے آپ ہی کو نصیحت کے قابل سمجھتا ، فوراً توبہ کرتا ، اور اپنی غلطی سے رجوع کرتا۔
اس لئے اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ اپنے اعمال و احوال کو عطائے الٰہی سمجھتے

ہوئے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے، اور یوں سوچے کہ میں تو ہر برائی کا سرچشمہ ہوں مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے کہ ایسے نالائق وبد کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں۔

(48) نصیحت کی ہر بات کو اپنے نفس پر منطبق کرے

اور درویش کامل کی ایک شان یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی نصیحت کی بات دوسروں کے متعلق بھی سنے تو اس کو اپنے نفس پر منطبق کرے، اور اُس سے نفع حاصل کرے، اور یوں سمجھے کہ دوسروں کو واسطہ بنا کر مجھے نصیحت کی جا رہی ہے۔ اور جب یہ خود دوسروں کو نصیحت کرے تو فرض وتقدیر کے طور پر نصیحت کرے کہ اگر بالفرض تمہارے اندر یہ عیب و کمزوری ہو تو اس کو ترک کردو اور اس کی اصلاح کرو۔ یہ نہ سمجھے کہ مخاطب میں یقیناً یہ عیب اس وقت موجود ہے، کیونکہ ہر ساعت اور ہر گھڑی میں محو و اثبات ہوتا رہتا ہے، تو ممکن ہے کہ مخاطب میں جو عیب پہلے موجود تھا اب باقی نہ رہا ہو۔

اسی طرح ناصح پر یہ لازم ہے کہ دوسرے کو نصیحت کرتے وقت اس بات کو دل سے سمجھتا رہے کہ جس حالت اور جس عمل میں مخاطب اس وقت مبتلا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا۔ اس کی پیشانی اس کے قبضہ میں ہے، کوئی شئے بھی متحرک ہو یا ساکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے باہر نہیں ہے۔ اور جو انسان کو اختیار دیا گیا ہے، اور وہ یقیناً اپنے اختیار سے کام کرتا ہے، مگر وہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے باہر نہیں ہے۔ اس لئے مخاطب کے فعل کو تو برا سمجھے مگر اس کی ذات کو حقیر وذلیل نہ سمجھے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرے، اور منہیات کا ارتکاب کرے، اس کو اُن منہیات سے یہ سمجھتے ہوئے روکو کہ اس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اور تم اور وہ، دونوں کے دونوں ربُّ العالمین کے قہر کے ماتحت ہو، کیونکہ تم دونوں تقدیر کے تختۂ مشق ہو، اور جس عملِ قبیح کو تم دوسرے کے اندر دیکھ رہے ہو، ممکن ہے کہ وہ کسی

وقت تمہاری طرف منتقل ہو جائے ۔ یہ سمجھتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے تو اپنے آپ کو اپنے مخاطب سے افضل نہیں سمجھو گے ۔

اسی طرح ناصح کو چاہیئے کہ دوسروں کو نصیحت کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ شاید ان کی حالت تم سے اچھی ہو، اور ممکن ہے کہ اس گناہ کا ارتکاب اس کے لئے درجات عالیہ میں ترقی کا سبب بن گیا ہو۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے، اور اسے کسی قسم کا دعویٰ نہیں، کیوں کہ عاصی کو اپنی معصیت پر کچھ بھی دعویٰ نہیں ہوتا ۔

بخلاف اطاعت کرنے والے کے کہ اس کو اپنی اطاعت پر دعویٰ ہوسکتا ہے، اور یہ امر بھی ذوق ہی سے معلوم ہوسکتا ہے ۔

اور جاننا چاہیئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے بندوں کی زبانوں پر حق اور صدق ہی کو جاری فرماتے ہیں ۔تو جو لوگ اہل حق ہیں وہ تو نصیحت کو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ لے لیتے ہیں جو نورٌ علیٰ نور ہے ۔ اور جو اہل نفس ہیں وہ اس نصیحت کو دوسرے کے نفس سے لیتے ہیں جس میں تاریکی ہی تاریکی ہے ۔(یعنی جس وقت ایک شخص دوسرے کو نصیحت کرتا ہے تو اہل حق تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے منہ سے نکل رہی ہے، وہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں ۔ اور اہل نفس اس نصیحت کو ناصح کے نفس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس لئے ان کو نفع نہیں ہوتا، بلکہ وہ ناصح کی مخالفت کرتے ہیں اور اس سے جھگڑنے لگتے ہیں) ۔

اور ہر برتن میں جو چیز ہوتی ہے وہی اس سے ٹپکتی ہے، اہل حق سے حق کا ظہور ہوتا ہے، اور اہل نفس سے نفس کا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ * وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا

وَهُمْ كَافِرُوْنَ ٭ (التوبۃ:124،125)

جو لوگ مؤمن ہیں ان کو تو آیات قرآن سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے، اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں روگ (کھوٹ) ہے ان کی پلیدی وگندگی پہلے سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے، اور وہ کفر کی ہی حالت میں مرجاتے ہیں۔

اور یہ فرق کیوں ہوا؟ حالانکہ آیات قرآن سب کے سامنے یکساں ہی تھیں، صرف اس وجہ سے کہ مؤمنین کے دل میں حق تھا، انہوں نے قرآن کو نظرِ حق سے دیکھا، اور کفار کے دل میں کھوٹ تھا، انہوں نے قرآن کو رسول کا بنایا ہوا سمجھ کر دیکھا۔

اسی طرح ناصح کو چاہئے کہ کسی شخص کو ناقص حالت میں دیکھ کر یہ نہ سمجھتا رہے کہ اب تک وہ اسی حالت میں ہے۔ اس لئے کہ ہر لمحہ میں محو و اثبات ہوتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ایک چیز کو مٹا دیتے ہیں، اور دوسری نئی چیز پیدا فرما دیتے ہیں۔ تو اس کو خاص طور سے نصیحت کا مخاطب نہ بنائے کیونکہ ممکن ہے کہ تمہارے مشاہدہ کے فوراً بعد ہی اس کا دل اُس کام سے ہٹ گیا ہو، اور اس نے توبہ کر لی ہو۔ اس لئے اگر تم کسی کو نصیحت کرنا چاہو تو ابہام کے ساتھ نصیحت کرو، جس میں کسی شخص کی تعیین نہ ہو۔ اسی لئے پیارے پیغمبر ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے "مَا بَالُ اَقْوَامٍ" کہ بعض لوگوں کا یہ کیا حال ہے کہ وہ ایسا اور ایسا کرتے ہیں۔ پیارے پیغمبر ﷺ کسی کا نام تعیین کے ساتھ نہیں لیتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ ہر لمحہ تبدیل وتحویل کا مشاہدہ فرماتے تھے۔

اسی طرح ناصح کو نصیحت کرتے وقت یہ نیت کرنی چاہئے کہ اگر کسی شخص میں مخفی عیوب اور وساوس ہوں گے تو وہ میری نصیحت سن کر اسی وقت متنبہ ہو جائے گا، اس صورت میں اس کو نیک راہ بتلانے کا ثواب ملے گا۔ اور اگر سامعین میں سے کسی میں وہ عیب نہ ہوا جس کے متعلق نصیحت کی گئی ہے تو تمہیں آئندہ کے لئے انہیں ہوشیار کردینے کا ثواب ملے

گا۔

اور جب تمہیں کوئی نصیحت کرے تو ہرگز اس سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ وہ تمہاری خیر خواہی کی کوشش میں ہے، اور اس کے علم میں جو اعلیٰ درجہ کی بات تھی اس نے اس کی طرف تمہاری رہنمائی کی ہے۔ اب اگر وہ عیب تمہارے اندر موجود ہے جس کے متعلق وہ نصیحت کر رہا ہے تو ایسی صورت میں تمہارا بگڑنا حماقت ہے، اور اگر تمہارے اندر وہ عیب نہیں ہے تو اس نے آئندہ کے لئے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے، کیونکہ زندگی میں کسی بھی وقت تم اس عیب کا محل بن سکتے ہو۔ دوسرے اگر تمہیں کچھ ذوق حاصل ہے تو تم ناصح کی نصیحت کا منشاء سمجھ سکتے ہو کہ اس کا منشاء تنگ خیالی ہے یا وسعت خیالی۔ تنگی کی صورت میں تم اس کو معذور سمجھو گے، اور وسعت کی صورت میں اس کے احسان مند رہو گے۔

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب کسی شخص میں بھلائی کی قابلیت ہوتی ہے تو اس کے لئے بھلائی کے اسباب بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور من جملہ ان اسباب کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کو نصیحت کرنے والے دوست و احباب کی تعداد زیادہ ہو۔ اور جب بھلائی کا دروازہ کسی کے لئے بند کر دیا جاتا ہے تو نصیحت کرنے والوں کے لبوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، اور اُسے کوئی بھی نصیحت نہیں کرتا اس لئے کہ اس میں نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

اس لئے کسی کا تمہیں نصیحت کرنا یہ بشارت ہے اس بات کی کہ تمہارے دل میں نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور بشارت دینے والے کا حق تو یہ ہے کہ خوشی سے اس کو انعام دیا جائے، اور اس کا بہت زیادہ اعزاز و اکرام کیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص زہر کھانے کے لئے ہاتھ بڑھا چکا ہو تو ایسی حالت میں اس کا ہاتھ روک لینا اس پر احسان ہے، خوب سمجھ لو۔

اس لئے درویش کو اعتراض، سختی اور نفرت کے بجائے ہر نصیحت کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے سمجھنا چاہئے۔درویش کی شان تو یہ ہے کہ اگر کوئی اسے ناحق بھی برا کہےتو اس سے بھی متغیر نہ ہو۔

(49)اپنے لئے مذّمت اور صفات نقص کی نسبت کو پسند کرے

اور درویش کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے لئے مذمت اور صفات نقص کی طرف نسبت کو پسند کرے،اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ، وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ. (النسآء:79)

تم کو جو کچھ بھلائی پیش آتی ہےتو وہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے،اور جو کوئی برائی پیش آتی ہے وہ توتمہارے نفس کی وجہ سے ہوتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ صفات کمال سے اپنی مدح وثناء کو پسند کرے کیونکہ یہ تو اس کے آقا ہی کے شایان شان ہے۔عارف تو اسی بات کو پسند کرتا ہے وہ سراپا نقص کے ساتھ ہی ممتاز ہو۔

(50)تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے

اور درویش کی شان یہ ہے کہ وہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ مخلوق کی باگ ڈور اللہ عزوجل تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ہاں وہ مخلوق سے ان کاموں میں جھگڑتا ہے جن میں وہ اللہ عزوجل تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔اور اسی لئے انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کفار سے جہاد کیا ہے۔

حاصل مطالعہ الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ ص:179تاص:315)

تصوّف کی حقیقت

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ﴾

تصوّف کی حقیقت

جس طرح انسانِ کامل کے دو رُخ ہیں ، ظاہر و باطن ، یا قلب و قالب، اسی طرح دین کامل کے بھی دو رُخ ہیں، شریعت و طریقت، اور جس طرح شریعت نام ہے ظاہر یا قالب کے اعمال و احکام کا، اسی طرح طریقت یا تصوّف نام ہے باطن یا قلب کے اعمال و احکام کا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ تصوّف نام ہے باطن کی فقہ کا۔

جس طرح نماز و روزہ وغیرہ کے ارکان و اعمال کی ایک ظاہری صورت ہے، جس کے احکام فقہ میں بیان ہوتے ہیں، اسی طرح خشوع و خضوع، حضورِ قلب یا دل سے حق تعالیٰ کی یاد و ذکر" اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ " قلب و باطن کے اعمال ہیں۔

جس طرح ترک اکل و شرب روزہ کا ظاہر ہے ، اسی طرح اس کا باطن تقویٰ "لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ " ہے۔ پھر جس طرح مختلف اعمال شرعیہ اپنی اپنی قالبی صورت رکھتے ہیں، اسی طرح ان سب کی صحت وسقم، قبول و عدم قبول کا مدار قلبی نیّتوں:

''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّات''

اور درجاتِ اخلاص پر ہے۔ سب سے بڑھ کر ایمان اور عقائد جن پر نجات اور ظاہر و جوارح کے سارے اعمال کی صحت و قبولیت کا مدار ہے، اور جن کے بغیر نہ نماز نماز ہے نہ روزہ روزہ، وہ بالکلیہ یقین و اذعان کے قلبی و باطنی فعل ہی کا نام ہیں۔

غرض تصوّف یا علم باطن کی حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر جسم یا جوارح کے اعمال و احکام ، اوامر و نواہی اور ان کے صلاح و فساد کی فقہ کے بجائے نام ہے قلب و باطن کے اوامر و نواہی اور اس کے صلاح و فساد کی فقہ کا، جس کے احکام کتاب و سنت دونوں میں اسی

طرح منصوص ہیں، جس طرح فقہ ظاہر کے، اور جس کی اہمیت و اقدسیّت قرآن وحدیث ہی کے اشارات وتصریحات سے ثابت ہے۔ جس طرح کہ ارشاد باری ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا. (الشمس)

بے شک جس نے نفس کو صاف کیا وہ کامیاب رہا، اور جس نے اس کو میلا کیا نا کام رہا۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ * اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ *
(الشعراء:۸۸،۸۷)

جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا، نہ اولاد۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آئے گا۔

پہلی آیت میں تزکیہ باطن کو موجب فلاح، اور دوسری میں سلامتی قلب کے بغیر مال واولاد سب کو غیر نافع بتلایا گیا ہے۔ ایمان وعقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے، قلب ہی کا فعل ہے، اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کے تکمیل کے لئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے۔ دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضاء اس کے لشکر یا غلام ہیں، اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں گے۔ اور حدیث میں اس کی شرح وتفسیر یوں فرمائی گئی کہ:

اَلَاۤ وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِيَ الْقَلْب۔

خوب سمجھ لو کہ بدن کے اندر (گوشت کا) ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ سنورا اور بنا تو سارا بدن بن سنور جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑا تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے، اور خوب سمجھ لو کہ وہ قلب ہے۔

یعنی ظاہر جسم کے اعمال و افعال کا بناؤ و بگاڑ تمام تر اسی باطن قلب کے بناؤ و بگاڑ پر موقوف ہے۔اگر یہ بنا تو سب بنا، یہ بگڑا تو سب بگڑا۔جس چیز کا دھیان دل میں سما جاتا ہے سارے اعضاء اس کی دھن میں لگ جاتے ہیں، آنکھ اس کو دیکھنے، کان اس کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے، اور پاؤں اس کی جانب چلنے کو چاہتے ہیں، خواہ وہ شے بری ہو یا بھلی، مگر دل کا خیال ان اعضاء کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

اور تصوّف یا فقہ باطن کا موضوع بحث اسی قلب کا بناؤ سنوار، اسی کی سلامتی وصحت کی حفاظت، اور اسی کے بگاڑ یا فساد و بیماری کا علاج ہے۔

(تجدیدِ تصوف و سلوک ص:۲۷)

لفظِ تصوّف کی تشریح

لفظ تصوّف کی تشریح شیخ الشیوخ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یوں فرماتے ہیں کہ لفظ تصوّف کے "ت" سے مراد توبہ، "ص" سے مراد صفائی، "و" سے مراد" ولایت" اور "ف" سے مراف فنا فی اللہ ہے۔

توبہ: دوطرح کی ہے توبہ ظاہری اور توبہ باطنی۔توبہ ظاہری سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء ظاہری کو اپنے قول اور فعل کے اعتبار سے صادر ہونے والے گناہوں برائیوں اور خلاف شریعت امور سے توبہ کر کے پاک وصاف کرے اور آئندہ کے لئے اطاعت اور احکام شریعت کی بجا آوری کرے۔جبکہ توبہ باطنی سے مراد اپنے دل کو آلائشوں اور خلاف شریعت امور سے پاک کرنا ہے۔

صفائی

تصوّف کے دوسرے حرف "ص" سے مراد صفائی ہے، اور صفائی سے مراد قلب اور مقام سِر کی صفائی ہے کہ دل کو بشری کدورتوں مثلاً بکثرت کھانے، پینے، بول چال، اہل و

عیال سے زیادہ محبت وغیرہ سے اپنے مرشد کی تلقین سے ذکر کے ذریعے پاک صاف کیا جائے۔جبکہ مقام سِر کی صفائی اللہ کی محبت اور اسمائے توحید کا زبان سِر سے دائمی ذکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ولایت

تصوّف کے تیسرے حرف "واوٗ" سے مراد ولایت ہے،اور ولایت کا یہ مقام صفائی قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے جس کا ماحصل اپنے اندر اخلاقِ الٰہیہ کا پیدا کرنا ہے۔جیسا کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: " تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ "۔ اپنے آپ کو اخلاقِ الٰہیہ سے متصف کرو۔

فنا فی اللہ

تصوف کے چوتھے حرف "ف" سے مراد فنا فی اللہ ہو جانا ہے۔ جب صفات بشریہ فنا ہو جاتی ہیں تو صفات اَحدیہ باقی رہ جاتی ہیں۔اللہ ربّ العزت کی ذات کے لئے نہ کوئی زوال ہے اور نہ ہی فنا،لہٰذا عبد فانی جب اس کی رضا مان لیتا ہے تو اُس کو اُس غیر فانی ذات کی پسندیدگی اور قبولیت سے بقا باللہ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

(بیعت کی ضرورت:ص:55)

تصوّف کی تعریف

تصوّف کی تعریف علماءِ تصوّف نے یوں بیان فرمائی ہے کہ وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے نفوس کا تزکیّہ ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں ،جس کی غرض ابدی سعادت کا حصول ہے ۔تصوّف کی تعریف میں زمانہ قدیم اور جدید کے اکابر صوفیہ کے بے شمار اقوال ملتے ہیں ،جن پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو ان سب کا حاصل

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ کی تعریف میں ملتا ہے کہ:

اَلتَّصَوَّف هُوَ عِلْمٌ تُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَال تَزْكِيَةِ النُّفُوْس، وَتَصْفِيَةُ الْاَخْلَاق، وَتَعْمِيْرِ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ لِنَيْلِ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّة۔ مَوْضُوْعَهٗ: التَزْكِيَّة وَالتَّصْفِيَّةِ وَالتَّعْمِيْر، وَغَايَتُهٗ: نَيْلُ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّة ۔

تصوّف وہ علم ہے جس سے تزکیۂ نفوس، تصفیۂ اخلاق، تعمیر ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے، تا کہ سعادتِ ابدی حاصل کی جا سکے ۔اس کا موضوع بھی تزکیہ و تصفیہ اخلاق، وتعمیر ظاہر و باطن ہے ۔اور اس کی غایت و مقصد سعادتِ ابدی کا حاصل کرنا ہے ۔

اسی طرح حضرت امام قشیریؒ اپنے رسالہ قشیریہ میں تصوّف کا معنیٰ صفائی باطن، یا تصفیۂ اخلاق و اصلاح وتعمیر ظاہر و باطن کے لیتے ہیں ۔

(قرآن اور تصوّف:ص 11)

تصوّف کو اصطلاحِ شرع میں احسان، علم الاخلاق، یا تعمیر ظاہر و باطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ" سلوک نام ہے تعمیر الظاہر والباطن" یعنی اعضاء ظاہر اور قلب کا اپنے مولیٰ عزوجل تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں مشغول رکھنے کا، اس طرح سے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی شریعت، اور اسوۂ حسنہ کے اتباع کی اس درجہ تک عادت پڑ جائے کہ سنّت نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیوہ، اور خلقی شعار بن جائے، اور تکلّف کی حاجت نہ رہے ۔

تصوّف کیا ہے؟

مشائخ نے اس سوال کے جواب میں کہ تصوّف کیا ہے؟ جو جوابات دیئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اَلتَّصَوُّف اَخْلَاقٌ كَرِيْمَة، ظَهَرَتْ فِيْ زَمَانٍ كَرِيْمٍ، مِنْ رَجُلٍ كَرِيْمٍ مَعَ قَوْمٍ كَرِيْمٍ۔

تصوف نام ہے اُن کریمانہ اخلاق کا جو کسی کریم شخص سے، کسی کریم زمانہ میں، شریف لوگوں کے سامنے ظہور پذیر ہوں۔

☆ عمر بن عثمان المکّی سے تصوّف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

اَنْ يَّكُوْنَ الْعَبْدُ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ بِمَا هُوَ اَوْلٰى بِهٖ فِي الْوَقْت۔

تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔

یعنی صوفی نقد وقت کی قیمت جانتا ہے اور ہر وقت جس کا ہوتا ہے اُس کا ہو رہتا ہے یعنی ہر لمحے ایسے اعمال میں مشغول رہتا ہے جو اُس لمحہ کے لئے زیادہ مناسب ہوں۔

☆ معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ:

اَلتَّصَوَّف: اَلْاَخْذُ بِالْحَقَائِق ،وَالْيَأْسُ مِمَّا فِيْ اَيْدِى الْخَلَآئِق۔

تصوف حقائق پر عمل کرنے، اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔

یعنی تصوّف نام ہے مخلوق سے منہ موڑنے اور اللہ ربّ العزت سے رشتہ جوڑنے کا۔ جب صوفی پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت نافع و ضارّ حق تعالیٰ ہی ہیں تو وہ پھر ماسوائے حق سے نابینا ہو جاتا ہے، اور غیر حق کے لئے نہ وجود و زیاں ثابت کرتا ہے اور نہ منع و عطا۔ بلکہ ہر چیز میں وہ اللہ ہی کو فاعل سمجھتا ہے، اور ہر چیز پر اس کو ترجیح دیتا ہے۔

اس کا مقصود اللہ، مطلوب اللہ، اور محبوب اللہ ہوتا ہے، اس کا جینا، مرنا، اس کی فکر، اس کی عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے۔

''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ''

عبادت واستعانت کے نقطۂ نظر سے وہ ماسوی اللہ سے کٹ جاتے ہیں، اور بندگی، فقر وذلت کی نسبت اللہ ہی سے جوڑتے ہیں۔

☆ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے، اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔اور اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے تجھے کسی چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ تصوّف جبر وقہر ہے، اس میں کوئی صلح نہیں ہوتی۔

☆ حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف درگزر کو اختیار کرنے، اچھے کاموں کا حکم دینے، اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا نام ہے۔

☆ حضرت کتانیؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف اخلاقِ حسنہ کا نام ہے، جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے، وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہوگا۔

(الرسالةالقشيريه)

☆ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف اپنے آپ کو مٹادینے کا نام ہے۔

☆ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف نام ہے، اللہ عزوجل تعالیٰ کو عبادت سے، پیارے پیغمبر ﷺ کو اطاعت سے، اور مخلوقِ خدا کو خدمت سے راضی کرنے کا۔

☆ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی بخاریؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف نام ہے اس کا کہ اجمالی معاملہ تفصیلی ہو جائے، اور استدلالی معاملہ کشفی ہو جائے۔اور بقول حضرت مجدّد الف ثانیؒ تصوّف شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہے۔

تو خلاصہ یہ کہ تصوّف نام ہے ہر قسم کے اچھے اخلاق کو اپنانے کا جن سے ربّ

راضی ہو، اور برے اخلاق سے بچنے کا۔

تصوّف نام ہے باطن کی گندگی اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے اور اپنے احوال کو سچ پر قائم رکھنے کا۔تصوّف نام ہے آداب کا، ہر وقت کا ادب، جگہ کا ادب، اور ہر حالت کا ادب۔ ہر چیز کی حقیقت جاننے ،درگزر اختیار کرنے ، اچھے کاموں کا حکم دینے اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا۔

تصوّف مراتب دنیا سے کنارہ کشی کرنے ،راہِ حق میں مصروف عمل رہ کر حق تک رسائی حاصل کرنے، بلاؤں پر صبر کرنے، دلوں کو مقلّب القلوب کی طرف موڑنے، مطلوب کو پانے کے لئے محبوب کی طرف رغبت کرنے ، اسباب میں احتیاط کرنے، اور سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک اپنے سارے جسم کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کا۔ ان تمام تعریفوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تصوّف تزکیۂ نفس وتصفیۂ اخلاق کا نام ہے ۔اور پیارے پیغمبر ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تتمیم بیان فرمائی ہے:

بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاق۔

تصوّف کی حقیقت

تصوّف کی حقیقت: بندہ کا یکتا وتنہا ذات کے ساتھ یکتا وتنہا رہ جانے، اور ہزاروں راستوں کو چھوڑ کر حق کی رسی کو تھام لینے ، اللہ کے وصل وشوق کی گرمی میں راحت وسکون پانے اور محبوب سے ملنے کی آس رکھنے میں ہے۔

تصوّف حقیقت میں قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے جس کا دوسرا نام احسان ہے ۔جیسا کہ میں پہلے بیعت کی بحث میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے حوالے سے یہ نقل کر چکا ہوں کہ سورہ التوبہ کی آیت کریمہ:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٭ (التوبۃ)

اے ایمان والو ! تقویٰ اختیار کرو،ڈرو اللہ تعالیٰ سے ،اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔یعنی ایسا شخص جوتمہارے لئے ذریعہ ہو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا ، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا،اسی کو مرشد کہتے ہیں۔

تو اس آیت کریمہ میں وسیلہ سے مراد ارادت اور بیعت مرشد ہے۔شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

''وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ''

کی تفسیر میں محققین کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد مرشد ہے۔

اس آیت کریمہ میں پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا، اس کے بعد دوسرا حکم تقویٰ کا ذکر کیا گیا، ان دونوں کے بعد اس جگہ تیسرا حکم

''وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ''

کے ذریعہ سے مرشد کی تلاش کا ذکر کیا گیا۔

اور چوتھا حکم ذکر کیا گیا کہ''وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ'' اللہ کے راستے میں کوشش کرو، جہاد کرو نفس کے خلاف، اپنی راحت کے خلاف،تو یقیناً! ایمان اور تقویٰ کے بعد مرشد کو تلاش کرنے ،اور اس کے حکم پر چلنے ،اور پھر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرنے کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

اسی طرح ارشاد باری عزوجل تعالیٰ ہے :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ (آل عمران)

اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنے کا اُس کا حق ہے۔

یعنی ظاہر و باطن میں، عقیدوں اور اخلاق میں سے کوئی چیز ایسی نہ ہو جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی اور خفگی کا سبب ہو۔ پھر اس آیت کریمہ میں اَمر کا صیغہ لایا گیا ہے جو کہ وُجوب پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر تقویٰ لازم ہو گیا۔

اور جب تک نفس کی بیماریاں اور برائیاں دُور نہ ہو جائیں پورا پورا تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا، اور نفسانی بیماریوں سے بچنا دل کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اسی دل کی اصلاح کا نام طریقت اور تصوّف ہے۔ اسی طرح ارشاد باری ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ*

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچّے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔

اس جگہ قرآن مجید نے علماء وصلحاء کے بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم و صالح کی پہچان بتلادی کہ صالح صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادے کا بھی سچا ہو، قول کا بھی سچا ہو، اور عمل کا بھی سچا ہو۔

(معارف القرآن)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مع الصادقین سے مراد محمد ﷺ اور ان کے اصحاب ہیں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ مراد ہیں۔

اور حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ تم صادقین کے ساتھ ہونا چاہتے ہو تو دنیا میں زُہد اختیار کرو، اور لوگوں سے میل جول کم کرو۔ اسی طرح ارشاد باری ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ (الحجرات،۱۳)

تحقیق تم میں سے سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے۔

تو انسان جتنا زیادہ ایسی چیزوں سے پرہیز کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہیں ،اور ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑے گا اتنا ہی متقی کہلائے گا۔اور ظاہری گناہوں سے مراد اعضاء و جوارح کے اعمال ، اور باطنی گناہوں سے مراد دل کے اعمال ہیں ۔اعمالِ ظاہری کا تعلق علمِ قال (یعنی فقہ) سے ہے، اوراعمالِ باطنی کا تعلق علمِ حال (یعنی تصوّف) سے ہے ،اور یہ دونوں علوم حضرات صحابہ کرامؓ نے پیارے پیغمبر ﷺ سے سیکھے ہیں ۔اور اُس وقت سے امت میں ان علوم کی اشاعت وترویج جاری وساری ہے۔

حدیث جبریل علیہ السلام

پیارے پیغمبر ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی حدیث میں ذکر فرمایا ہے، حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز پیارے پیغمبر ﷺ مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا تھا، اس کے کپڑے نہایت سفید اور صاف وشفاف تھے۔ وہ آکر پیارے پیغمبر ﷺ کے سامنے انتھائی قریب گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا۔ ہم نے تعجب کیا، کیونکہ اگر وہ باہر سے آیا ہوتا تو اس کے کپڑے میلے کچیلے ہوتے ،گرد وغبار سے اس کے بال بھرے ہوئے ہوتے ،لیکن اس کے بال نہایت صاف تھے اور کپڑے بھی۔ ہم تعجب کرتے تھے۔

اُس نے پوچھا جنابِ رسول اللہ ﷺ سے کہ حضورؐ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ تو پیارے پیغمبر ﷺ نے ایمان کی تعریف بتلائی کہ:

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ ، وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ، وَكُتُبِهٖ، وَرُسُلِهٖ، وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ، وَتُؤْمِنُ

بِالْقَدْرِ خَيْرِہٖ وَ شَرِّہٖ۔ (اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے، یقین کرے اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کے فرشتوں پر، کتابوں پر، قیامت کے دن پر، اور تقدیر پر۔

اس کے بعد اُس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ "مَا الْاِسْلَام ؟" اسلام کس چیز کا نام ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، وَتُقِيْمَ الصَّلٰوة ، وَتُؤْتِی الزَّكٰوة وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحَجُّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

اسلام اس کا نام ہے کہ گواہی دو اور کہو:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًارَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کا روزہ رکھو، اور بیت اللہ کا حج ادا کرو، اگر تمہارے پاس طاقت ہے وہاں پہنچنے کی۔

اس کے بعد اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ "مَا الْاِحْسَانُ ؟" احسان کیا چیز ہے؟ تو آقائے نامدار سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں:

اَنْ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ۔

احسان اس چیز کا نام ہے کہ تم اللہ کی عبادت ایسی طرح سے مکمل کرو (اس طرح اس کے اندر خشوع وخضوع کو انجام دو کہ جیسے) گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو تو ہم نہیں دیکھ سکتے (یہ کیسے ہوسکتا ہے تو فرمایا گیا) کہ تم اگر چہ

نہیں دیکھ سکتے مگر اللہ تعالیٰ تو ہر حالت میں تم کو دیکھتا ہے۔(کسی وقت بھی تم اللہ تعالیٰ کے علم سے،اُس کے دیکھنے سے اوجھل نہیں ہو سکتے)۔

اس حدیث مبارکہ میں حضرت جبرائیلؑ کی طرف سے تین اہم اور بنیادی سوالات پوچھے گئے،جن میں سے ایک کا تعلق ایمان سے،دوسرے کا اسلام سے،اور تیسرے کا تعلق احسان سے ہے۔اور اسی احسان کا دوسرا نام ولایت ہے۔صوفی پر جب اللہ کی محبت چھا جاتی ہے،جس کو اصطلاح میں "فنائے قلب" کہتے ہیں،تو اس کا دل محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں ڈوب جاتا ہے،اور اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہیں کرتا۔اس حالت میں پہنچ کر وہ خدا کو تو دیکھتا نہیں کیونکہ دنیا میں دیدار الٰہی محال ہے،مگر صوفی کو اس وقت ایک ایسی حالت ضرور حاصل ہوتی ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پیارے پیغمبر ﷺ سے احسان کی حقیقت صحابہ کرامؓ کے سامنے دریافت کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ شریعت ہی کی روح اور مغز ہے۔اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزیّن ہونا،اپنے ارادہ کا چھن جانا،اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضاء میں بالکلّیہ مصروف ہو جانا ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ کی صحبت کا اثر

تو اسی احسان کے حاصل کرنے کے واسطے تمام تصوّف کا دارومدار ہے۔پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں یہ صفت احسان ایمان کے ساتھ پیارے پیغمبر ﷺ کی مجلس میں حاضر ہونے سے حاصل ہو جاتی تھی۔آپ ﷺ کی روحانی طاقت اس قدر قوی تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کہتے ہی مرتبۂ احسان حاصل ہو جاتا تھا،جو شخص آپ ﷺ کے سامنے ایمان واخلاص کے ساتھ حاضر ہوا،اس کے قلب کے اوپر ایسا اثر پڑتا تھا کہ ماسوا اللہ،یعنی اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب کو بھول جاتا تھا،اور اللہ تعالیٰ ہی کی

طرف متوجہ ہوجاتا تھا۔

حضرت حنظلہؓ کا مشہور واقعہ (نَافَقَ حَنظَلَة)اس پر شاہد ہے ۔کہ جب سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت حنظلہؓ نے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی تمام بات عرض کردی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جیسے میری حضوری میں میری مجلس میں ہوتے ہو، اگر اسی طرح تم ہر وقت رہو تو تمہارے بستروں پر فرشتے آکر تم سے مصافحہ کیا کریں ،لیکن دونوں حالتیں جدا جدا ہیں ، میری موجودگی میں ،میری مجلس میں تمہاری اور حالت ہوتی ہے ، اور مجھ سے جدا ہونے کے بعد تمہاری اور حالت ہوتی ہے ۔ جیسے سورج کے سامنے جو چیز آئے گی تو اس پر روشنی اور دھوپ پڑنے سے وہ چمکدار ہو جائے گی ، اور جہاں علیٰحدہ ہوئے تو وہ روشنی جاتی رہی ۔اسی طرح پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بھی جو سچائی کے ساتھ حاضر ہوتے تھے ،ان کے دلوں کی میل وکچیل ،غفلت ، دنیا پرستی ،نفس پرستی وغیرہ جاتی رہتی تھی ، اور مجلس سے علیٰحدہ ہونے کے بعد اس میں کمی آجاتی تھی ۔

اور اسی لئے اس بات پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ غیر صحابہ سے افضل ہیں ، حالانکہ علم وعمل میں غیر صحابہ بھی ،صحابہ کرامؓ کے ساتھ شریک ہیں ،لیکن اس کے باوجود پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی اور مسلمان اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو وہ اُس نصف صاع کے برابر بھی نہیں ہوسکتا جو صحابہ کرامؓ نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہے ۔اس کا سبب سوائے اس باطنی اور قلبی کمال کے اور کچھ نہیں کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے شرف کی وجہ سے ان کا باطن اور ان کا دل ، قلب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نورانی بن چکا تھا۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے قرآن کریم نے ایک مقصد "وَيُزَكِّيهِمْ " تزکیہ قلوب ،دلوں کی میل وکچیل کو دور کرنا اور دلوں کو پاک وصاف کرنا بھی

بیان فرمایا ہے۔انسانی روح اور دلوں پر پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی اورقلبی طاقت کا ایسا اثر پڑتا تھا کہ دلوں کے میل وکچیل، غیر اللہ کی محبت، دنیا کی محبت اور ہر قسم کی برائی جاتی رہتی تھی۔چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْم الَّذِیْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلّ شَيْئٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمَ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ ،اَظْلَمَ مِنْهَا كُلّ شَيْئٍ وَمَا لَفقْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَاب وَانَّا لَفِیْ دَفْنِهٖ حَتّٰى انْكَرنَا قُلُوْبَنَا ۔

فرماتے ہیں کہ جب پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منوّرہ میں داخل ہوئے تو ہر چیز ہم کو روشن نظر آتی تھی، یہاں تک معلوم ہوتا تھا کہ دیواریں بھی روشن ہوگئیں۔اور جب تک آقائے نامدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حیات) رہے، ہر چیز میں روشنی معلوم ہوتی تھی، اور فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد ہم نے ابھی تک مٹّی اپنے ہاتھوں سے جھاڑی نہیں تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو اَوپرا دیکھا۔(یعنی فیض صحبت اور مشاہدۂ ذات کے انوارات جو ہر وقت مشاہدہ ہوتے تھے وہ حاصل نہ رہے تھے)۔

تو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو روحانیت کے آفتاب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ دلوں کو، دماغوں کو روشن کرنے والی تھی۔جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ چند منٹ کے لئے بھی حاضر ہوا اس کے دل کی حالت اور ہوگئی۔اس واسطے روحانی طاقت کے حصول کے لئے بڑی بڑی ریاضتوں کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، مگر جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے بعد وہ طاقت باقی نہ رہی، اور جوں جوں زمانہ دور ہوتا گیا اسی قدر روحانی اور قلبی روشنی کے اندر، صفائی کے اندر کمی ہوتی گئی۔اور اس کمی کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کئے۔

جس طرح برتن پر اگر میل وکچیل کم ہوتو معمولی طور سے مانجھنے کے بعد وہ زنگ ومیل وکچیل دور ہو جاتا ہے، اور زیادہ ہونے کی صورت میں رہتے اور مختلف طریقوں سے مانجھا جاتا ہےتب جا کر صاف ہوتا ہے،تو ایسا ہی احسان حاصل کرنا تصوّف کا مقصد ہے۔
(بیعت کی شرعی حیثیت:ص 26)

تصوّف کا مقصد

تصوّف سے کوئی نئی چیز حاصل کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ جس چیز کو حدیث جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام میں ذکر کیا گیا ہے وہی مقصد ہے ۔اور وہ تین باتیں ہیں۔ (1) خوفِ خدا۔ (2) اتباعِ مصطفیٰ۔(3) مخالفتِ نفسِ ھویٰ۔

مگر زمانے کی دوری، اور دنیاوی لذائذ کی طرف طبعی میلان کی وجہ سے دل کو زیادہ مانجھنے کی ضرورت پڑی ، اس واسطے تصوّف کے بڑے تجربہ کاروں مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ،خواجہ معین الدین چشتیؒ ،حضرت جنید بغدادیؒ،حضرت شبلیؒ اور سری سقطیؒ جیسے تصوّف کے ائمہ نے اپنے تجربے سے ذکر، ریاضت اور مجاہدے کرنے میں جو چیزیں نکالیں ان کو بعض لوگ اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور طریقۂ نقشبندیہ، قادریہ، اور دوسرے طریقوں میں ذکر کرنے کے جو اصول ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً بارہ تسبیح ، پاسِ انفاس، اور اس قسم کے جتنے اذکار اور مراقبے ہیں اُن پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھے،اور نہ ہی احادیث میں اس کا تذکرہ ہےتو یہ بدعت ہوئی۔

حضرت مجدّد کی تجدید وتحقیق کا خلاصہ

تو اس بارے میں حضرت مجدّد کی تجدید وتحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوّف کے دوست و دشمن ، معتقد ومنکر دونوں ایک مشترکہ غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ ان چیزوں کو تصوّف

کے مقاصد و غایات سمجھ لیا۔ حالانکہ ان کی اصل حیثیت تدابیر و مقدمات یا آثار وثمرات کی ہے ۔ مقصدِ تصوّف یہ چیزیں قطعاً نہیں ہیں،اس لئے ان کو بدعات کہنا سرے سے بے معنیٰ ہے ۔ بدعت نام ہے"اِحدَاثُ فِي الدِّيْن " کا،یعنی دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ"اِحدَاث لِلدِّین "یعنی مقاصد دین کے حصول کے لئے تجربہ کی بناء پر کسی نئی تدبیر کا اختیار کرنا۔

مثلاً دین کا سیکھنا سکھانا ضروری ہے،اور دین میں اس کا نہایت ہی تاکیدی حکم بھی ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس کے لئے صرف صحبت کافی ہو جاتی تھی ،تعلیم کے لئے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ نہ مدرسے تھے، نہ کتابیں تھیں ،لیکن بعد میں علوم دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدارس اور کتب خانوں کا قیام عمل میں لایا گیا،درس و تدریس کے لئے نصاب تعلیم کی نئی نئی صورتیں تجویز کی گئیں،اور اس کے بعد سے دین کے تعلیم وتعلّم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں نئی ہیں،لیکن چونکہ"اِحدَاث لِلدِّین "ہیں،اس لئے نہ بدعات ہیں،اور نہ ہی ان کو کتاب وسنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

(تجدید تصوّف و سلوک:ص۴۷)

قرآن پر حرکات کی مثال

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم پر زیر و زبر ،جزم و تشدید یا نقطے نہیں لگے ہوئے تھے۔ بلکہ الگ الگ مختلف چیزوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا تھا۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع کیا،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب کو ترتیب دیا مگر مصحف عثمانی میں بھی زیر و زبر کوئی نہیں لگا ہوا تھا،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان عربی تھی وہ بغیر نقطوں اور زیر و زبر کے قرآن کریم صحیح پڑھتے تھے۔

مگر تھوڑے ہی زمانے کے بعد جب عجم کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تو پھر حرکات اور نقطے لگانے کی ضرورت سمجھی گئی ،اس لئے کہ ہمیں قرآن کریم کی صحیح تلاوت کرنے کا حکم ہے ، اور وہ بغیر اس کے ممکن نہیں۔ نہ صرف اہل عجم کے لئے بلکہ آج کل اہل عرب بھی بغیر حرکات کے صحیح تلاوت پر قادر نہیں تو کیا اس کو بدعت کہا جائے گا۔جس طرح ہم علم صرف،علم نحو،علم لغت کے محتاج ہیں،آج عرب بھی اس کے محتاج ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ زمانہ کی حیثیت سے احوال بدلتے رہتے ہیں ،مگر ایسے احوال جو کہ مقصود کو بدلنے والے نہ ہوں اُنہیں سنت ہی کہا جائے گا۔تو پیارے پیغمبر ﷺ اور خیر القرون سے جب ہم دور پہنچ گئے تو دل بھی زیادہ زنگ آلود ہو گئے ،اس واسطے دلوں کو صاف کرنے اور مانجھنے کے لئے زیادہ ذکر، زیادہ ریاضتوں، پاس انفاس، ذکر قلبی ، چلہ کشی اور زیادہ کوشش کا کرنا ضروری ہو گیا۔تو مقصود ایک ہی ہے مگر ضرورت ،ماحول اور زمانے کی حیثیت سے صفت احسان کے حصول کا طریقہ دوسرا ہے۔

(بیعت کی شرعی حیثیت:30)

اسی طرح سلوک کے جن اعمال اور اشغال پر بدعت ہونے کا شبہ ہے اُن سب کی نوعیت بھی یہی ہے ،ان میں سے کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر نفس کے تذکیہ اور تخلیہ کے لئے کرایا جاتا ہے جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردّ و بدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہتے ہیں۔

(احوال العارفین:ص268)

غرض جتنے اشغال ہیں ، وہ جمع خواطر ہی کے لئے ہیں ،مقصود بالذات نہیں ۔اس لئے جن اشغال و مراقبات میں مضرت ونقصان کا احتمال ہے،ان کو سرے سے عوام کیا خواص

کے لئے بھی ممنوع ومتروک قرار دیا ہے، جیسے اشغال میں شغل رابطہ اور تصوّر شیخ، اور مراقبات میں مراقبہ وحدت الوجود بوجہ اس کے کہ اکثر خواص کو بھی مضر ہوتا ہے، متروک ہے۔

☆ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ، اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔

☆ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام مباح اور جائز کاروبار کو بھی دین بنا دینا۔ اگر اس نیت کو بیدار رکھ کر (کہ یہ کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور تعمیل احکام میں کرتا ہوں) کام کئے جائیں تو وہ بہت سی نفلی عبادات سے افضل ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد ذکر وشغل، مجاہدات وریاضات وغیرہ جو یہ حضرات تجویز کرتے ہیں وہ حقیقت میں سب علاج ہیں۔ جو یہ روحانی اطبّاء، یونانی اطبّاء اور ڈاکٹروں کی طرح مختلف روحانی اور قلبی امراض کے لئے تجویز کرتے ہیں۔

تصوّف کا بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا رئیس الاحرارؒ کو جواب

تصوّف کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے جب رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے پوچھا کہ حضرت یہ تصوّف کیا بلا ہے؟

تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کا جواب یوں دیا کہ: "تصوّف کی حقیقت صرف تصحیح نیّت ہے اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتداء:

" اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ"

سے ہوتی ہے۔ اور انتہاء:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّکَ تَرَاہُ "

ہے اس کو یاد داشت کہتے ہیں، اور اسی کو حضوری بھی کہتے ہیں، اور نسبت بھی۔ اور سارے پاپڑ اس ایک بات کے لئے بیلے جاتے ہیں۔ اسی کے لئے ذکر و شغل ہوتا ہے، اسی کے لئے مجاہدے اور مراقبے ہوتے ہیں۔ جس کو اللہ جلّ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا فرمادے اُس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرامؓ تو پیارے پیغمبر ﷺ کی نظرِ کیمیاء اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہوجاتے تھے، اُن کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔

اس کے بعد اکابر اور حکمائے امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بناء پر مختلف علاج تجویز فرمائے جیسا کہ اطبّاء دنیا بدنی امراض کے علاج کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ روحانی اطبّاء روحانی امراض کے لئے ہر زمانہ کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے نسخے تجویز فرماتے ہیں، جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔

(اکابر کا سلوک و احسان: ص 29)

تصوّف کی قسمیں

تصوّف صوفی کو عشق و مستی کے راز سے آشنا کرتا ہے۔ علم ظاہر کی منزل سے گزر کر عشق معرفت کی اس منزل پر پہنچاتا ہے جہاں حقیقت آشکارا ہوتی ہے، اور جہل کا پردہ چاک ہوجاتا ہے۔ زندگی اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔

تصوّف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں: ایک کو صوفی، دوسرے کو متصوّف اور تیسرے کو مستصوّف کہتے ہیں۔

(1) صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہوجائے۔

(2) متصوّف وہ ہے جو ریاضت ومجاہدے کے ذریعے اس مقام کی طلب کرے، اور وہ اس مقام کی طلب وحصول میں صادق اور راست باز رہے۔

(3) مستصوّف وہ ہے جو دنیاوی عزت ومنزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو ایسا بنالے اور اسے مذکورہ منازل ومقامات کی کچھ خبر نہ ہو۔

ایسے نقلی صوفیوں کے لئے عرفاء کا مقولہ ہے کہ:

اَلْمُسْتَصَوِفُ عِنْدَ الصُّوْفِیَّةِ کَا لذُبَابِ وَ عِنْدَ غَیْرِھِمْ کَالذِّیَابِ۔

صوفیاءِ کرام کے نزدیک نقلی صوفی مکھی کی مانند ذلیل وخوار ہے وہ جو کرتا ہے محض خواہش نفس کے لئے کرتا ہے، اور دوسروں کے نزدیک بھیڑئے کی مانند ہے۔

جس طرح بھیڑیا اپنی تمام قوت وطاقت مردار کے حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے یہی حال اس نقلی صوفی کا ہے گویا صوفی صاحب وصول ہے اور متصوّف صاحب اصول اور مستصوّف صاحب نقول اور فضول۔

(کشف المحجوب ص 88)

تصوّف کا حاصل

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف کا حاصل یہ ہے کہ جس طاعت میں سُستی ہو اُس سُستی کا مقابلہ کر کے اُس اطاعت کو کرنا، اور جس گناہ کا تقاضہ ہو اُس گناہ کے تقاضے کا مقابلہ کر کے اُس سے بچنا۔

(خطبات حکیم الامت، ج ۱۱، ص ۲۱۱)

کیا تصوّف وسلوک ہر فرد کے لئے ضروری ہے؟

سلوک کا ایک درجہ فرض ہے، اور ایک درجہ مستحب ہے، چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ نے جواہر حکیم الامت میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اختیار سے شہوت

وغیرہ کے دفع کرنے کا ایک درجہ یہ ہے کہ اپنے اختیار سے ان کا قصد نہ کرے، اور جو پیش آجائے اس کو برا سمجھے، اور اس کے مقتضا کے موافق عمل نہ کرے، خواہ خطرات اور وساوس کا ہجوم رہے، یہ مرتبہ اختیاری اور فرض ہے، اور خطرات ووساوس کا ہجوم یہ غیر اختیاری ہے، جو مضر نہیں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان اخلاقِ ذمیمہ کی بیخ کنی اور استحصال ہی ہو جائے، یعنی نفس میں ان کا تقاضہ اور میلان بھی نہ رہے، اور یہ ایسے ہی مبغوض ہو جائیں جیسے گندگی طبعاً مبغوض ہوتی ہے، اس کی تحصیل مستحب ہے، اور موجب کمال ہے، اور عادۃً یہ مجاہدات وریاضات اور طویل خلوت ویکسوئی پر موقوف ہے۔

تصوّف کی بنیادی خصلتیں

حضرت علی ہجویریؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں

اَلتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلیٰ ثِمَانِ خِصَالٍ: اَلسَّخَآءُ، وَالرِّضَاءُ، وَالصَّبْر، وَالْاِشَارَة، وَالْغُرْبَة، وَلُبْسِ الصُّوْفِ، وَالسِّيَاحَةِ، وَالْفَقْرِ۔

اَمَّا السَّخَاء فَلِاِبْرَاهِيْم، وَاَمَّا الرّضَا فَلِاِسْحٰق، وَاَمَّا الصَّبْر فَلِاَيُّوْب، وَاَمَّا الْاِشَارَة فَلِزَكَرِيَّا، وَاَمَّا الْغُرْبَة فَلِيَحْيىٰ، وَاَمَّا لُبْس الصُّوْف فَلِمُوْسىٰ، وَاَمَّا السِّيَاحَة فَلِعِيْسىٰ، وَاَمَّا الْفَقْر فَلِمُحَمَّدٍ، صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْن۔

فرمایا: تصوّف کی بنیاد آٹھ حصوں پر ہے: (1) سخاوت (2) رضاء (3) صبر (4) اشارہ (5) غربت (6) گدڑی پہننا (7) سیاحت (8) فقر۔

اور یہ آٹھ نبیوں کی اقتداء میں ہیں۔

(1) سخاوت حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے کیونکہ آپ نے اپنے فرزند کو فدا کیا۔

(2) رضاء: حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کیونکہ بوقت ذبح اپنی رضا دی اور اپنی جان عزیز کو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا۔

(3) صبر: حضرت ایوب علیہ السلام سے کہ آپ نے بے حد و غایت مصائب پر صبر فرمایا اور اللہ کی فرستادہ ابتلا و آزمائش پر ثابت قدم رہے۔

(4) اشارہ: حضرت زکریا علیہ السلام سے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ﴿ (ال عمران ۴۱)

آپ نے تین دن لوگوں سے اشارہ کے سوا کلام نہ فرمایا۔

اور اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ:

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿ (مریم)

انہوں نے اپنے ربّ کو آہستہ پکارا۔

(5) غربت: حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہ وہ اپنے وطن میں مسافروں کے مانند رہے اور خاندان میں رہتے ہوئے اپنوں سے بیگانہ رہے۔

(6) گدڑی: یعنی صوف کا لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ انہوں نے پشمینی کپڑے پہنے۔

(7) سیاحت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہ آپ نے اکیلے و تنہا مجرد زندگی گزاری اور سوائے ایک پیالہ اور کنگھی کے اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ اور جب انہوں نے کسی کو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پیتے ہوئے دیکھا تو پیالہ بھی توڑ دیا، اور جب کسی کو انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے دیکھا تو کنگھی بھی توڑ دی۔

(8) فقر: سید دوعالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ جنہیں روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عنایت فرما دی گئی تھیں، اور ارشاد ہوا کہ آپ خود کو مشقت میں نہ ڈالیں بلکہ آپ ان خزانوں کو استعمال کریں، آرائش اختیار فرمائیں لیکن آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا! اے خدا! مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دوسرے دن فاقہ کروں۔

تصوف کے یہ آٹھ اصولی خصائل ہیں جو افعال و کردار میں محمود ہیں۔

تصوّف کے پانچ اصول

(1) ظاہر اور پوشیدگی میں اللہ تعالیٰ کا خوف

(2) قول وفعل میں اتباع سنت

(3) مخلوق سے شہرت اور ضرورت کی طلب نہ رکھنا

(4) لوگوں کے تھوڑے یا زیادہ ہونے میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا

(5) محفل وتنہائی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا

☆ کسی مدعی علم نے کسی درویش سے پوچھا یہ سوگواری کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی ہیں۔

ایک فقر۔ دوسرا علم۔ تیسری تلوار۔

تلوار تو بادشاہوں نے لے لی مگر انہوں نے اسے بے محل استعمال کیا۔

اور علم علماء نے اختیار کیا لیکن انہوں نے اس کو صرف پڑھنے پڑھانے تک محدود رکھا۔ اور فقر کو فقراء کے گروہ نے اختیار کر لیا مگر انہوں نے اسے تونگری اور مالداری کا نعم البدل بنا لیا۔ میں نے ان تینوں مصیبتوں پر سوگواری کا یہ لباس اختیار کر رکھا ہے۔

(کشف المحجوب ص 110)

☆ ایک دن امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھجوروں کے باغ سے اس حال میں تشریف لا رہے تھے کہ لکڑیوں کا گٹھا آپ کے سر مبارک پر رکھا ہوا تھا حالانکہ آپ چار سو غلام رکھتے تھے۔ کسی نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! یہ کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا:

" اُرِیْدُ اَنْ اَجْرُبَ نَفْسِیْ "

میں نے چاہا کہ اپنے نفس کا تجربہ کروں۔

اگر چہ یہ کام میرے غلام بھی کر سکتے تھے مگر میں نے چاہا کہ اپنے نفس کی آزمائش کی جائے تا کہ لوگوں میں جو رتبہ ہے اس کی وجہ سے یہ نفس کسی کام سے مجھے باز نہ رکھے۔

☆ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

" اَشْفَقُ الْاَخْوَان عَلَیْکَ دِیْنُکَ "

تمہارے لئے سب سے زیادہ رفیق ومہربان تمہارا دین ہے۔

اس لئے کہ بندے کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور اس کی ہلاکت ،اس کی مخالفت میں ہے۔ عقل مند وہ شخص ہے جو مہربان کے حکم کی پیروی کرے،اور کسی حالت میں اس کی متابعت سے روگردانی نہ کرے۔ مشفق بھائی وہی ہوتا ہے جو اس کی خیر خواہی کرے، اور شفقت اور مہربانی کا دروازہ اس پر بند نہ کرے۔

☆ امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت وسعید کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا:

" مَنْ اِذَا رَضِیَ لَمْ یَحْمِلْهُ رِضَاهُ عَلَی الْبَاطِلْ ،وَاِذَا سَخَطَ لَمْ یَخْرُجْهُ سَخْطٌ مِّنَ الْحَقْ"

وہ شخص جب راضی ہو تو اس کی رضا اسے باطل پر آمادہ نہ کرے، اور جب ناراض ہو تو

اس کی ناراضگی اسے حق سے بھٹکنے نہ دے۔

یہ وصف، راست رولوگوں کے اوصافِ کمال میں سے ہے اس لئے کہ باطل سے راضی ہونا بھی باطل ہے، اور غصہ کی حالت میں حق کو ہاتھ سے چھوڑ نا بھی باطل ہے، اور مومن کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو باطل میں مبتلا کرے۔

☆ طبقہ تابعین کے ائمہ طریقت میں سے حضرت سعید ابن المسیبؒ کا فرمان ہے

" اِرْضِ بِالْيُسْرِ مِنَ الدُّنْيَا مَعَ سَلَامَةِ دِيْنِکَ کَمَا رَضِیَ قَوْمٌ بِکَثِيْرِهَا مَعَ ذِ هَابِ دِيْنِهِمْ "

اے مردِ مسلمان! اپنی اس تھوڑی سی دنیا پر جو تجھے دین کی سلامتی کے ساتھ حاصل ہوئی ہے اس پر قناعت کر، جس طرح عام لوگ اپنا دین کھو کر مال کی زیادتی پر خوش ہوتے ہیں۔

اگر فقر میں دین کی سلامتی ہے تو یہ اس تونگری سے بہتر ہے جس میں غفلت بھی ہو اور دین بھی جاتا رہے۔ اس لئے کہ سلامتی ایمان کے ساتھ جب فقیر اپنے دل کی طرف خیال کرتا ہے تو مال دنیا سے اسے خالی پاتا ہے، اسی پر قناعت کرتا ہے۔ اور تونگر جب اپنے دل کی طرف خیال کرتا ہے تو اسے ہر دم مال کی طمع و زیادتی میں فکرمند پاتا ہے، اور حصول دنیا کی خاطر ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ لہٰذا محبوبان خدا کی ہر آن نظر حق تعالیٰ کی رضا پر رہتی ہے، اور غافلوں کی نظر ہمیشہ اس دنیا پر رہتی ہے جو غرور و آفت سے بھرپور ہے۔ حسرت وندامت، ذلت ومعصیت سے بہتر ہے۔

☆ حضرت سعید بن المسیبؒ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھے، کسی نے آکر پوچھا مجھے ایسا حلال بتایئے جس میں حرام کا شائبہ نہ ہو اور ایسا حرام بتایئے جس میں حلال کا شائبہ نہ

ہوتو آپ نے جواب میں فرمایا:

ذِكْرُا للهِ حَلَالٌ لَيْسَ فِيْهِ حَرَامٌ ، وَذِكْرُ غَيْرِهِ حَرَامٌ لَيْسَ فِيْهِ حَلَالٌ ۔

ذکر الٰہی ایسا حلال ہے جس میں کسی حرام کا شائبہ نہیں ،اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے جس میں ذرہ بھر حلال نہیں۔

اسی لئے ذکر اللہ میں نجات ہے اور ذکر غیر میں ہلاکت ہے۔

☆ حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد ہے:

" اَلدُّنْيَا دَارُ الْمَرْضٰى وَالنَّاسُ فِيْهَا مَجَانِيْن ، وَلِلْمَجَانِيْن فِيْ دَارِ الْمَرْضٰى الغِلِّ وَالْقَيْد"

یہ دنیا بیماری کا گھر ہے اور لوگ اس پر دیوانے ہیں ، اور دیوانوں کو بیمارستان میں طوفان وسلاسل سے مقید کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ ہماری خواہشیں ہماری زنجیریں اور ہمارے گناہ ہماری قید ہیں۔

☆ حضرت حاتم بن اصمؒ فرماتے ہیں کہ:

" اَلشَّهْوَةُ ثَلَاثَةٌ ، شَهْوَةٌ فِي الْاَكْلِ ، وَشَهْوَةٌ فِي الْكَلَامِ ، وَ شَهْوَةٌ فِي النَّظَرِ ،فَاحْفِظِ الْاَكْلَ بِالثِّقَةِ ، وَاللِّسَان بِالصِّدْقِ، وَالنَّظر بِالْعِبْرَة۔

تین قسم کی شہوتیں ہیں یعنی نفسانی خواہشات ہیں ۔ایک شہوت کھانے کی ہے ،دوسری شہوت گفتگو کی ہے اور تیسری شہوت نظر یعنی آنکھ کی ہے ۔لہٰذا ان کی حفاظت اس طرح کرو کہ اپنے رزق کے لئے خدا پر بھروسہ کرو، زبان سے سچ بولو اور آنکھ سے عبرت حاصل کرو۔

جس نے خوراک میں توکل کیا وہ لذت طعام کے فتنہ سے محفوظ رہا، اور جس نے

زبان کوسچائی کا عادی بنالیا وہ زبان کے فتنہ سے محفوظ رہا، اور جس نے آنکھ سے درست کام لیا وہ نظر کے فتنہ سے دور رہا۔

☆ حضرت ابوبکر وراقؒ کا ارشاد ہے:

" اَلنَّاسُ ثَلٰثَةٌ ، اَلْعُلَمَاءُ وَالْاُمَرَآءُ وَالْفُقَرَآءُ ، فَاِذَا فَسَدَ الْعُلَمَاءُ فَسَدَ الطَّاعَة وَالشَّرِيْعَة، وَاِذَا فَسَدَ الْاُمَرَاءُ فَسَدَ الْمَعَاش، وَاِذَا فَسَدَ الْفُقَرَآءُ فَسَدَ الْاَخْلَاق "۔

لوگ تین طرح کے ہیں، علماء، امراء، اور فقراء۔ جب علماء خراب ہو جاتے ہیں تو خلق کے طاعت و احکام تباہ ہو جاتے ہیں، اور جب امراء خراب ہو جاتے ہیں تو لوگوں کی معیشت تباہ اور برباد ہو جاتی ہے، اور جب فقراء خراب ہو جاتے ہیں تو لوگوں کے اخلاق برباد ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا امراء وسلاطین کی خرابی ظلم و ستم، علماء کی حرص و طمع کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اور فقراء کی خرابی جاہ و منصب کی خواہش میں رونما ہوتی ہے۔ جب تک امراء وسلاطین علماء سے منہ نہ موڑیں تباہ و برباد نہیں ہوتے، اور جب تک علماء بادشاہوں کی صحبت سے اجتناب کریں تباہ و خراب نہیں ہوتے، اور جب تک فقراء میں جاہ و حشم کی خواہش پیدا نہیں ہوتی تباہ و خراب نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ بادشاہوں کا ظلم بے علمی کی وجہ سے، علماء میں طمع بد دیناتی کی وجہ سے اور فقراء میں جاہ و حشم کی خواہش بے توکلی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا بے علم بادشاہ، بد دیانت عالم اور بے توکل فقیر بہت برے ہوتے ہیں۔ لوگوں میں خرابیوں کا ظہور اور برائیوں کا صدور ان ہی تینوں گروہوں سے رونما ہوتا ہے۔

(کشف المحجوب ص 243)

☆ حضرت ابومحمد بن احمد بن حسین حریریؒ کا ارشاد ہے کہ:

" دَوَامُ الْاِیْمَانِ وَقَوَامُ الْاَدْیَان وَ صَلَاحُ الْاَبْدَانِ فِیْ ثَلٰثَةِ خِصَالٍ ، اَلْاِکْتِفَاءُ، وَالْاِتِّقَآءُ ، وَالْاِحْتِمَاء ، مَنِ اکْتفٰی بِاللّٰهِ صَلُحَتْ سَرِیْرَتَهٗ، وَمَنِ اتَّقٰی مَا نَهَی اللّٰهُ عَنْهُ اِسْتَقَامَتْ سِیْرَتَهٗ، وَمَنِ احْتَمَامَا لَمْ یُوَافِقْهُ اِرْ تَاضَتْ طَبِیْعَتَهٗ ، فَثَمْرَةُ الْاِکْتِفَاء صَفْوُالْمَعْرِفَة، وَ عَاقِبَةُ الْاِتِّقَاء حُسْنُ الْخَلِیْقَة ، وَغَایَةُ الْاِحْتِمَاء اِعْتِدَالُ الطَّبِیْعَة" ۔

ایمان کا دوام ، دین کا قیام اور بدن کی اصلاح کا انحصار تین چیزوں پر ہے ۔قناعت ، تقویٰ اور غذا کی حفاظت ۔جس نے خدا پر اکتفا کیا اور اسی پر قناعت کی ،اس کے باطنی اسرار درست رہیں گے ، اور جس نے خدا کی ممنوعہ چیزوں سے اجتناب کیا اس کی سیرت عمدہ اور مضبوط ہو جائے گی ، اور جس نے نا موافق غذا کھانے میں احتیاط برتی اس کی طبیعت درست رہے گی ۔ لہٰذا اکتفا وقناعت کا پھل صفائے معرفت ہے ، اور تقویٰ کا نتیجہ پا کیزہ اخلاق سے مزین ہونا ہے ، اور غذا میں احتیاط کا ثمرہ تندرستی کا ضامن ہے ۔

مطلب یہ کہ جو اللہ تعالیٰ پر اکتفا کرتا ہے اس کی معرفت پاک وصاف ہو جاتی ہے اور جو معاملات میں تقویٰ کا دامن تھامے رہتا ہے اس کی عادت وخصلت دنیا وآخرت میں عمدہ ہو جائے گی ، جیسا کہ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

" مَنْ کَثُرَ صَلٰوةً بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ"

جو رات میں نماز کی کثرت رکھتا ہے اس کا چہرہ دن میں چمکتا دمکتا رہتا ہے ۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ روز قیامت اہل تقویٰ اس شان سے لائے جائیں گے کہ:

"وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰى مَنَابِرٍ مِّنْ نُوْرٍ"

ان کے چہرے منور ہوں گے، اور نوری تختوں پر جلوہ فگن ہوں گے۔

اور جو غذا میں احتیاط برتتا ہے اس کا جسم بیماری سے اور اس کا نفس خواہشات سے محفوظ رہتا ہے۔

تصوّف کے چار دور

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ہمعات میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تصوّف کے چار دور گزرے ہیں۔

(1) تصوّف کا پہلا دور

فرماتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانے میں چند نسلوں تک اہل کمال کی بیشتر توجہ شریعت کے ظاہری اعمال کی طرف رہی۔ ان حضرات کو باطنی زندگی کے جملہ مراتب شرعی احکام کی پابندی کے ذیل میں حاصل ہو جاتے تھے۔

چنانچہ ان بزرگوں کا احسان اور حاصل تصوّف شرعی احکام کی پابندی، نمازوں کی ادائیگی، ذکر و تلاوت، روزہ رکھنا، زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی، اور جہاد کرنا تھا۔ اور ان ہی اعمال سے انہیں ربّ العالمین کا قرب اور حضوری حاصل ہوتی تھی۔

اور ان کو ذکر و اذکار اور نماز میں لذّت ملتی تھی، قرآن مجید کی تلاوت سے متأثر ہوتے تھے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی، اللہ کے حکم کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو بخل کے روگ سے بچانے کے لئے کرتے تھے۔

اس طرح شریعت کے دوسرے احکام بجا لانے میں بھی ان کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ یہ بزرگ محض اللہ کا حکم سمجھ کر شرعی احکام ادا نہ فرماتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان شرعی

احکام کی بجا آوری سے ان کے باطنی تقاضوں کی بھی تسکین ہوتی تھی۔

ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو سر نیچے کئے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا۔ یا بے ہوش ہوتا، یا وجد میں آ کر اپنے کپڑے پھاڑنے لگتا۔ یہ حضرات جنت کی رغبت و آرزو رکھتے اور دوزخ سے خائف رہتے تھے۔ قصّہ مختصر یہ کہ اُس دور میں جسے تصوّف یا احسان کا پہلا دور کہنا چاہئے اہل کمال کا غالب طور پر یہی حال رہا۔

تصوّف کا دوسرا دور

حضرت جنیدؒ جو گروہ صوفیاء کے سرخیل ہیں، ان کے زمانے میں یا ان سے کچھ پہلے تصوّف کے ایک اور رنگ کا ظہور ہوتا ہے، اس زمانے میں یہ ہوا کہ اہل کمال میں سے عام طبقہ تو اسی طریقہ پر کار بند رہا جس کا ذکر پہلے دور کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

لیکن ان میں سے جو خواص تھے انہوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کیں، دنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیا، اور مستقل طور پر ذکر وفکر میں لگ گئے۔ دل کو تعلق باللہ کی نسبت کے حصول میں وہ مدتوں مراقبے کرتے رہے۔

انہوں نے دنیا سے اپنا رشتہ توڑ کر پہاڑوں اور صحراؤں میں پناہ لی، گھاس اور پتوں پر زندگی گزاری، گودڑیاں پہننے لگے، نفس و شیطان کے مکروں اور دنیا کے فریبوں سے یہ خوب واقف تھے، اور ان سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے مجاہدے کرتے رہے۔

الغرض اس دور کے اہل کمال کا تصوّف یہ تھا کہ وہ اللہ کی عبادت دوزخ کے عذاب سے ڈر کر یا جنت کی نعمتوں کی طمع میں نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کی عبادت کا محرک اللہ عزوجل تعالیٰ کے ساتھ ان کی محبت کا جذبہ ہوتا تھا۔ ان بزرگوں پر طاعت کا رنگ غالب تھا، اور طاعت کے انوار سے سرشار تھے۔

تصوّف کا تیسرا دور

سلطان طریقت شیخ ابوسعید بن ابی الخیرؒ اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے زمانے میں طریق تصوّف میں ایک اور تغیّر رونما ہوتا ہے، اس دور میں اہل کمال میں سے عوام تو حسب سابق شرعی اوامر و اعمال پر ٹھیرے رہے، اور خواص نے باطنی احوال و کیفیات کو اپنا نصب العین بنایا۔ اور جو خواص الخواص تھے انہوں نے اعمال و احوال سے گزر کر جذب تک رسائی حاصل کی۔ اس "جذب" ہی کی وجہ سے ان کے سامنے "توجہ" کی نسبت کا راستہ کھل گیا۔ اسی سے تعینات کے سب پردے ان کے لئے چاک ہو گئے، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہی ایک ذات ہے جس پر تمام اشیاء کے وجود کا انحصار ہے۔ وہی ذات سب اشیاء کی قیّوم اور ان کو تھامنے والی ہے۔ یہ لوگ اُس ذات میں گم ہو گئے، اور اس کے رنگ میں ان کے نفوس رنگے گئے۔ چنانچہ اس حال میں نہ اُن کو اوراد و وظائف کی چنداں ضرورت رہی، اور نہ ہی انہیں مجاہدے اور ریاضتیں کرنے اور نفس اور دنیا کے فریبوں کی شُد بُد رہی۔ اُن کی تمام تر کوشش کا مقصد یہ ٹھرا کہ جس طرح بھی ہو "توجہ" کی نسبت کی تکمیل کریں۔ "توجہ" کے علاوہ باقی جو نسبتیں ہیں یہ لوگ اُنہیں نورانی حجاب سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں توحید وجودی اور توحید شہودی میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ دراصل ان بزرگوں کی اصل غایت یہ تھی کہ ذاتِ الٰہی میں اپنے وجود کو گم کر کے اس مقام کی کیفیات سے لذت اندوز ہوں، چنانچہ وہ اس بحث میں نہیں پڑتے تھے کہ کائنات کا وجودِ الٰہی سے کیا تعلق ہے؟ انسان اللہ کی ذات میں کیسے گم ہوتا ہے؟ اور فنا اور بقاء کے کیا حقائق ہیں۔

تصوّف کا چوتھا دور

شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ اور ان سے کچھ پہلے کا زمانہ ہے۔ اس عہد میں ان اہل

کمال بزرگوں کے ذہنوں میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ کیفیات اور احوال کی منزل سے آگے بڑھ کر حقائق تصوّف کی بحث وتدقیق کرنے لگتے ہیں۔ ذات واجب الوجود سے یہ کائنات کس طرح صادر ہوئی، ان بزرگوں نے ظہورِ وجود کے مدارج اور تنزلات دریافت کئے، اور اس امر کی تحقیق کی کہ واجب الوجود سے سب سے پہلے کس چیز کا صدور ہوا، اور یہ صدور کس طرح عمل میں آیا۔ الغرض یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل ان لوگوں کے لئے موضوع بحث بن گئے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تصوّف کے ان چاروں ادوار میں جو بھی اہل کمال بزرگ گزرے ہیں، وہ اپنے ظاہری اعمال و احوال میں الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن جہاں تک ان کی اصل کا تعلق ہے میرے نزدیک وہ سب ایک ہیں۔

ان بزرگوں کے ہر طبقے کے اقوال و احوال کو ان کے زمانے کے ذوق کے مطابق جانچنا چاہئے۔ اس سلسلے میں یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ہم ایک عہد کے اربابِ تصوّف کے اقوال اور احوال کو دوسرے عہد کے معیاروں سے ناپتے پھریں۔

(ھمعات: ص 51)

تصوّف کے بارے میں صوفیوں کے اقوال

تصوّف کے بارے میں مشائخ صوفیہ نے یا تو اپنے حسب حال جواب دیا ہے، یا پوچھنے والے کے مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ اگر پوچھنے والا مرید ہے تو اس کے احوال کے مطابق، اگر متوسط درجہ رکھتا ہے تو اس کے احوال کے مطابق اور اگر عارف ہے تو اس کی حقیقت کے لحاظ سے۔ بعض نے کہا کہ تصوّف کا اول علم ہے، اور اوسط عمل ہے، اور آخر موہبت۔ علم مراد کو ظاہر کرتا ہے، عمل طالب کی طلب پر معین و مددگار ہوتا ہے، اور موہبت مقصود و مراد تک پہنچاتا ہے۔

اہل تصوّف کے تین طبقات ہیں : مرِیدِ طالب، متوسطِ سالک، اور منتہی واصل۔ پس مرید صاحب وقت ہے، اور متوسط صاحبِ حال ہے، اور منتہی صاحبِ نفس۔ (نَفَس کے معنیٰ ہیں دل کا مشاہدۂ غیب میں محظوظ ہونا)۔ پس مرید طالب، طلب مراد میں تکلیف اٹھاتا ہے، اور متوسط منازل کے آداب کو طلب کرتا ہے، اور وہ صاحب تلوین ہے، اس لئے کہ وہ رنگ بدلتا رہتا ہے، اور وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے، اور اس کی زیادتی اور اضافہ میں مشغول رہتا ہے۔ اور منتہی واصل وہ ہے جس نے تمام مقامات طے کر لئے ہیں، اور تمکین کے مقام کو پہنچ گیا ہے جس کو کوئی حالت متغیر نہیں کر سکتی، اور احوال و خطرات اس پر اثر نہیں کر سکتے۔

پس مرید کا مقام مجاہدات کرنا، تکالیف کو برداشت کرنا، اور کڑوے گھونٹ پینا، اور نفس کی خواہشوں اور منفعتوں سے دور رہنا ہے۔ اور متوسط کا مقام، طلبِ مراد میں خطرات میں در آنا، اور ہر حالت میں سچائی کو مقدم رکھنا، اور ہر مقام پر اس کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہے۔ منتہی کا مقام بیداری اور تمکین اور جہاں کہیں حق اس کو بلائے اس کو قبول کرنا ہے۔ اس کی حالت سختی اور نرمی، منع اور عطا، جفا اور وفا میں مساوی رہے۔ اس کا کھانا اس کی بھوک کی طرح ہو جائے، اور اس کا سونا اس کی بیداری کی طرح ہو جائے، اس کی خواہشات فنا ہو جائیں، اور حقوق و واجبات باقی رہ جائیں، اس کا ظاہر خلق کے ساتھ ہو، اور اس کا باطن حق کے ساتھ۔ اور یہ تمام باتیں پیارے پیغمبر ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے حالات سے منقول ہیں۔ آپ ﷺ ابتداء میں غار حرا میں گوشہ نشین رہے، پھر خلق کے ساتھ رہے، اور آپ کے ہاں خلوت اور جلوت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اور یہی حال اہل صفّہ کا تھا کہ وہ حالت تمکین میں تھے۔ اور امراء اور وزراء ہونے پر بھی مخالطت نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔

(آداب المریدین: عربی: ص 17، اردو: ص 30)

تصوّف کے سلسلے

پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانے میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ و اصول فقہ وغیرہ جدا جدا متمیّز نہیں تھے، بعد میں آنے والے علمائے دین نے، دین کی تائید وتبلیغ کے لئے ایک ایک علم الگ کر کے اس کے قواعد مقرر کیئے۔ اسی طرح علم تصوّف کو بھی مشائخ کرام نے قرآن وحدیث سے نکال کر باطن کی صفائی کے بعض اذکار و اشغال و مراقبات، خاص طریقے سے بتائے ہیں کہ ان پر عمل کر کے انسان کو تزکیۂ باطن جلد نصیب ہو جاتا ہے۔

جس طرح پچھلے زمانہ میں قرآن وحدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا نام جداگانہ تجویز ہوا، اور ان کے واضعین کو سب نے مانا، حتّٰی کہ امام شافعیؒ کو امام ابوحنیفہؒ اور ان کی فقہ فی الدّین کو دیکھ کر یہ کہنا پڑا کہ:

اَلنَّاسُ فِی الْفِقْهِ عَیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَة

لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کی عیال ہیں

امام بخاری حدیث میں ایسے امام مانے گئے ہیں کہ آج تک ان کی محدّثیّت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اسی طرح تذکیہ باطن کے بتلانے والے ایسے بزرگان دین گزرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے، جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ تعالیٰ، اور ان سے قبل حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ وغیرہ۔

(تجدید تصوّف و سلوک: ص ۳۱،۳۰)

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بھی مشائخِ تصوّف کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع نصیب ہوا ہوگا، یا اس نے اہل تصوّف کی کتابیں اور رسائل

پڑھے ہوں گے ،اُسے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں ہوگا کہ تصوّف کے سب طریقوں کے بزرگوں اور ارباب ارشاد کی غالب اکثریت یقیناً اس امر پر پورا اتفاق رکھتی ہے کہ طریقت کی اصل ایک ہے۔ گو اہل طرق کے سلوک کی راہیں الگ الگ ہو گئی ہیں۔

یہاں کسی ایک سلسلہ کی دیگر سلاسل پر برتری دکھانا مقصود نہیں، جتنے بھی سلاسل ہیں سب واصل ہیں ،سب کا ایک ہی مقصد ہے تقرّب الٰہی ،محبت ذاتی ،فنا و بقا،حضور ودوامِ آ گاہی۔ البتہ مقصد کے حصول کے طریقوں میں فرق ضرور ہے ،کوئی راستہ قریب کا ہے جس کے ذریعے جلد منزل تک پہنچ جاتے ہیں،اور کسی میں ذرا دیر لگتی ہے ،اور محنت اور مشقت بھی زیادہ ہوتی ہے ۔اس کو موجودہ ترقی یافتہ زمانے کے ترقی یافتہ ذرائع آمد و رفت کی مثال سے آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلے حرمین شریفین کی زیارت کے لئے سمندری راستوں سے مہینوں میں پہنچتے تھے اب ہوائی جہاز کے ذریعے گھنٹوں میں پہنچ جاتے ہیں ،لیکن منزل دونوں کی ایک ہی ہے۔

طریقت کی یہ اصل جس سے آگے چل کر جملہ طرقِ تصوّف نکلے ، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کی طرف منسوب ہیں ، اس لئے کہ حضرت جنیدؒ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے تصوّف کے اکثر قواعد وقوانین کو مدوّن کیا، اور ان کے زمانے کے اہل تصوّف نے اپنے سلوک کی نسبت حضرت جنیدؒ سے ٹھیک کی تھی۔

براعظم ایشیاء میں تصوّف کے چار بڑے سلاسل موجود ہیں:

(1) سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیّہ احمدیّہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ سے شروع ہوتا ہے ، جنہوں نے 1389ء میں وفات پائی۔حضرت شیخ احمد سرہندی الفاروقی النقشبندی مجدد الف ثانیؒ (جو

برصغیر پاک وہند میں راسخ الاعتقادی کے احیاء کی علامت تھے) نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ایک نئی شاخ قائم کی جو مجددیہ کے نام سے مشہور ہے۔

(2) سلسلۂ قادریہ

یہ سلسلہ محی الدین عبد القادر ابن عبد اللہ الجیلیؒ کا ہے جو سلسلۂ قادریہ کے نام سے جاری ہے ۔اس سلسلہ کے صوفیاء شریعت پر سختی سے کاربند، اور امور دین کے ادا کرنے میں پوری احتیاط اور انہاک ملحوظ رکھتے تھے ۔اور تمام صوفیانہ مسائل کی اساس قرآن اور حدیث پر استوار کرتے تھے۔

(3) سلسلۂ چشتیہ

یہ سلسلہ ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے شروع ہوتا ہے ،جن کی وفات 1236ء میں ہوئی۔

(4) سلسلۂ سہروردیہ

سلسلۂ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین عمر بن عبد اللہ السہر وردی 1144ء/ 539ھ یا 1258ء تھے جو اپنے زمانہ میں خلفاء اور شہزادوں کے مقرب تھے۔ان کی سب سے مشہور تصنیف عوارف المعارف ہے۔بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے ذریعہ یہ سلسلہ برصغیر پاک و ہند میں پہنچا۔ہر سلسلہ کی کئی شاخیں ہیں اور ہر شاخ سے کئی گوشے نکل آئے ہیں ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلوک کے نمونے نمودار ہو گئے ہیں اور ان سب میں کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے یہ فرق مختلف طبیعتوں کے تقاضاؤں کا نتیجہ ہے جو الہامی طور پر جلیل القدر بزرگوں کے قلوب پر واردات کے طور پر رونما ہوئے ہیں۔

اَذکار و اشغال

سلسلۂ عالیہ

نقشبندیہ

مجدّدیّہ

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ: غفراللہ ولوالدیہ﴾

اذکار و اشغال سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ برخلاف دوسرے سلسلوں کے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ امیر المؤمنین خلیفۂ رسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم باطن کی تعلیم بدرجۂ اتم پیارے پیغمبر ﷺ سے حاصل کی تھی، اور پیارے پیغمبر ﷺ نے اپنی نسبتِ خاص الخاص (یعنی نسبتِ باطنی) کا انہیں مظہر بنایا تھا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ نسبت سلسلہ وار حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ تک پہنچی ہے اس طرح سے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ملی۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت قاسمؒ کو۔ پھر اُن سے حضرت امام جعفر صادقؒ کو پہنچی۔ حضرت امام جعفر صادقؒ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی نسبت بھی شامل ہوئی، لیکن یہ نسبتِ صدیقی الگ محفوظ رہی۔ اور سلسلہ یہ سلسلہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے ہوتے ہوئے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ تک پہنچی۔

اور پھر سلسلۂ نقشبندیہ خواجۂ خواجگان، پیران پیر امام طریقت وشریعت قطب المحققین حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کی ذات گرامی سے شروع ہوا۔ آپ سے پہلے یہ سلسلہ، سلسلۂ صدیقیہ یا "طریقۂ خواجگان" کے نام سے مشہور تھا۔

درمیانی نام مسلسل یہ ہیں:

(1) حضرت ابوبکر صدیقؓ

(2) حضرت سلمان فارسیؓ

(3) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ

(4) حضرت امام جعفر صادقؒ

(5) حضرت بایزید بسطامیؒ

(6) حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ

(7) حضرت شیخ بوعلی فارمدیؒ

(8) حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ

(9) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

(10) حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ

(11) حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ

(12) حضرت شیخ علی راستینیؒ

(13) حضرت خواجہ محمد باباسمّاسیؒ

(14) حضرت شمس الدین امیر کلالؒ

(15) قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبندؒ

قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبندؒ

قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبندؒ نسباً سید ہیں اور حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت محرم 708ھ ہجری میں ہوئی، اور وفات شب دوشنبہ 3 ربیع الاوّل 791ھ میں ہوئی۔

نقشبندی کہلانے کی وجہ تسمیہ

آپ کو نقشبندی کیوں کہتے ہیں اس کے بارے میں ایک روایت جو کتب کے اندر لکھی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے زمانہ میں رنگ کے ٹھپے کپڑوں پر لگاتے تھے، جس کی وجہ سے کپڑوں پر مختلف پھول و بوٹے پرنٹ ہوجاتے تھے، اس وجہ سے وہ نقشبند مشہور

ہو گئے ۔ جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اسم ذات "اللہ" کی شکل بنا کر سالک کے قلب پر رکھتے تھے، اور اس کے دل پر توجّہ دیتے ہوئے زور سے "اللہ" کہتے تھے جس کی وجہ سے سالکین کے دلوں پر "اللہ" کا نام نقش ہو جاتا تھا، اور سالک یوں محسوس کرتا تھا کہ اس کے دل پر کسی نے اللہ کا نام لکھ دیا ہے، اس لئے اُن کا نام "نقشبند" پڑ گیا، اور آپ کا سلسلہ نقشبندیہ مشہور ہوا۔

نسبتِ نقشبندیہ کا ظہور

حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ نے محسوس کیا کہ مقامات سلوک طے کرنے کے لئے استعداد میں کمی آ گئی ہے، نبوت کا زمانہ دور ہونے اور قیامت کے قریب ہونے کی وجہ سے ظاہری و باطنی صلاحیتوں میں انحطاط واقع ہوا ہے۔ طالبوں میں نہ تو پہلے جیسا ذوق وشوق پایا جاتا ہے، اور نہ ان میں پہلی جیسی ہمّت اور ولولہ باقی ہے ۔اس صورت حال کے پیش نظر حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ نے جناب باری عزّوجلّ تعالیٰ میں عرض کیا کہ آسان اور واصل ترین طریقے کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی جائے ۔روایات میں آتا ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ پر چھ مہینے تک قبض کی کیفیت رہی ۔

قبض اور بسط سے مراد

ربّ العالمین کے دو اسماء ہیں "اَلْقَابِضُ ، اَلْبَاسِطُ " اللہ کے اسماء میں سے "اَلْقَابِضُ " کی تجلّی جب سالک پر پڑتی ہے تو قبض کی کیفیت ہو جاتی ہے، اور "اَلْبَاسِطُ " کی تجلّی سے بسط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دونوں کیفیات کا مقصود آزمائش ہوتی ہے کہ میرا بندہ صبر اور شکر کرتا ہے یا نہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (البقرۃ:۲۴۵)

اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے، اور وسعت دیتا ہے، اور اُسی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔

اندراج النہایت فی البدایت

تو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ پر چھ ماہ تک قبض کی کیفیت کے بعد جب بسط کی کیفیت طاری ہوئی تو اللہ ربّ العزّت کی رحمت متوجہ ہوئی ، اور الہام ہوا کہ اے میرے بندے! مانگ مجھ سے کیا مانگتا ہے۔حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ نے دعاء مانگی کہ اے اللہ! ایسی نسبت عطا فرما دیجئے جو آپ تک پہنچنے کے لئے سب سے اقرب، اور سب سے آسان ہو۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو قبول فرماتے ہوئے نسبت نقشبندیہ ان پر ظاہر فرمائی۔جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ طریقہ موصل ہے، اور اس میں نہ محرومی ہے، اور نہ سخت مجاہدہ پایا جاتا ہے، اور اس میں اندارج النہایت فی البدایت کے اصول پر تعلیم دی جاتی ہے کہ جہاں اوروں کی انتہا ہے، وہاں ہماری ابتداء ہے۔

(حقیقت تصوّف و سلوک: ص ۱۶۲)

اس سلسلہ کی ابتداء میں ذکر زبانی شامل تھا۔حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ نے الہام کی بنا پر اس طریقۂ ذکر کو بند کیا اور سلوک کی ابتدا " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ " کے پوشیدہ ذکر سے کرائی ، اور اسم ذات "اللہ" کو بعد میں رکھا۔ اسی طرح حبسِ دم یعنی سانس کو روک کر ذکر کرنے کی ابتدا بھی آپ سے ہوئی۔

جب کہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے سلوک کی ابتداء اسمِ ذات "اللہ" سے کرائی اور " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ " کو بعد میں رکھا ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی الفاروقی النقشبندیؒ کی ولادت ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں ہوئی، اور انتقال ۱۰۳۴ھ مطابق 29 نومبر 1624ء کو ہوا۔

سلسلۂ نقشبندیہ کے متعلق ایک قول

سلسلۂ نقشبندیہ کے متعلق ایک قول یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ کے پیر تعلیم حضرت خواجہ خضر علیہ اسلام ،اور پیر خرقہ خواجہ یوسف ہمدانیؒ تھے ۔خواجہ یوسف ہمدانیؒ ،شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور پھر چند واسطوں سے بایزید بسطامیؒ پھر حضرت امام جعفر صادقؒ، پھر امام محمد باقرؒ پھر امام زین العابدینؒ، پھر امام حسینؓ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ ۔

بعض صوفیائے کرام کا یہ خیال ہے کہ جتنے سلسلے نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ ہیں سب کی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتی ہے ۔

(سوانح عمری حضرت مجدّد الف ثانی سرھندیؒ: ص 53)

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں شہود دائمی کا نام شہود ہے ۔ اور شہود غیر دائمی بر خلاف تمام دیگر سلسلوں کے نا قابل اعتبار ہے ۔ اس طریقہ کی منزلیں بغیر متابعت شریعت کے میسر نہیں ہوتیں ۔

☆ اس سلسلہ میں مدو جذبہ سے راہ طے کی جاتی ہے ۔اور دوسرے سلسلوں میں ریاضتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ سے راہ طے کی جاتی ہے ۔

☆ اس سلسلہ میں ذکر جہر، سماع اور رقص سے پرہیز کیا جاتا ہے ۔

☆ اس طریق میں جذبہ، سلوک پر مقدم ہے، اور سیر کی ابتداء عالمِ اَمر سے ہے برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے کہ ان کی سیر کی ابتدا عالمِ خلق سے ہے ۔

☆ اس طریقہ میں سلوک کی منزلیں جذبہ کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں ، اور عالمِ خلق کی سیر عالمِ امر کے سیر میں میسّر ہو جاتی ہے ۔ پس اگر اس اعتبار سے بھی لکھیں کہ اس طریق میں انتہاء ابتدا میں درج ہے تو گنجائش ہے ۔

☆ اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوار و مشائخ سماع و رقص کو پسند نہیں کرتے ، اور ذکر

جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ان کا حال دائمی ہے، اوران کا وقت استمراری ہے۔ وہ تجلّی ذاتی جو دوسروں کے لئے برق خائف کی طرح ہے۔ ان کے لئے دائمی ہے، اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو، ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے۔

☆ اس طریق میں پیری و مریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے۔ نہ کہ کلاہ وشجرہ پر، جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مرسوم ہے۔ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ بات تعلیمِ طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے۔ کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا بھی رہنما ہے اور طریقت کا بھی۔

☆ اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے، نفس امّارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے اور سنّتِ سنیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے اُس نفسِ امّارہ کی خواہشوں کا دور کرنا مقصود ہے، جو اپنے مولیٰ جلّ شانہٗ کی دشمنی میں قائم ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنّت کی تقلید کے سوا اختیار کی جائیں، معتبر نہیں ہیں۔ کیونکہ جوگی، ہندو، برہمن اور یونان کے فلسفی بھی اس امر میں شریک ہیں۔ اور اُن کی ریاضتیں اُن کے حق میں گمراہی بڑھانے کے سوا اور کچھ نہیں کرتیں۔

☆ اس طریقۂ عالیہ میں زیادہ تر فائدہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ اس کی توجہ کے مناسب اور اس کے مقام کے موافق خاموشی اور گونگا ہونا ہے۔

"مَنْ عَرفَ اللّٰہَ کلّ لسانہٗ

اس بات کا مصداق ہے۔

(سوانح عمری مجدد الف ثانی: ص206)

در وصفِ طریقۂ نقشبندیہ

عجب یہ طریقہ ہے مہرِ منیر — کہ صدیق اکبرؓ سے ہے مُستَنیر
طریق ابوبکر صدیقؓ دیں — ہے ختمِ نبوّت کا نقشِ نگیں
اسی سے ہوا نقشبندی لقب — کہ ہے سب طریقوں کا وہ منتخب
کروں صدق اس کی میں کیوں کر بیاں — جو خورشیدِ عالم میں ہے وہ عیاں
نہیں رسمِ بدعت کا دستور یاں — کہ ہر شے ہے نُورٌ علیٰ نُور یاں
یہاں ہے بس اتباعِ رسول — بجز پاسِ سنّت نہیں کچھ قبول
ہے اشبہ طریقوں سے اصحاب کے — مُوافق شریعت کے آداب کے

☆☆☆☆☆

در مدحِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ابوبکرؓ ہے یارِ غارِ رسولؐ — بہ صد صدق ہے، جاں نثارِ رسولؐ
ابوبکرؓ ہے سب طریقوں کا پیر
ابوبکرؓ ہے سب طریقوں میں شاہ — ابوبکرؓ ہے چوں ستاروں میں ماہ
ابوبکرؓ امّت کا ہے پیشوا — ابوبکرؓ اصحاب کا مقتدا
کوئی صدق سے لے اگر اُس کا نام — کرے حل سب مشکل اس کی تمام
کوئی کیا کرے مدحِ آں مستطاب — کہ ہے دین میں چوں جز اوّل کتاب

☆☆☆☆☆

ذکر کے چھلکے اور مغز

حضرت امام غزالیؒ نے جو کہ حضرت شیخ بوعلی فارمدی طوسیؒ کے مرید تھے ذکر کے چار مراحل بتائے ہیں ان میں سے تین کو چھلکوں اور ایک کو مغز سے تعبیر کیا ہے۔حضرت امام غزالیؒ کے قول کے مطابق:

ذکر کا پہلا چھلکا

ذکر کا پہلا چھلکا زبانی ذکر ہے جس میں زبان تو ذکر کرے مگر دل غافل ہو اس قسم کے ذکر سے زبان تو بیہودہ باتوں سے محفوظ رہتی ہے اور اس بات کا بھی امکان ہوتا ہے کہ اس زبانی ذکر سے دل متاثر ہو کر ذکر میں مشغول ہو جائے اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ذکر کا دوسرا چھلکا

ذکر کا دوسرا چھلکا ذکر خفی یعنی دل سے اس طرح پوشیدہ ذکر کرنا ہے جس میں دل کے نہ چاہتے ہوئے بھی زبردستی اس سے ذکر کرایا جائے۔اور اسی سے ذکر کی ابتداء ہوتی ہے۔

ذکر کا تیسرا چھلکا

ذکر کا تیسرا چھلکا دل کا دائمی طور پر ذکر میں اس طرح مشغول ہونا ہے کہ اگر دل کو زبردستی بھی ذکر کرنے سے روکا جائے تو وہ نہ رکے،اس کیفیت کا حاصل ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے ذکر دائمی کی اس کیفیت کے حاصل ہو جانے کے ساتھ بقول بعض بزرگوں کے ذاکر کا نام اولیاء اللہ کے دفتر میں داخل کر دیا جاتا ہے،لیکن پھر بھی اس کو چھلکے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ذکر کا مغز

ذکر کا چوتھا مرحلہ وہ ہے جس کو ذکر کا مغز کہا جاتا ہے کہ جس میں مذکور قلب میں سما جاتا ہے ،یعنی" اللہ اللہ" کا ورد کرنا تو بند ہوجاتا ہے لیکن اللہ کی پاک ذات دل میں سما جاتی ہے اور امام غزالیؒ کے بقول یہاں سے ولایت کا آغاز ہوتا ہے ۔جس خوش قسمت کو یہ چوتھا مرحلہ حاصل ہو جائے تو پھر بھی اس کو اسم ذات کے ساتھ ذکر کو نہیں چھوڑنا چاہئے ۔

نقشبندی سلسلہ میں بزرگوں کا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ سالک ذکر کرنے میں اتنی محنت کرے کہ وہ خود بخود جاری رہے خواہ اس میں اسم ہو یا نہ ہو، اور فرماتے ہیں کہ اسم کے بغیر یادالٰہی بہتر ہے اس سے کہ اسم کے ساتھ ہو اس لئے کہ یہ مراقبہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس سے "یادداشت" کی نسبت حاصل ہوتی ہے جو کہ مقصود ہے ۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ اسم ذات" اللہ اللہ" کے ذکر سے سالک میں جذب جلد پیدا ہوتا ہے اور" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ " کے ذکر سے سلوک جلد طے ہوتا ہے ۔جب تک سالک جذب حاصل نہیں کرتا وہ ولی اللہ نہیں بن سکتا خواہ جذب ابتدا میں حاصل کرے یا بعد میں ۔

اگر اس نے ابتدا میں جذب حاصل کیا تو وہ مجذوب سالک کہلاتا ہے اور دوسرے طریقے کے مطابق اسے سالک مجذوب کہتے ہیں ۔

سلوک ذاکر کی کوشش سے طے ہوتا ہے ،مگر جذب محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اس میں ذاکر کی کوشش کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

جسم اور روح کی غذا

انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے یعنی روح اور جسم مل کر انسان کہلاتا ہے اور ان دونوں کی تخلیق جداگانہ ہے۔

جسم کی بناوٹ عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی سے ہے۔

اور روح کا تعلق عالم امر سے ہے اور یہ صفات باری تعالیٰ کا پَرتو ہے۔

جسمِ انسانی کو زندہ اور صحت مند رکھنے کے لئے غذا اور انرجی کی ضرورت ہے اگر اس میں بگاڑ آجائے تو اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے اور اگر مسلسل اس کو کھانے پینے کے لئے کچھ نہ ملے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے مگر دونوں کی غذا جداگانہ ہے اسی طرح دونوں کی دوا بھی الگ الگ ہے۔

جسم کی غذا مادی ہے اور روح کی غذا روحانی ہے۔ مادی غذا کا جزو اعظم مٹی ہے مگر پانی، ہوا، اور گرمی کے ملنے سے مختلف چیزیں وجود میں آتی ہیں جو بدن کی غذا اور دوا کا کام دیتی ہیں۔

اور روحانی غذا کا جزو اعظم تجلیات باری ہیں جو اُسے عالم اَمر اور بالائے عالم اَمر سے نصیب ہوتی ہیں۔

جس طرح مادی غذاؤں کی تعمیر میں سورج، اس کی گرمی اور روشنی کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ ایسے ہی روحانی نظام میں آقائے نامدار سرور کائنات رحمت دو عالم ﷺ کی ذات گرامی کو یہ امتیاز حاصل ہے جس کو قرآن کریم نے "سِرَاجًا مُّنِيْرًا" سے واضح کیا ہے۔

اصل برکات تو آپ ﷺ کی ہیں مگر اولو العزم رسول بھی ان انوارات کو آپ ﷺ سے حاصل کر کے روح تک پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

علمِ لطائف

علم لطائف وہ کسوٹی ہے کہ اس کا شرف اللہ تعالیٰ نے متأخرین صوفیاء کو عطا فرمایا ہے۔ مشائخ صوفیامیں سے تہذیب نفس کے طریقوں پر اسی شخص کو زیادہ بصیرت حاصل ہے جو لطائف کا زیادہ علم رکھتا ہے، اور درحقیقت ایسا شخص ہی صحیح معنوں میں طالبان راہ کی رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

صوفیاء میں سے جولوگ لطائف سے آشنائی کا علم حاصل نہیں کر پائے ان کی مثال لطائف سے آشنا حضرات کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے مختلف امراض، امراض کے اسباب، و علامات، اور علاج اور مجرّب نسخوں سے واقف ماہر طبیب کے مقابلے میں معمولی سمجھ بوجھ رکھنی والی بوڑھی عورتیں جو محض اٹکل پچّو سے دوا دارو کرتی ہیں۔

بہرحال راہ سلوک کے طالب کے لئے ہر قسم کی آمیزش اور بے فائدہ باتوں سے پاک وصاف، اہل تمکین جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں کا راستہ بغیر لطائف کا علم حاصل کئے ممکن نہیں۔ اور لطائف سے بے خبری کی وجہ سے اسے کئی طرح کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

سالک پر کئی احوال اور فنا و بقا کے مختلف مقامات کا ظہور ہوتا ہے، اور وہ کسی حالت کی نسبت کسی ایک لطیفہ سے نہ سمجھنے کی وجہ سے حیران ہو جاتا ہے، اور اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا، اور جو کچھ اس سے پہلے حاصل ہوا ہے وہ خود فریبی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس وجہ سے اُس پر غم و اندوہ چھا جاتا ہے، اور اُس کے واردات بند ہو جاتے ہیں۔

اگر شروع ہی میں وہ ہر حالت کی نسبت کسی خاص لطیفے کی طرف کرتا، اور فنا و بقا

کے تمام واردات ایک خاص امر کے تحت سمجھتا، تو اس روحانی قبض سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔
دوسرا نقصان یہ ہے کہ علم لطائف سے بے خبر شخص جس وقت اولیائے کرام کے حالات دیکھے گا اور اس کی نظر ان کے احوال و اقوال کے اختلاف پر پڑے گی تو وہ شک میں پڑ جائے گا، کسی وقت وہ ان کی ایک حالت کو دیکھے گا اور کسی وقت دوسری، اس طرح وہ کام کرنے سے رک جائے گا۔

(الطاف القدس: ص 19)

جسم انسانی میں لطائف کی نشاندہی

جس طرح جسمِ انسانی میں دل، دماغ، پھیپڑے، جگر، گردے اعضاء رئیسہ ہیں اسی طرح انسانی روح میں جو اعضاء رئیسہ ہیں انہیں اصطلاح میں لطائف کہا جاتا ہے جو لطیفہ کی جمع ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے عالم امر کے ان لطائف کو چند جگہ انسان کے جسم میں امانت رکھ دیا ہے تاکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکے۔
محققین صوفیہ نے جسم انسانی میں ان لطائف کی نشاندہی کی ہے جس کے اندر مختلف سلاسلِ تصوّف میں تھوڑا بہت اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ مگر سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت قیومِ ربانی مجدّد الف ثانیؒ نے ان کی تعیین یوں کی ہے کہ:
انسان جو کہ عالم اصغر سے عبارت ہے، دس لطیفوں سے مرکب ہے جن میں پانچ کا تعلق" عالمِ اَمر" یعنی روحانی جہان سے ہے اور پانچ کا تعلق" عالم خلق" یعنی جسمانی جہان سے، مادہ عناصر اربعہ سے پیدا ہونے والی مخلوق کو عالم خلق کہا جاتا ہے جیسے فلکیات وارضیات، یہ پانچوں لطائف نفس، ہوا، پانی، آگ اور مٹی سے مرکب ہیں۔
یعنی ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے بتدریج پیدا فرمائی ہے وہ عالم خلق سے ہے۔ اور ہر وہ چیز جو ترکیب عناصر سے خالی ہو اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خالی اَمرِ کُن کے اشارے

سے پیدا فرمایاہو وہ عالم اَمر سے ہے۔(عالم خلق سے جتنی چیزیں ہیں محدود ہوتی ہیں اور کیفیت قبول کرتی ہیں ،اور عالم امر سے جو جو چیزیں ہیں وہ بے کیف اور غیر محدود ہیں جیسے روح)۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے :

''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ''

عالم امر کو عالم غیب، عالم ارواح، عالم لاہوت اور عالم حیرت بھی کہتے ہیں۔

بعض مشائخ عالم خلق کے لطائف کو پانچ شمار کرنے کے بجائے دوشمار کرتے ہیں (1) قالب (2) نفس ۔ اور قالب مرکب ہے عناصر اربعہ سے ،تو اس طرح مجموعی طور پر پانچ ہی ہوئے ۔

جیسےامام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ اس راہ کے طے کرنے میں جس کے ہم درپے ہیں ، لطائف کے موافق سات قدم ہیں ۔ دو قدم عالم خلق میں ہیں ،اور ان کا تعلق قلب اور نفس کے ساتھ ہے ،اور پانچ عالم امر میں ہیں ، اور یہ قلب ، روح سر، خفی ، اور اخفیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں۔

آ گے فرماتے ہیں کہ ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے ہیں ، چاہے وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی ہوں :

"اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفُ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَةٍ"

اللہ کے لئے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں۔

ان سات قدموں میں سے ہر قدم پر انسان اپنے آپ سے دور ہوتا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے ،اور پھر فنا اور بقا سے مشرف ہو کر بالآخر ولایتِ خاصہ کے درجہ تک پہنچتا ہے ۔

(سوانح حیات حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ص 171)

جن لطائف کا تعلق عالم اَمر یعنی روحانی جہان سے ہے وہ یہ ہیں

(1) لطیفۂ قلب

یہ دل کا مقام ہے ۔اور دل صنوبری رنگ کے گوشت کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو بائیں پستان سے دو انگلی کے بقدر نیچے پہلو کی طرف مائل ہےجس کی دھڑکن سے ہر ایک واقف ہوتا ہے۔

(2) لطیفہ روح

جو کہ قلب سے لطیف تر ہے ۔اس کی جگہ لطیفہ قلب کے مقابل دائیں پستان سے دوانگلیوں کی بقدر نیچے ہے۔

(3) لطیفہ سِر

اس کی جگہ بائیں پستان وقلب کے اوپر دو انگلیوں کی بقدر وسطِ سینے کی طرف مائل ہے۔

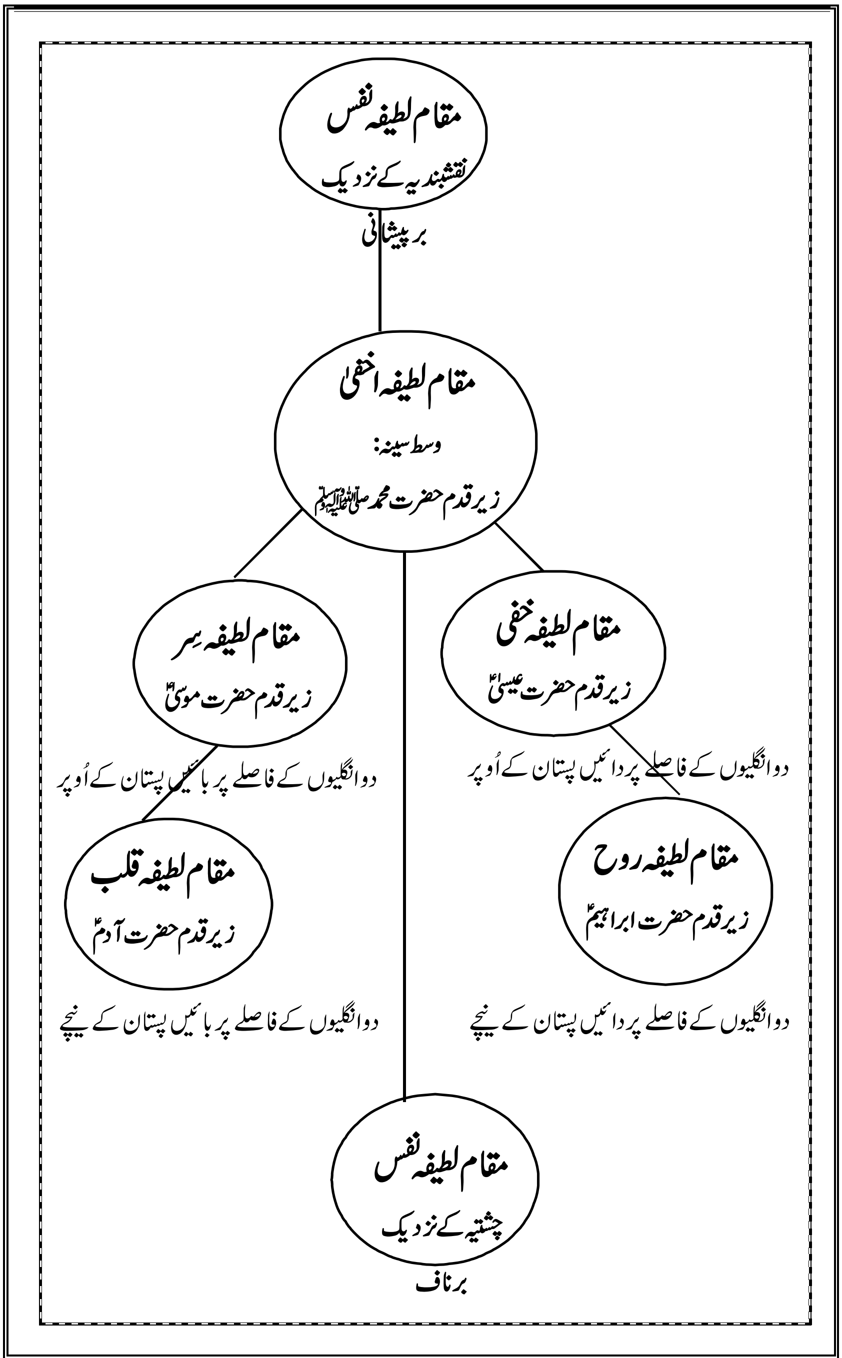
(4) لطیفہ خفی

اس کی جگہ دائیں پستان اور لطیفہ روح کے اوپر دو انگلیوں کی بقدر وسطِ سینہ کی طرف مائل ہے۔

(5) لطیفہ اخفیٰ

اس کی جگہ ان چاروں کے درمیان وسطِ سینہ ہے۔

شکل اس کی اس طرح ہے:


مقام لطیفہ نفس
نقشبندیہ کے نزدیک
بر پیشانی
مقام لطیفہ اخفیٰ
وسط سینہ:
زیر قدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مقام لطیفہ خفی
زیر قدم حضرت عیسیٰؑ
دو انگلیوں کے فاصلے پر دائیں پستان کے اُوپر
مقام لطیفہ سِر
زیر قدم حضرت موسیٰؑ
دو انگلیوں کے فاصلے پر بائیں پستان کے اُوپر
مقام لطیفہ روح
زیر قدم حضرت ابراہیمؑ
دو انگلیوں کے فاصلے پر دائیں پستان کے نیچے
مقام لطیفہ قلب
زیر قدم حضرت آدمؑ
دو انگلیوں کے فاصلے پر بائیں پستان کے نیچے
مقام لطیفہ نفس
چشتیہ کے نزدیک
بر ناف

ان لطائف کو عالم اَمر کہنے کی وجہ

ان لطائف کو عالم اَمر اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو کسی مادہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کُن سے پیدا کیا۔ ان پانچوں لطائف کے اصول عرش مجید پر ہیں، اور لا مکانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان جواہر مجردہ کو انسانی جسم کے اندر چند جگہوں میں امانت رکھا ہے۔

عالم امر کے یہ لطائف خمسہ دنیاوی تعلق اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے جب اپنے اصل مرکز کو بھول جاتے ہیں، اور اپنی نورانیت اور چمک دمک کھو بیٹھتے ہیں تو اس کی یاد دہانی کے لئے شیخِ کامل کی ضرورت ہوتی ہے جس کی کامل توجہ سے یہ لطائف بیدار ہو جاتے ہیں اور اپنے اصول سے آگاہ ہو کر ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کشش الٰہی ظاہر ہوتی ہے اور پھر وہ اپنی اصل اور اصل کی اصل کی طرف پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح ترقی کرتے ہوئے ان کو اکمل بقا ذاتِ بَحت کی طرف حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ اپنی کتاب الطاف القدس میں لکھتے ہیں کہ علم لطائف ایک عظیم میزان اور نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متأخرین صوفیائے کرام کو اس کے ساتھ برگزیدہ کیا ہے۔ گو پیارے پیغمبر ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت ختم ہو گئی لیکن اجزائے نبوّت کا سلسلہ جاری ہے۔ اجزائے نبوت سے مراد یہاں مفہومیت ہے جس کا سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا۔

جو حضرات اس مقام پر سرفراز ہوتے ہیں وہ حضور ﷺ کی نائب کی حیثیت سے دین کی تجدید کرتے ہیں، نیز وہ سلوک و طریقت کی رُو سے ارشاد و ہدایت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں، اور جو برائیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں ان کا وہ سدّ باب کرتے ہیں۔

شرحِ صدر

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی ابتدا قلب سے ہے، قلب سے گزر کر مراتب روح میں جو قلب سے اوپر ہے سیر واقع ہوتی ہے۔ روح سے گزر کر یہ معاملہ سِر کے ساتھ جو اس کے اوپر ہے، پڑتا ہے، یہی حال خفی اور اخفیٰ کا ہے۔

ان لطائف پنجگانہ کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد ان پنجگانہ لطائف کے اصول میں جو عالم کبیر میں ہیں، سیر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ عالم صغیر میں ہے، اس کی اصل عالم کبیر میں ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے مراد مجموعہ کائنات ہے۔

ان پنجگانہ لطائف کے اصول کی سیر کا آغاز عرشِ مجید سے ہے جو انسان کے قلب کی اصل ہے۔ اس کے اوپر روحِ انسانی کی اصل ہے۔ اس کے اوپر سِر انسانی کی اصل ہے، اور اصلِ سِر کے اوپر خفی کی اصل ہے، اور اصلِ خفی کے اوپر اخفیٰ کی اصل ہے۔

جب عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کو مفصّل طور پر طے کر کے اُس کے اخیر نقطہ تک پہنچتے ہیں اُس وقت دائرہ امکان تمام ہو کر فنا کی منزلوں میں سے اوّل منزل میں قدم رکھا جاتا ہے۔ بعد ازاں اگر ترقی واقع ہوئی تو اسماء و صفات واجب تعالیٰ کے ظلال میں سیر واقع ہو گی۔ اور یہ ظلال وجوب اور امکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں، اور عالمِ کبیر کے پنجگانہ مراتب کے لئے اصول کی طرح ہیں۔ ان ظلال میں بھی اسی ترتیب سے سیر ہو گی جس طرح ان کے فروع میں ذکر ہو چکا ہے۔ اگر اللہ جلّ شانہٗ کے فضل سے اُن ظلال کی منزلیں طے کر کے ان کے آخری نقطہ تک پہنچ جائیں تو پھر اسماء و صفات واجب تعالیٰ میں سیر شروع ہو گی۔ اور اسماء و صفات کے تجلیّات ظاہر ہوں گے، اور شیون و اعتبارات کا ظہور جلوہ فرما ہو گا۔ اس وقت عالم امر کے پنجگانہ لطائف کے معاملے سب کے سب طے ہو جائیں گے، اور ان کے حق ادا ہو چکیں گے۔

اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے بھی ترقی واقع ہوئی تو نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑے گا۔اور مقام رضا جو سلوک کے مقامات میں انتہائی مقام ہے، حاصل ہو جائے گا۔ اسی مقام میں شرح صدر ہوتا ہے، اور اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔ان کے مقابلہ میں وہ کمالات جو عالمِ امر سے متعلق ہیں ایسے ہیں جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ۔

(مجددالف ثانی:ص215)

عالمِ خلق یعنی جسمانی جہان کے لطائف یہ ہیں

(1) لطیفۂ نفس: اس کا مقام پیشانی کی وہ جگہ ہے جو سجدہ میں زمین کو لگتی ہے۔بعض حضرات نے لطیفہ نفس کا مقام ناف بتایا ہے۔

(2) لطیفۂ باد: (ہوا)

(3) لطیفۂ آب: (پانی)

(4) لطیفۂ نار: (آگ)

(5) لطیفۂ خاک: (مٹی)

آخری چار لطائف کو عناصر اربعہ اور لطیفہ قالبیہ بھی کہا جاتا ہے جو سارے بدن کو شامل ہے کہ ہر بن مُو سے "اللہ اللہ" کا ذکر جاری ہو جائے،مشائخ اس کو سلطان الاذکار بھی کہتے ہیں۔تحت الثریٰ سے تا عرش یہ سب عالم خلق ہے،اورعرش سے بالا عالم امر ہے۔

عالم خلق کے ہر لطیفہ کی اصل عالم اَمر کے کسی لطیفہ کی اصل ہے چنانچہ:

(1) لطیفۂ نفس کی اصل،اصلِ قلب ہے

(2) لطیفۂ باد کی اصل،اصلِ لطیفۂ روح ہے

(3) لطیفۂ آب: کی اصل،اصلِ لطیفۂ سِر ہے

(4) لطیفۂ نار: کی اصل، اصلِ لطیفۂ خفی ہے

(5) لطیفۂ خاک: کی اصل، اصلِ لطیفۂ اخفیٰ ہے

لطائف کا نور

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے خلفاء کی تحریروں کے مطابق ان لطائف میں سے ہر لطیفہ کا نور جدا جدا ہے چنانچہ:

(1) لطیفہ قلب: کا نور زرد ہے (2) لطیفہ روح کا نور سرخ ہے

(3) لطیفہ سِر کا نور سفید ہے (4) لطیفہ خفی کا نور سیاہ ہے

(5) اور لطیفہ اخفیٰ کا نور سبز ہے۔

بعض حضرات نے لطیفہ قلب کا نور سفید، لطیفہ روح کا نور پیلا، اور لطیفہ سِر کا نور سرخ ذکر کیا ہے۔ جب کہ بعض نے لطیفۂ قلب کا نور سرخ، لطیفہ روح کا نور سفید، لطیفہ سِر کا نور سبز، لطیفہ خفی کا نور نیلگوں اور لطیفۂ اخفیٰ کا نور سیاہ بتایا ہے۔

چھٹے اور ساتویں لطیفے (یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ قالب) پر بھی تجلیات باری ہوتی ہیں مگر ان کی رنگت، کیفیت اور کمیت کے بارے میں کچھ بھی متعین نہیں کیا جا سکتا، بس جیسے بجلی چمک جاتی ہے اور کچھ سمجھ نہیں آتا۔

بہر حال اصل مقصد لطائف کی بیداری ہے سالک کو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تجلّیوں کے رنگوں کے اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں۔

اولوالعزم رسول اور لطائف

اولوالعزم رسول پانچ ہیں:

(1) آقائے نامدار سرورِ کائنات، رحمت دو عالم جناب حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ

(2) حضرت نوح علیہ السلام (3) حضرت ابراہیم علیہ السلام
(4) حضرت موسیٰ علیہ السلام (5) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

جب کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانیت کے جد امجد ہیں۔

ان لطائفِ اَمر میں سے ہر لطیفہ انبیاء اولوالعزم میں سے کسی نبی کے تحت قدم مبارک واقع ہے۔انبیاءعلیہم السلام کی ذواتِ عالی کا تعلق لطائف سے اس طرح ہے جیسے آپ کے وجود کے ساتھ عناصر اربعہ کا، اب ہمیں مٹی تو نظر نہیں آتی، بظاہر وہ گوشت پوست کا انسان ہے، لیکن بنا وہ مٹّی، ہوا، پانی اور آگ سے ہی ہے۔

تو اسی طرح سے ہر نبی کو ربّ العالمین نے ایک کیفیت کا سمبل بنا دیا ہے۔جس طرح مٹّی کو ایک کیفیت کا حامل بنا دیا، ہوا کو دوسری کا، پانی کو تیسری کا، آگ کو چوتھی کا۔

اسی طرح انبیاءعلیہم السلام میں جو اولوالعزم ہیں انہیں سمبل بنا دیا ہے خاص خاص ریلیشن شپ (Relationship) کا۔ان سب کی ریلیشن شپ (Relationship) جہاں ملتی ہیں اُن کا مرکز ہیں آقائے نامدار سرور کائنات جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لطیفہ قلب: تو پہلے لطیفے پر جو انوارات آتے ہیں یہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہیں اس لئے کہ یہ زیرِ قدم حضرت آدم علیہ السلام کے واقع ہے۔اس کے انوارات اور برکات پہلے آسمان سے آتے ہیں، اور اگر مشاہدہ نصیب ہو تو ان کا رنگ زرد نظر آتا ہے، آسمان اوّل بھی نظر آسکتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت کا نصیب ہونا بھی محال نہیں۔

لطیفہ روح: زیرِ قدم حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقع ہے۔اس لئے اس دوسرے لطیفے پر ان دونوں نبیوں کے انوارات دوسرے آسمان سے آتے ہیں اور ان کی رنگت سنہری مائل بہ سرخ ہوتی ہے۔

لطیفہ سِر: زیرِ قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقع ہے۔اس کے انوارات

تیسرے آسمان سے آتے ہیں اور یہ صاف وشفاف سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔

لطیفہ خفی: زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقع ہے۔اس لئے اس چوتھے لطیفے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انوارات چوتھے آسمان سے آتے ہیں،ان انوارات کا رنگ گہرا نیلا یا سیاہ ہوتا ہے۔

لطیفہ اخفیٰ: جو کہ پانچواں لطیفہ ہے یہ زیر قدم حضرت خاتم الانبیاء جنابِ محمد الرسول اللہ ﷺ کے واقع ہے۔اس کے انوارات پیارے پیغمبر ﷺ کے ہوتے ہیں جن کا رنگ سبز ہوتا ہے جو پانچویں آسمان سے آتے ہیں اور پانچوں لطائف امر پر چھا جاتے ہیں۔

چھٹے اور ساتویں لطیفے پر تجلیاتِ باری تعالیٰ ہوتی ہیں۔ان کے رنگ اور کیفیات کا تعین نہیں کیا جا سکتا،بس جیسے بجلی چمکی اور غائب ہوگئی۔

تو جب بھی کوئی آدمی ذکر کروائے تو وہ یہ نیت کرے اور یہ سوچے کہ جو انوارات میرے دل پر آرہے ہیں وہ دوسروں کے دل پر یا ان کے لطائف پر بھی جا رہے ہیں،تو اس طرح القاء شروع ہو جائے گا۔

☆☆☆☆

خدا آرزو دل کی حاصل کرے
مجھے فیض اس کے میں شامل کرے
کرے عاصیوں کی دعاء مستجاب
کہ ہو اپنے مقصود سے کامیاب

طریقۂ ذکر

فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ٭ (حمٓ مومن)

پکارو اللہ تعالیٰ کو خالص اس کی اطاعت کرتے ہوئے۔

وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَۃً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ، وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ ٭ (الاعراف)

اور یاد کرو اپنے ربّ کو اپنے جی میں گڑگڑا کر اور عاجزی سے، آواز بہت بلند کئے بغیر صبح وشام! اور اُن لوگوں میں شامل نہ ہوجانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

؎ جو ذکر خفی میں نپٹ چور ہے وہ مکر، وریاء سے بہت دور ہے
کیا جب تصوّر تری ذات کا ہویدا ہوا، رمز ہر بات کا
یہاں نفی واثبات ذکرِ مدام یہاں صحبتِ شیخ شرطِ تمام
جو راہ پیمبرؐ سے محظوظ ہے وہ ہر آفت وشر سے محفوظ ہے

سالک کو چاہئے کہ وہ اس طرح ذکر کرے جس طرح اہل عشق ومحبت ذکر کرتے ہیں۔ ذکر کے معاملے میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ ہے جو صحیح المزاج ہو، اور اس میں جذبۂ عشق ومحبت کی شدّت ہو۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو سالک کو یہ چاہئے کہ ذکر کے لئے مناسب اور موزوں وقت نکالے، ذکر کے وقت نہ تو اس کا پیٹ بھرا ہوا ہونا چاہئے، اور نہ ایسا ہو کہ بھوک ستا رہی ہو، نہ اُسے پیشاب و پاخانہ کی ضرورت محسوس ہورہی ہو، نہ ذکر کرتے وقت وہ غصہّ میں ہو، اور نہ مغموم ومتفکّر ہو۔

سالک کو چاہئے کہ وہ باوضو ہوکر صاف ستھرے کپڑے پہنے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دوزانو قبلہ رُخ ہوکر بیٹھے جیسے نماز میں دوزانو ہوکر بیٹھتا ہے۔

مشائخ حضرات نقشبندیہؒ کے یہاں سلوک کی شروعات

مشائخ حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سلوک کی شروعات سب سے پہلے لطائف عالم اَمر کی اصلاح سے ہوتی ہے، اور سیر کی ابتداء قلب سے ہوتی ہے جس کا تعلق عالم اَمر سے ہے۔ جب کہ دیگر طریقوں میں سلوک کی ابتداء عالم خلق کے لطائف سے شروع ہوتی ہے جو شروع میں تزکیہ نفس کرتے ہیں، اور قالب کو پاک کرتے ہیں، اور بھاری ریاضتوں اور شدید مجاہدوں کے بعد جب عالم خلق کے دشت وصحرا طے کر لیتے ہیں تو عالم امر کے لطائف کی سیر میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ اور جب وہ قلبی جذبہ اور روح کی لذّتوں میں پڑتے ہیں تو اکثر اسی لذت پر قناعت کر لیتے ہیں۔

لیکن طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں برخلاف دوسرے سلسلوں کے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے شروعات عالم امر سے کی جاتی ہے اور عالم خلق کے لطائف خود بخود ان کے ضمن میں طے ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتداء میں مندرج ہے، اسی لئے طریقۂ نقشبندیہ تمام طریقوں سے اقرب ہے، کیونکہ ان کو اس سیر کے ضمن میں تزکیہ و تطہیر بوجہ احسن میسر ہو جاتا ہے، اور راستہ کی مسافت کم ہو جاتی ہے۔

☆ مکتوبات مجدّدیہ دفتر اوّل کے مکتوب نمبر ۲۷۸ میں لکھا ہے کہ: اس دولت عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے قریب ترین راستہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اسرارھم کا ہے، کیونکہ ان بزرگوں نے اپنی سیر کی ابتداء عالم اَمر سے کی ہے، اور قلب سے مقلّب القلوب کی طرف لے گئے ہیں، اور انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے، اور بدعت سے پرہیز کیا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبندؒ فرماتے ہیں:

"طریق ما اقرب طریق است، اماّ التزام سنت کار مشکل است"۔

ہمارا طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے لیکن سنت کا التزام کرنا مشکل کام ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ بعینہٖ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے۔ اصحابِ کبارؓ کو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں اندراج انتہاء در ابتداء کے طریق پر وہ درجہ حاصل ہو جاتا تھا، جو امت کے کامل اولیاء کو انتہاء میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کا قاتل حضرت وحشیؓ جو ایک ہی مرتبہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں حاضر ہوا تھا خواجہ اویس قرنیؒ سے (جو سب تابعین سے بہتر ہیں) کئی درجہ افضل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ گرد وغبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں پڑی عمر بن عبدالعزیزؒ سے بدرجہا بہتر ہے۔

تمام مشائخ کی سیر ظاہرِ قلب تک ہے لیکن مشائخ نقشبندیہ کی سیر قلب کے باطن بلکہ اس کے اندرونی سے اندرونی نقطہ تک ہے۔ جو کچھ عالم کبیر میں مفصلاً ظاہر کیا گیا ہے، وہ عالم صغیر میں مجملاً ظاہر ہوتا ہے، انسان ہی عالم صغیر ہے۔ جب یہ عالم صغیر صیقل کر کے منوّر کر لیا جائے تو آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں اس میں مفصّل نظر آتی ہیں۔

عالم صغیر کو عالم کبیر سے جو نسبت ہے وہی نسبت دل کو عالم صغیر سے ہے۔ اور پھر قلبِ قلب کو قلب سے یہی نسبت درجہ بدرجہ چلی جاتی ہے۔ قلب سے بڑھ کر کوئی اور خیر اللہ نے پیدا نہیں کی۔

حدیث قدسی ہے:

لَایَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَآئِیْ ، وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنْ۔

میرے آسمان اور میری زمین میں میری گنجائش نہیں۔لیکن میرے مؤمن بندے کے دل میں میری گنجائش ہے۔

اس حدیثِ قدسی میں دل کے اسی وصف کی طرف اشارہ ہے۔ جب اس مقام پر عارف پہنچتا ہے، اور تمام جہان کے لئے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے تب اسے ولایتِ محمدیہ ﷺ حاصل ہوتی ہے، اور قطب، اوتاد، ابدال افراد اور آحاد سب ہی اس کے انوارِ ہدایت کے تحت ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہے۔

(مجدّد الف ثانی 142)

حضرات نقشبندؒ کے ہاں باطن کی تنویر، صفائی و اصلاح کا مدار تین باتوں پر قرار پایا ہے۔ اوّل: ذکر، خواہ اسم ذات کا ذکر ہو یا نفی و اثبات کا۔ دوّم: مراقبہ، سوم: رابطۂ شیخ۔ جس قدر ان امور میں کمی ہوگی، اسی قدر راستہ کے طے کرنے میں دیر لگے گی۔

☆☆☆

پہلا طریقہ:

ذکرِ اسم ذات

و نفی و اثبات

پہلاطریقہ: ذکرِاسمِ ذات ونفی واثبات

(1) سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں جب کوئی آدمی کسی شیخ سے بیعت کر کے مرید بنتا ہے تو اوّل اُس کو ذکر قلبی اسمِ ذات کی تلقین کی جاتی ہے۔

ذکرِاسم ذات لطیفۂ قلب سے

اسم ذات کا ذکر لطیفۂ قلب سے: (یہ انسان کے جسم میں دل کا مقام ہے جو بائیں پستان سے دو انگلی کے بقدر نیچے مائل بہ پہلو ہے جس کی دھڑکن سے ہر ایک واقف ہوتا ہے)۔شیخ کو چاہئے کہ اپنے بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں مرید کے بائیں پستان کے ذرا نیچے پہلو کی طرف چوڑائی میں رکھ کر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کا سرا ان انگلیوں کے ساتھ ملا ہوا رکھ کر (یا صرف اندازہ سے بائیں پستان سے دو انگلیوں کے فاصلہ پر رکھ کر) مرید کو بتائے کہ یہ دل کا منہ ہے۔

پھر شیخ اس جگہ پر شہادت کی انگلی کو ذرا دبا کر اسم ذات "اللہ" تین مرتبہ زبان سے کہے، اور توجہ مرید کے دل پر رکھے، یعنی اپنے قلب کے منہ کو مرید کے قلب پر تصوّر کرے، اس کے قلب کو اپنی طرف جذبۂ قلبی سے مائل کرے، تا کہ اس توجہ کے اثر سے اس کے لطیفہ میں حرکت پیدا ہو، اور ذکر جاری ہو جائے۔

پھر انگلی اٹھالے، اور کم و بیش ایک گھنٹہ تک مرید کی طرف متوجہ رہے، اور خیال کرے کہ یہ تصرّف جو مجھے حاصل ہوا ہے یہ اس سلسلہ کے بزرگوں کی توجہ سے ہے۔ اس کے بعد ذکر کی ترکیب اُسے سمجھائے۔

اسمِ ذات کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ طالب جب دنیاوی کاموں سے فرصت پائے

تو با وضو تنہائی میں قبلہ رُخ ہوکر گھٹنوں پر، دوزانو یا مربع یعنی چوکڑی مار کر بیٹھے، آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگائے، اور دل کو خیالات اور وساوس سے خالی کرے، اور قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو کہ وہ مضغۂ گوشت (گوشت کا لوتھڑا) قلبِ حقیقی کے لئے حجرہ کی طرح ہے۔ اور جس بزرگ سے ذکر لیا ہے اور بیعت کی ہے ان کے متعلق یہ سمجھے کہ وہ میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنے خیال کی توجہ دل کی طرف، اور دل کی توجہ اللہ عزوجل تعالیٰ کی طرف رکھے، اور ایک مرتبہ:

اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۔ (المؤمن:۴۴)

پڑھے۔ اور پھر دل کی زبان سے پورے خیال اور توجہ اور دھیان کے ساتھ اسم مبارک "اللہ" کو اس قلب پر گزارے، اور "اَللّٰہُ اَللّٰہ" کہے کہ گویا لفظ مبارک "اللہ" دل سے آتا ہے۔ اس طرح دل پر "اَللّٰہُ اَللّٰہ" کا خیال گزارتا جائے، زبان یا حلق وغیرہ سے نہ کہے بلکہ زبان تالو سے لگی ہوئی ہو۔

پہلے اسم کی "ھا" پر ضمہ اور دوسرے اسم کی "ھا" ساکن ہو۔ لفظِ مبارک "اَللّٰہُ اَللّٰہ" کا معنیٰ اور مفہوم کو بے مثل و بے مثال (بے چونی اور بے چگونی) کے ساتھ ملاحظہ کریں اور اس طرح خیال میں رکھیں کہ وہ ذاتِ بے چوں واجب الوجود جو تمام صفاتِ کاملہ سے متّصف اور تمام نقائص اور عیوب سے پاک، مبرّا و منزّہ ہے۔ کسی صفت کو اس کے ساتھ شامل نہ کریں۔ اور حاضر و ناظر بھی ملحوظ نہ ہو تا کہ ذکر ذات تعالیٰ کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آجائے، اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑ جائے۔

نیز خیال کرے کہ جس جگہ مرشد نے انگلی رکھی ہے وہاں قلب کے منہ میں گویا سوراخ ہو گیا ہے، اور اس سوراخ سے میرے دل میں فیضان الٰہی کا نور آرہا ہے، اور دل کا

زنگ ،ظلمت اور کدورت اس نور کی برکت سے دور ہو رہا ہے ۔اس ذکر کے خیال میں اتنا غرق ہو جائے کہ اُسے اپنی بھی خبر نہ رہے۔

اس لفظ مبارک کو تئیس (23) مرتبہ پڑھنے کے بعد انتہائی خاکساری اور عجز و نیاز مندی کے ساتھ یوں التجا کرے کہ:

" خداوندا ! مقصودِ من توئی و رضاءِ تو، محبت و معرفت خود بده "

اے اللہ میرا مقصود تیری محبت اور تیری معرفت اور تیری رضا ہے ،اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔

ذکر کرتے وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں ، اور ہمہ تن قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں، اور قوتِ متخیّلہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں، اور نہ اس کی طرف توجہ کریں۔ کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور کرنا۔

ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا. (اعراف)

اور پکارو اللہ تعالیٰ کو اس سے ڈرتے ہوئے اور اس سے امید کرتے ہوئے۔

اکثر اوقات اسی طرح ذکر پر مداومت کرے اور پوری ہمت سے ذکر میں مشغول رہے،اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو طلب کرتا رہے، کم از کم ایک ہزار مرتبہ بعد نماز فجر و مغرب یا عشاء ذکر اسم ذات کر لیا کرے، یہاں تک کہ دل ذکر سے جاری ہو جائے۔

اس قلبی ذکر کے لئے کوئی تعداد مقرر نہیں جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی اتنی جلد اس میں فنا حاصل ہوگی۔اس لئے چلتے پھرتے ، اٹھتے ، بیٹھتے ،لیٹتے غرضیکہ ہر وقت اس ذکر میں

اتنی محنت کی جائے کہ ملکہ بن جائے اور "دل بیار و دست بکار" کا مصداق بن جائے۔
اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اس طرح جاری ہو جائے کہ کبھی بھی غافل نہ ہو۔اور سالک ارادہ سے بھی اگر دل کو ذکر سے الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے اور دل غافل نہ ہو،دل کے ذاکر ہونے کی کیفیت نبض کی حرکت یا گھڑی کی ٹک ٹک وغیرہ کی مانند ہوتی ہے۔
دل کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ مبارک "اللہ" خیال کے کان سے صاف طور پر سنائی دے،محض لطیفہ کی حرکت مراد نہیں ہے۔حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

کس ندانست که منزل گه آں یار کجا ست

ایں قدر ہست که بانگ جرسے می آید

کوئی نہیں جانتا کہ اس یار کی منزل کہاں ہے۔

اتنا ہے کہ ایک گھنٹی کی آواز آ رہی ہے۔

نفس کا اپنے آپ سے اور اپنے ارادہ سے دستبر دار ہو کر اللہ کے ارادہ کے آگے جھکنا یہ فنا کی علامت اور نشانی ہوتی ہے۔اگر ذکر کرنے کے وقت پیر کی صورت بے تکلّف ظاہر ہوتو اس کو قلب کی طرف لے جانا چاہئے ،اور قلب میں نگاہ رکھ کر ذکر کرنا چاہئے ۔ اور پیر وہ ہے جس سے آپ اللہ تعالیٰ کی جناب پاک کی طرف پہنچنے کا راستہ سیکھیں،اور اس میں اُس سے مدد اور اعانت حاصل کریں۔کلاہ ، اور دامنی اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے،پیری اور مریدی کی حقیقت سے یہ سب خارج ہیں،اور رسم و عادت میں داخل ہیں۔

(سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی:ص198)

جب ذکر پختہ ہو جاتا ہے اور ملکہ بن جاتا ہے اور بند نہیں ہوتا تو اس حالت کو "فنائے قلبی" کہتے ہیں ، اور اس کا دوسرا نام "یاد داشت" ہے ۔فناءِ قلبی کے بعد سالک بقاء حاصل کر لیتا ہے ، وہ واصل باللہ ہو جاتا ہے اور امرِ الٰہی کے مطابق سالک کا نام اولیاء اللہ

کے دفتر میں درج کیا جاتا ہے۔

قلب بمنزلہ برزخ ہے

جاننا چاہئے کہ عالم خلق یعنی عالم عناصر اربعہ اور عالم ارواح کے درمیان قلب بمنزلہ برزخ کے ہے، اوروہ دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے، گویا قلب کا نصف حصہ عالم خلق سے ہے، اور نصف حصہ عالم ارواح سے ہے۔ جب اس کے عالم خلق والے حصہ کو پھر نصف کریں تو معاملہ عنصرِ ہوا پر جا پڑے گا، پس قلب کا چوتھا حصہ مقام ہوا سے ہے جس میں قلب شامل ہے۔

(مجددالف ثانی: ص 223)

فنائے قلب

دل کو سلامت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب دل میں ما سواحق کا گزر نہ رہے۔ اس دولت کو فنائے قلب سے تعبیر کرتے ہیں، اوراس راہ میں یہ پہلا قدم ہے اور جتنے ولایت کے کمالات ہیں سب اسی دولت کی فرع ہیں۔

اس دولت عظمٰی تک پہنچنے کے لئے سب سے زیادہ قریب راستہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس سرھم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے اپنی سیر کی ابتداء عالم امر سے کی ہے۔ اور قلب سے قلب کے پھیرنے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ لے گئے ہیں، انہوں نے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعتوں سے کنارہ کیا ہے۔

(مجددالف ثانی: ص 235)

عالم امر کے لطائف کی اصل

جاننا چاہئے کہ عالم اَمر کے ہر لطیفہ کی عرش پر ایک اصل ہے جب تک ہر لطیفہ نورانی ہوکر اپنی اصل تک نہیں پہنچتا اس کو فنا حاصل نہیں ہوتی چنانچہ:

اصل قلب: تجلی صفاتِ افعال الٰہی ہے۔

اصل روح: صفات ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلّی ہیں۔

اصل سِر: تجلّی شیون واعتبارات ذاتیہ ہیں۔

اصلِ خفی: تجلّی صفاتِ سلبیہ ہیں۔

اوراصل اخفیٰ: تجلّی شانِ جامع ہے۔

لہٰذا ان اصول کے لحاظ سے مراقبات کرے۔شیخ کو چاہئے کہ جب تک ہر مراقبہ کا اثر سالک کے لطیفہ پر محسوس نہ ہو ہرگز دوسرے مراقبہ کی تلقین نہ کرے، ورنہ ماسویٰ کا خیال دل سے کبھی دور نہ ہوگا، اور اس کو مقامِ فنا تک جو ولایت کا پہلا قدم ہے، رسائی نصیب نہ ہوگی۔

(شجرہ:ص107)

درجاتِ ولایت کا اولوالعزم انبیاء میں سے کسی ایک نبی کے زیرِ قدم ہونا

درجاتِ ولایت میں سے ہر درجہ اولوالعزم انبیاء میں سے کسی ایک نبی کے زیرِ قدم ہے۔ولایت کا درجۂ اولیٰ (یعنی لطیفۂ قلب) حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اوران کا ربّ "صفت تکوین" ہے جو کہ افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے۔

اور دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور حضرت نوح علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں شریک ہیں،اوران کا رب "صفت العلم" ہے جوصفات ذاتیہ میں سب سے زیادہ جامع ہے۔

اور تیسرا درجہ حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اوران کا رب مقامات شیونات سے شان الکلام ہے۔

اور چوتھا درجہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور ان کا

رب "صفات سلبیہ" سے ہے نہ کہ صفات ثبوتیہ سے کہ جس کا مقام تقدیس وتنزیہ ہے اور اکثر ملائکہ کرامؑ بھی اس مقام میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان فرشتوں کو اس مقام میں عظیم شان حاصل ہے۔

اور پانچواں درجہ خاتم الانبیاء حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کے زیرِ قدم ہے اور ان کا رب "ربُّ الارباب" ہے جو تمام صفات وشیونات اور تقدیسات وتنزیہات کا جامع ہے اور ان کمالات کے دائرے کا مرکز ہے۔اور صفات وشیونات کے مرتبہ میں اس ربِّ جامع کی تعبیر "شان العلم" کے ساتھ مناسب ہے کہ یہ شانِ عظیم الشان تمام کمالات کی جامع ہے۔ اور اسی مناسبت سے آپ ﷺ کی ملّت حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت ہوئی،اور اُن کا قبلہ آپ کا قبلہ بنا۔

جاننا چاہئے کہ اقدام ولایت کی ایک دوسرے پر فضیلت درجات کے مقدم ومؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے تا کہ صاحبِ اخفیٰ دوسروں سے افضل ہو جائے ،علیٰ ھٰذا لقیاس: بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور ظلال کے درجات کی منزلوں کو زیادہ یا کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔

(مکتوبات حضرت مجدّدالف ثانی،ص:222)

مراقباتِ مشارب

مشارب مشرب کی جمع ہے جس کے معنیٰ راستہ اور گھاٹ کے آتے ہیں۔ چونکہ ان مراقبات کے ذریعہ سالک مقام فنا تک پہنچ جاتا ہے،اس لئے ان کو مشارب کہتے ہیں۔

(1) لطیفۂ قلب کا مراقبہ

لطیفۂ قلب کا مراقبہ اس طرح کرے کہ اپنے قلب کو پیارے پیغمبر ﷺ کے قلب مبارک کے سامنے تصوّر کر کے یہ نیت کرے کہ ذات باری تعالٰی کی طرف سے عظیم

مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ قلب میں فیض آرہا ہے۔اور زبانِ خیال سے بارگاہ ربّ العالمین میں عرض کرے:

اے اللہ! میرا لطیفہ قلب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ قلب کے سامنے اس فیض کا منتظر ہے۔تجلّی افعال الٰہی کا جو فیض آپ نے لطیفۂ قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لطیفہ قلبِ آدم علیہ السلام میں پہنچایا ہے، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفۂ قلب میں پہنچا دیجئے۔ یہاں تک کہ لطیفہ قلب کی فنا تجلّی افعال الٰہی میں حاصل ہوجائے۔

علامت فناء

علامت فناء کی یہ ہے کہ سوائے فعل فاعل حقیقی کے اپنے اور تمام مخلوق کے افعال سالک کی نظر سے پوشیدہ ہوجاتے ہیں۔ سالک کائنات کی ذات وصفات کو حق عزوجل تعالیٰ کی ذات وصفات کا مظہر دیکھتا ہے، اور ماسویٰ کو بھول جاتا ہے۔ اس لطیفہ کی اصل الاصل حق تعالیٰ شانہٗ کی صفتِ اضافیہ ہے جوکہ فعل اور تکوین سے عبارت ہے۔

لطیفہ قلب میں پہلے احدیت کا مراقبہ کرتے ہیں یعنی اسم مبارک اللہ دل میں دکھاتے ہیں، اوراس کے معیت کا مراقبہ یعنی:

''وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ''

وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو:

ملحوظ کراتے ہیں۔اس مرحلہ میں سالک کے اپنے افعال اور تمام مخلوقات کے افعال اللہ تعالیٰ کے افعال کے ماسوا مخفی ہوجاتے ہیں۔اورتوحید وجودی اسی مراقبہ سے منکشف ہوتی ہے۔

لطیفہ قلب کی ولایت حضرت آدم صفی اللہ کے قدم یعنی رتبہ کے نیچے ہے اس لئے

اس ولایت قلب کو ولایت آدم علیہ السلام کہتے ہیں اور جس سالک کو یہ ولایت حاصل ہوجاتی ہے اُس کو" آدمی المشرب" کہتے ہیں۔ اور اس لطیفہ کے نور کی رنگت زرد بیان کی گئی ہے۔

(2) لطیفۂ روح کا مراقبہ

اس کے بعد لطیفہ روح میں ذکر" اَللّٰہُ اَللّٰہ " کرے: لطیفۂ روح قلب سے لطیف تر ہے۔ اس کی جگہ لطیفہ قلب کے مقابل دائیں پستان سے دو انگلیوں کی بقدر نیچے مائل بہ پہلو ہے۔ اور اس لطیفہ کی اصل الاصل حق تعالیٰ شانہٗ کی صفاتِ ثبوتیہ ہیں۔ اس میں صفات ثبوتیہ الٰہیہ کی تجلّی اس پر منکشف ہوتی ہے۔

اس کے مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک اپنے لطیفہ روح کو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ روح کے سامنے و مقابل تصوّر کر کے یہ نیت کرے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ روح میں فیض آرہا ہے۔ اور زبانِ خیال سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرے کہ:

اے اللہ! میرا لطیفہ روح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ روح کے سامنے اس فیض کا منتظر ہے" تجلیات ثبوتیہ الٰہیہ" کا جو فیض آپ نے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ روح سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لطیفہ روح میں القاء فرمایا، پیران کبار رحمہم اللہ کے طفیل میرے لطیفہ روح میں پہنچا دیجئے، یہاں تک کہ تجلّی صفاتی میں فنائے لطیفہ روح حاصل ہو۔

صفات ثبوتیہ سے مراد، حیاتؔ، علمؔ، قدرتؔ، سمعؔ، بصرؔ اور ارادؔہ وغیرہ ہیں۔

اس لطیفہ کی ولایت زیر قدم حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ السلام ہے۔ جس سالک کو یہ ولایت حاصل ہوجاتی ہے اُس کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

لطیفہ روح کے مقام پر توجہ اور خیال سے" اَللّٰہُ اَللّٰہ " کا ورد کرتا رہے یہاں تک کہ

وہ عنایت الٰہی سے پکا و پختہ ہوجائے اور روح کو فنا حاصل ہوجائے۔

علامت فنا

اور علامت فنا یہ ہے کہ یہ لطیفہ بھی قلب کی طرح ذکر سے جاری ہوجاتا ہے، اور جو کیفیات ذکر قلبی میں حاصل ہوئی ہیں ان میں زیادتی ہوجاتی ہے۔

اس وصال کے بعد سالک اپنی صفات اور تمام مخلوقات کی صفات کو اپنی ذات اور تمام ممکنات سے سلب کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب دیکھے گا۔

اور اس لطیفہ کے نور کی رنگت سرخ بیان کی گئی ہے۔

(3) لطیفۂ سر کا مراقبہ

پھر سالک لطیفہ سر میں ذکر کرے جو کہ لطیفہ روح سے لطیف تر ہے۔ اس کی جگہ قلب کے اوپر دو انگلیوں کی بقدر وسطِ سینے کی طرف مائل ہے۔ اور اس لطیفہ کی اصل الاصل شیونات ِ ذاتیہ ہیں۔ اس سیر میں " شیوناتِ ذاتیہ الٰہیہ " منکشف ہوتی ہیں۔

شیون جمع ہے شان کی اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ شان ذاتیہ ہے کہ جس سے وہ صفاتِ ثبوتیہ کے ساتھ موصوف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ *

ہر روز وہ (اللہ تعالیٰ) ایک شان میں ہے۔

اس کے مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک اپنے لطیفہ سر کو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ سر کے سامنے تصور کر کے یہ نیت کرے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ سر میں فیض آرہا ہے۔ اور زبان خیال سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرے کہ:

اے اللہ! میرا لطیفہ سر رسول کریم ﷺ کے لطیفہ سر کے سامنے اس فیض کا منتظر ہے "شُیونات ذاتیہ الٰہیہ" کا جو فیض آپ نے پیارے پیغمبر ﷺ کے لطیفہ سِر مبارک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ سِر مبارک میں پہنچایا، پیران کبار رحمہم اللہ کے طفیل میرے لطیفہ سِر میں پہنچا دیجئے۔

اس لطیفہ کی ولایت زیر قدم حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔جس سالک کو اس لطیفہ کے ذریعہ سے وصال الی اللہ نصیب ہوتا ہے اُس کو موسوی المشرب کہتے ہیں۔

سالک لطیفہ سر کے مقام پر توجہ اور خیال سے "اللہ اللہ" کا ورد کرتا رہے یہاں تک کہ وہ عنایت الٰہی سے پکا و پختہ ہوجائے، اور اس میں بھی ہر دو سابقہ لطیفوں کی طرح ذکر جاری ہو جائے اور سر کو فنا حاصل ہو جائے۔

علامت فنا

اور اس کی فنا کی علامت یہ ہے کہ سالک اُس وقت اپنی ذات کو حق تعالیٰ شانہ کی ذات میں فنا پاتا ہے، اور ذات الٰہی کے سوا اور کوئی ذات نظر نہیں آتی۔ اور کیفیات میں مزید ترقی ہو جاتی ہے اور عجیب وغریب کیفیات ظہور میں آتی ہیں۔ نیک کاموں میں خرچ کرنے، اور نیکیوں کے حصول کی حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ اور سالک کو کسی کے طعن و ملامت کی پرواہ نہیں رہتی، اور نہ ہی وہ کسی کی تعریف وتوصیف کا خواہشمند رہتا ہے، صرف ذاتِ حق میں مستغرق رہتا ہے۔ اس لطیفہ کے نور کی رنگت سفید بیان کی گئی ہے۔

(4) لطیفۂ خفی کا مراقبہ

پھر سالک لطیفہ خفی میں ذکر کرے، جو کہ لطیفہ سِر سے لطیف تر ہے۔ اس کی جگہ

لطیفہ روح کے اوپر دو انگلیوں کی بقدر وسطِ سینے کی طرف مائل ہے۔اس لطیفہ کی اصل الاصل صفات سلبیہ تنزیہیۃ ہے۔اس سیر میں" صفات سلبیہ الٰہیہ" منکشف ہوتی ہیں۔

اس کے مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک اپنے لطیفہ خفی کو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ خفی کے مقابل تصوّر کرکے یہ نیت کرے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ خفی میں فیض آرہا ہے۔اور زبانِ خیال سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرے کہ:

اے اللہ! میرا لطیفہ خفی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ خفی کے سامنے اس فیض کا منتظر ہے" صفات سلبیہ الٰہیہ" کا جوفیض آپ نے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفہ خفی مبارک سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ خفی میں پہنچایا ہے، پیران کبارؒ کے طفیل میرے لطیفہ خفی میں پہنچا دیجئے۔

صفات سلبیہ سے مراد یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔اسی طرح وہ جسم وجسمانی،عرض وجوہر، مکانی وزمانی، حال ومحل،محدود ومتناہی ہونے سے بھی پاک ہے۔بے جہت، بے کیف، بےنسبت اور بےمثل ہے۔وہ ضد وند، ہمسر ومثل،ماں باپ، بیوی بچوں سے پاک ہے، کیونکہ یہ سب حادث ہیں، اوران سے نقص لازم آتا ہے۔ہرقسم کے کمالات اسی کے لئے ثابت ہیں۔

اس لطیفہ کی ولایت زیرِ قدم حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔جس سالک کو اس لطیفہ کے ذریعہ سے وصال الی اللہ نصیب ہوتا ہے اُس کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

سالک لطیفہ خفی کے مقام پرتوجہ اورخیال سے" اللہ اللہ" کا ورد کرتا رہے یہاں تک کہ وہ عنایت الٰہی سے پکا وپختہ ہوجائے اور لطیفہ خفی کو فنا حاصل ہو جائے۔اس ذکر میں:

يَا لَطِيْفُ اَدْرِكْنِیْ بِلُطْفِکَ الْخَفِیّ

کا پڑھنا مفید ہے۔

علامت فنا

اس کے حصول فنا کی علامت یہ ہے کہ اس لطیفہ میں بھی ذکر جاری ہو جاتا ہے اور سالک پر اُس وقت حق تعالیٰ شانہ کی ذات کا تمام عالم سے منفرد اور مجرد ہونا مشہود ہوتا ہے۔اور صفات رذیلہ حسد و بخل وغیرہ کی اصلاح ہو جاتی ہے۔اس لطیفہ کی نور کی رنگت سیاہ بیان کی گئی ہے۔

(5)لطیفۂ اخفیٰ کا مراقبہ

اس کے بعد سالک لطیفہ اخفٰی میں ذکر کرے، جو کہ لطائف عالم اَمر میں سب سے احسن اور اجمل لطیفہ ہے۔اس کی جگہ ان چاروں لطائف کے درمیان وسطِ سینہ میں ہے۔اس سیر میں سالک پر ایک ایسی شان کی تجلّی ہوتی ہے جو تمام شئون الٰہیہ کی جامع ہوتی ہے۔

اس کے مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک اپنے لطیفہ اخفیٰ کو پیارے پیغمبر ﷺ کے لطیفہ اخفیٰ کے مقابل سمجھ کر یہ نیت کرے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ اخفیٰ میں فیض آرہا ہے۔اور زبان خیال سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرے کہ:

اے اللہ !میرا لطیفہ اخفیٰ رسول کریم ﷺ کے لطیفہ اخفیٰ کے سامنے شان جامع کی تجلّی کے اس فیض کا منتظر ہے جو فیض "تجلیّات شان جامع" کا آپ نے پیارے پیغمبر ﷺ کے لطیفہ اخفیٰ مبارک میں پہنچایا ہے، پیران کبارؒ کے طفیل میرے لطیفہ اخفٰی میں پہنچا دیجئے۔

(نوٹ) صفات وشیونات کی اصل کوشان جامع کہتے ہیں۔

اس لطیفہ کی ولایت زیرِ قدم حضرت سرور کائنات، رسالت مآب رحمت دو عالم ﷺ ہے۔جس سالک کواس لطیفہ کے ذریعہ سے وصال الی اللہ نصیب ہوتا ہے اُس کومحمدی المشرب کہتے ہیں۔اس لطیفہ کےنور کی رنگت سبز بیان کی گئی ہے۔

سالک لطیفہ اخفیٰ کے مقام پر دستور کےمطابق توجہ اور خیال سے"اَللّٰہُ اَللّٰہُ" کا ورد کرتا رہے یہاں تک کہ وہ عنایت الٰہی سے پکا وپختہ ہوجائے،ذکر جاری ہو جائے اور لطیفہ اخفیٰ کوفنا حاصل ہو جائے۔

علامتِ فنا

اس لطیفہ کےفنا کےحصول کی علامت یہ ہے کہ جب اخفیٰ فنا ہوگا تو سالک کو اس درجہ میں" تَخَلَّق بِاَخْلَاقِ الله " (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفتِ اخلاق سے آراستہ ہونا نصیب ہوتا ہے۔تکبر،فخر وغرور وغیرہ رذائل کی اصلاح ہوکرقرب وحضور و جمعیت حاصل ہو جاتی ہے۔ فنائے اخفیٰ کا مقام تمام مقامات سے عالی اورنہایت مراتبِ انسانی ہے کیونکہ یہ ولایت محمدی ﷺ سےخصوصیت رکھتی ہے۔اس مقام میں پیارے پیغمبرﷺ کا پوری طرح اتباع کرنا مفید ہوتا ہے۔

(6) مراقبہ لطیفۂ نفس

اس کے بعدلطیفۂ نفس سے ذکرکرےجس کی جگہ پیشانی ہے۔اس کے مقام اور جگہ کے بارے میں صوفیائے کرام نے اختلاف کیا ہےبعض کے نزدیک ناف سے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر ہے۔لیکن حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ کے نزدیک اس کا مقام وسطِ پیشانی ہے۔اورحضرات نے ان دونوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ پیشانی پر اس کا

سَر،اور زیرِ ناف اس کا دھڑ ہے۔اس میں بھی بطریق سابق ذکر کرے، یہ نیت کرتے ہوئے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ نفسی میں فیض آرہا ہے۔یہاں تک کہ ذکر جاری ہوجائے۔

اس کے حصول کی علامت یہ ہے کہ نفس سرکشی کے بجائے ذکر کی لذّت سے سرشار ہوجاتا ہے، اور ذکر میں شوق وذوق اور محویت بڑھ جاتی ہے۔

یادرہے کہ سلسلۂ قادریہ، چشتیہ وغیرہ اور مجددیہ کے لطائف کے مقامات میں فرق ہے مجددیہ کے نزدیک لطائف کے مقامات کا میں نے پیچھے ذکر کردیا ہے، جبکہ سلسلۂ چشتیہ و قادریہ وغیرہ میں لطیفہ خفی کا مقام پیشانی میں ،لطیفہ اخفیٰ، امّ الدماغ میں ، اور لطیفہ نفس ،سینہ میں ہے۔

(7)لطیفۂ قالبیہ میں ذکر

پھرلطیفۂ قالبیہ (لطائف عناصر اربعہ) سے ذکر کرے یہ نیت کرے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ قالبی میں فیض آرہا ہے۔اورجس کی جگہ،مقام ومحل تمام انسانی جسم ہے یہاں تک کہ روئیں روئیں سے ذکر جاری ہوجائے ،جس کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔

سلطان الاذکار کا طریقہ

سالک کو چاہئے کہ سَر سے پاؤں تک اپنے جسم کے ہر ہر بال کی طرف متوجہ ہواسمِ ذات کا تصور کرے، اور شغل میں اس قدر منہمک ہوجائے کہ جسم کا ہر ہر بال ذکر کرنے لگے، یہاں تک کہ اگر اس کی طرف سے توجہ ہٹانا چاہےتو ہٹانے کی قدرت نہ رکھے۔

کبھی سلطان الاذکار کی جگہ وسط سر یعنی بالائے دماغ میں مقرر کرتے ہیں، اور وسط

سَر میں انگلی رکھ کر توجہ دیتے ہیں ،جس سے سارے بدن میں ذکر جاری ہو جاتا ہے ۔اس کے حصول کی علامت یہ ہے کہ سالک کے جسم کا گوشت پھڑ کنے لگتا ہے ۔کبھی بازو میں کبھی ٹانگ میں اور کبھی جسم کے دوسرے حصوں میں ، یہاں تک کہ بعض اوقات تمام جسم ذکر کے ساتھ حرکت کرنے لگتا ہے ۔اور سالک ایک عجیب وغریب کیفیت و ذوق محسوس کرتا ہے ۔

طالب کو چاہئے کہ ذکر پر اس طرح مداومت کرے کہ ذکر اس کے دل کی صفت لازمہ بن جائے جس طرح کہ سننا قوت سماعت کے لئے ، اور دیکھنا قوتِ بصارت کے لئے کہ اگر زبردستی بھی ذکر اور حضور کو دل سے دور کرنا چاہے تو نہ کر سکے ۔

یاد رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک طے کرنا یعنی قلب سے روح کی طرف، اور روح سے سرّ ، اور سِرّ سے خفی، اور خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا "محمدی المشرب" کے لئے مخصوص ہے جو ان پنجگانہ عالمِ اَمر کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصولوں میں سیر کرتا ہے، اس کے بعد اصول کے اصول میں اسی ترتیب کی رعایت رکھتے ہوئے کام کو انجام تک پہنچا تا ہے ۔اور یہ راہ سلوک جس کی ترتیب ذکر کی گئی وصول الی اللہ کے لئے شاہراہ ہے اور احدیت کی طرف توجہ کرنے والوں کے لئے خاص صراط مستقیم ہے ۔

لطائف کے جاری ہونے کی علامات

لطائف کے جاری ہونے کی مختلف علامات ہیں جیسے (1) لطائف میں حرکت کا پیدا ہونا (2) لطائف میں انوار کا آنا (3) لطائف میں ٹھنڈک کا محسوس ہونا (4) حرارت کا محسوس ہونا (5) رذائل سے متنفر ہو جانا وغیرہ ۔

(نوٹ)

مراقبات مشارب میں ہر مراقبہ کی نیت کر کے جب اس لطیفہ کے فیض کے انتظار

میں بیٹھے تو ہر اس لطیفہ کو جس میں مراقبہ کر رہا ہے پیارے پیغمبر ﷺ تک اپنے سلسلہ کے تمام بزرگوں کو اس لطیفہ کے سامنے اُن شیشوں کی مانند جو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں فرض کر کے خیال کرے کہ اس لطیفہ کا فیض جناب باری تعالیٰ سے پیارے پیغمبر ﷺ کے اس لطیفہ میں آ رہا ہے، اور پیارے پیغمبر ﷺ سے بواسطہ اس سلسلہ کے تمام بزرگوں کے اس لطیفہ کے آئینوں میں سے منعکس ہو کر میرے اس لطیفہ میں آ رہا ہے تا کہ حدیث قدسی:

"اَنَا عِنْدَ الظَّنِّ عَبْدِیْ بِیْ "

میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں

کے بموجب اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔

☆ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ ہمعات میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسم "اللہ" کا ذکر پوری طرح شدّ اور ترتیل کے ساتھ کرتا ہے تو اس اسم مبارک کی صورت شعلۂ نور کی مانند اُن ملائکہ کے نفوس میں نقش ہو جاتی ہے جو ذکر پر مؤکل ہیں۔

اور جب یہ شخص بکثرت ذکر کرتا ہے تو اسم مبارک کی یہ صورت اُن فرشتوں سے اوپر جو اور فرشتے ہیں ان کے نفوس میں نقش ہو جاتی ہے، اور اس طرح یہ صورت ترقی کرتے کرتے حظیرۃ القدس کے مقام میں پہنچ جاتی ہے۔ اور وہاں سے یہ صورت تجلی الٰہی میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ ذاکر کو چاہئے کہ ذکر کے وقت نئے سرے سے وضو اور طہارت کرے۔ اور ایک ہزار بار اسم "اللہ" کا ذکر کرنے کے بعد درود پڑھے۔

ذکر کرتے وقت وہ لفظ "اللہ" کی تشدید پر زور دے، اور اس لفظ کو اس کے صحیح مخرج سے نکالے، اور تھوڑی دیر کے بعد دوران ذکر میں وہ اس نور کا تصوّر کرتا جائے

جو فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس طریق سے چند ہزار بار اسم "اللہ" کا ذکر کرے گا تو یقیناً اس نور سے اس کا اتصال ہو جائے گا۔

اس کے بعد یہ حالت ہوگی کہ اگر یہ شخص تسبیح، تحمید، تکبیر وتہلیل، استغفار، اور "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ" پڑھنے کی طرف ذرا سی توجہ کرے گا تو وہ نور ان صفات کے رنگ میں جن کی طرف تسبیح وتحمید کے یہ کلمات اشارہ کرتے ہیں، متشکل ہو کر اُسے نظر آنے لگے گا، اور اس کے آثار بھی "جہان انفس وآفاق" میں ظاہر ہوں گے۔

فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں جاننا چاہئے کہ مرد مومن جب ان اسمائے الٰہیہ کا سچی نیت اور پوری توجہ سے ذکر کرتا ہے، اور اس کا دل ان اسماء کو اپنے اندر محفوظ کرنے کی جدوجہد میں کلیۃً مصروف ہو جاتا ہے تو اس شخص کے باطن کی طرف اسمائے الٰہی کی ان مثالی صورتوں سے ایک دروازہ کھلتا ہے جس سے اس کے دل پر نور اور ٹھنڈک کا نزول ہوتا ہے، اور وہ اس کیفیت میں بڑی لذّت محسوس کرتا ہے۔

اس شخص کو جب ان اسماء کے ذکر میں لذت ملتی ہے تو وہ اور زیادہ تن دہی اور ہمت سے اس ذکر میں لگ جاتا ہے۔ جتنا جتنی زیادہ تن دہی سے وہ ان اسماء کا ذکر کرتا ہے اسی حساب سے اس پر انوار کا فیضان بڑھتا جاتا ہے۔

اور در اصل یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جو دعائیں ماثور اور مقرر ہیں، دعاء کرنے والا ان دعاؤں کے الفاظ اور صیغوں کا پورا پورا لحاظ رکھے، اور اسی وجہ سے انہوں نے ان اسمائے الٰہی میں سے بعض کو اسم اعظم قرار دیا ہے، اور بعض دعاؤں کی خاص خاص تاثیرات بیان فرمائی ہیں۔

(ھمعات)

☆☆☆☆☆

نفی واثبات کا ذکر

لطائف سبعہ میں ذکر جاری ہونے کے بعد نفی و اثبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔جمہور اہل طریقت کے نزدیک سب سے افضل ذکر اسم ذات یعنی " اللہ" کا اور نفی و اثبات یعنی "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا ذکر ہے۔

کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے آلہہ باطلہ کی نفی مقصود ہے، چاہے وہ آفاقی ہوں، یا انفسی ہوں ۔آلہہ آفاقی سے کفار کے معبودان باطلہ مراد ہیں ،اور آلہہ انفسی سے خواہشاتِ نفسانی مراد ہیں ۔اہل اللہ کا حاصل سلوک یہ ہے کہ ان دونوں کی نفی کی جائے ۔

ظاہری شریعت کا حکم یہ ہے کہ آلہہ آفاقی کے انکار سے ایمان درست ہوتا ہے، اسے صورت ایمان کہتے ہیں ۔اور حقیقت ایمان آلہہ انفسی کے ابطال سے حاصل ہوتی ہے ۔ اور تزکیہ نفس حقیقت ایمان تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔ یہ نعمت درجہ ولایت تک پہنچنے سے حاصل ہوتی ہے ۔ درجہ ولایت سے فنا و بقا مراد ہے ۔ ایمان صوری میں نفس امّارہ مغلوب نہیں ہوتا ، اور اس لئے اس کے زوال کا احتمال رہتا ہے ، اور ایمانِ حقیقی میں یہ احتمال باقی نہیں رہتا۔

(مجددالف ثانی:ص129)

نفی و اثبات کے ذکر کا طریقہ

نفی و اثبات "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا ذکر حبس دم کے ساتھ (یعنی سانس روک کر) کیا جاتا ہے ۔اور اس کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ:سب سے پہلے اپنی موت کا تصوّر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے ۔پھر اپنے دونوں ہونٹوں اور دونوں آنکھوں کو

بند کرتے ہوئے اپنی سانس کو ناف کے نیچے بند کرلے، یعنی اندر کی طرف خوب سانس کھینچ کر ناف کی جگہ پر روک لے۔ پھر زبان کو تالو سے چسپاں کردے اور بزبان خیال کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کو ناف سے دماغ تک کھینچ کر پہنچائے اور لفظ "اِلٰہ" کوسر کے بالائی حصّہ سے کھینچ کر دائیں کندھے پر لے جائے اور لفظ "اِلَّا اللهُ" کو دائیں کندھے سے عالم امر کے پانچوں لطائف میں سے گزار کر قوت خیال سے دل پر ضرب لگائے اس طرح شدومد کے ساتھ کہ ذکر کا اثر تمام لطائف خمسہ میں پہنچ جائے۔

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کے ذکر میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ "لَآ" پر جو مدّ ہے وہ پوری طرح کھینچی جائے، اور "اِلَّا اللهُ" پر جو تشدید ہے اُس پر پورا زور پڑے۔ اور یہ ذکر اسی طرح خیال کی زبان سے کرتا رہے بغیر اعضاء کو حرکت دیئے ہوئے، اور جتنی مرتبہ ایک سانس میں کہہ سکتا ہو کہے، لیکن طاق مرتبہ کہے جفت نہیں، اور جب سانس لینا مشکل ہو جائے تو چھوڑ دے۔ اور لفظ "مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ الله" کو سانس چھوڑنے کے وقت خیال کی زبان سے کہے۔ لفظ "مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ الله" کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کے ساتھ ضم کرنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہر بیس (20) کے بعد، یا ہر پچاس (50) مرتبہ کے بعد یا ہر سو (100) دفعہ کے بعد ملا سکتے ہیں۔

اورنفی و اثبات کے ذکر میں معنیٰ کا خیال رکھنا شرط اعظم ہے کہ سوائے حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات کے کوئی چیز مقصود نہیں ہے۔ اور "لَا" کہتے وقت اپنی ہستی اور جمیع مخلوقات اور موجودات کی نفی کرے، اور اثبات "اِلَّا اللهُ" کے وقت حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات کا اثبات کرے، اور اس کو ملحوظ رکھے۔ اسی مذکورہ طریقے پر طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے (یعنی ابتداء میں تین بار، پھر پانچ بار، اپنی طاقت کے مطابق عدد کو بڑھاتا رہے یہاں تک کہ ایک سانس میں اکیس بار تک پہنچائے) ذکر کرتا رہے۔

اس ذکر میں دوسری شرط یہ ہے کہ زبانِ خیال سے چند مرتبہ انتہائی عاجزی،

خاکساری اور نیازمندی سے حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں عرض کرے کہ:

إِلٰهِيْ أَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَرِضَاكَ مَطْلُوْبِیْ اَعْطِنِيْ مَحَبَّةَ ذَاتِكَ وَ مَعْرِفَةَ صِفَاتِكَ۔

یا یوں کہے:

اِلٰهِیْ اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَرِضَاکَ مَطْلُوْبِیْ،تَرَکْتُ لَکَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَة، اَتْمِمْ عَلَیَّ نِعْمَتِکَ ، وَارْزُقْنِیْ وُصُوْلَکَ التَّام۔

"خداوندا! مقصود من توئی و رضائے تو، محبت و معرفت خود دہ"۔

اے اللہ! میرا مقصود اور مطلوب تیری رضا مندی، تیری خوشنودی تیری محبت اور معرفت کا حصول ہے، تیری رضا میرا سرمایہ ہے، تو مجھے اپنی ذات کی محبت اور اپنی صفات کی معرفت عطا فرما۔

☆ اسمِ ذات، یا نفی اور اثبات کا ذکر حقیقت میں دعاء ہے اللہ تعالیٰ سے، یعنی اسم ذات میں ذاکر کہتا ہے کہ اے اللہ! اپنی محبت عطا فرما۔

اور نفی و اثبات میں کہتا ہے کہ اے اللہ! پکارنے کے لائق تیرے سوا کوئی نہیں ہے لہٰذا میں تجھے ہی پکارتا ہوں، اپنی محبت عطا فرما۔

☆ یہ بھی شرط ہے کہ: اپنی توجہ قلب کی طرف اور قلب کی توجہ ذات باری کی طرف رکھنا ضروری ہے کیونکہ نسبت کا حصول ان دو چیزوں کے بغیر محال ہے اس توجہ کو وقوف قلبی کہتے ہیں۔

☆ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ دل کو خیالات اور وسوسوں سے دور رکھے، تاکہ پراگندہ اور منتشر خیالات اس پر غلبہ نہ کریں اس کو نگہداشت کہتے ہیں۔

☆ حضرت شاہ اہل اللہؒ نے چار باب میں فرمایا ہے کہ مبادی سلوک میں اسم ذات ہر روز بارہ ہزار (12000) مرتبہ اور نفی و اثبات ایک ہزار (1000) مرتبہ کرنے پر مواظبت اور ہمیشگی اختیار کرنا عجیب وغریب ثمرات کا مضمر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد قدس سرہٗ نے ذکر نفی و اثبات یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو ہزار بار روزانہ مستقل طور پر کرنے کی وصیت فرمائی تھی، اور فرمایا تھا کہ کچھ ذکر تو بلند آواز سے ہو اور کچھ آہستہ آہستہ خفی طور پر۔

اثرات

سلسلۂ نقشبندیہ میں ذکر میں حبس دم مفید ہوتا ہے، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے گرمئ دل، ذوق وشوق، رقت، محبت، خیالات اور وساوس کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اس سے کشف بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن حبس دم لازمی شرط نہیں ہے خاص کر اُس آدمی کے لئے جسے حبسِ دم سے تکلیف پہنچتی ہو۔

نفی اور اثبات کے ذکر میں طاق عدد کی رعایت

نفی اور اثبات کے ذکر میں طاق عدد کی رعایت مطلوب ہوتی ہے اور اس کو وقوف عددی کہتے ہیں یعنی ذاکر تعداد سے واقف ہو۔ ایک سانس میں ایک بار سے لے کر اکیس (21) بار تک پہنچائے اس طرح کہ پہلے تین، پھر پانچ، پھر سات، پھر نو، پھر گیارہ مرتبہ۔ یہاں تک کہ اکیس مرتبہ ہو جائے۔ سالک کو چاہئے کہ صرف اکیس (21) کے عدد پر اکتفا نہ کرے بلکہ بڑھتا رہے یہاں تک کہ تین سو تراسی (383) تک کے عدد کو پہنچ جائے۔

اگر حبس دم میں اکیس (21) بار تک پہنچایا اور کوئی فائدہ نہ دیکھا مثلاً اطمینان قلب، اور انکشاف اسرار وغیرہ تو سمجھ لے کہ اس کا عمل باطل ہے اور مطلوبہ شرائط میں کوتاہی

ہوئی ہے ،اس لئے پھر نئے سرے سے شرائط کی اچھی طرح پابندی کے ساتھ دوبارہ نفی و اثبات کا ذکر تین سے شروع کر کے اکیس بار تک کرے۔

☆ مروی ہے کہ نفی اور اثبات کا مذکورہ بالا طریقہ سب سے پہلے حضرت حضر علیہ السلام نے حضرت خواجہ عبد الخالق غجد وانیؒ کو تعلیم فرمایا تھا۔ جو بخارا کے قریب غجد وان بستی کے رہنے والے تھے ،اور خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ کے خلفاء میں سے تھے۔

☆ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا طریقہ عطا فرمایئے کہ جو مطلوب تک پہنچانے والا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول فرمائی اور انہیں الہام ہوا کہ جذبہ کو سلوک پر مقدم کریں۔ چونکہ اسم ذات جذبہ کے ساتھ مقیّد ہے۔ لہٰذا متأخرین نقشبندیہ نے پہلے اسم ذات کے ذکر کی تلقین کی ہے۔

(تحفہ ابراھیمیہ)

ذکر تہلیل لسانی

اس ذکر کا طریقہ بھی وہی ہے جو نفی و اثبات کے ذکر میں بیان ہوا، سوائے اس کے کہ اس میں سانس نہیں روکا جاتا ، اور کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کا ذکر مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ معنیٰ کا خیال رکھتے ہوئے زبان سے کیا جاتا ہے، خیال سے نہیں۔

اور اس کی ادنیٰ تعداد گیارہ سو مرتبہ ، اور اعلیٰ پانچ ہزار مرتبہ ہے۔ اور زیادہ جتنا ہو سکے اتنا ہی بہتر ہے۔ یہ ذکر چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے ، لیٹے ، وضو سے یا بے وضو ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔ البتہ باوضو ہو کر کرنا زیادہ افضل ہے۔

(شجرہ طیبہ: ص:104)

دوسرا طریقہ مراقبات

دوسرا طریقہ: مراقبہ

صفائی باطن اور وصول الی اللہ کا دوسرا طریقہ "مراقبہ" ہے جو ترقب کے مادہ سے مشتق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ذکر اور بغیر رابطہ شیخ خیالاتِ فاسدہ سے اپنے دل کو محفوظ رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح دھیان رکھنا کہ کوئی ذکر (اسم ذات یا نفی و اثبات کا) نہ ہو بلکہ مذکور ہی دھیان میں رہے۔ یعنی فیض خداوندی اور رحمت الٰہی کے ظہور کا انتظار کرے۔

اس کی تدبیر یہ ہے کہ عاجزی، پوری نیاز مندی اور انکساری کے ساتھ وساوس سے بچ کر ذاتِ الٰہی کی طرف جو بے مثل و بے مثال ہے ہر وقت متوجہ رہے۔

اور یہ نیت کرے کہ میرے لطیفۂ قلب پر اُس ذات والا صفات سے فیض آرہا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں کی جامع ہے، اور جملہ عیوب و نقائص سے مُنَزَّہ و پاک ہے، اور اسم مبارک "اللہ" کا مسمّٰی ہے۔

زبانِ خیال کے ساتھ یہ نیت کر کے فیضان الٰہی کے انتظار میں بیٹھا رہے، جمعیت اور حضور قلب کی نسبت حاصل ہونے کی طرف توجہ رکھے، اور غیر خدا کا خیال بالکل اندر میں نہ آنے دے، تاکہ توجہ الی اللہ بغیر خیالات کی مزاحمت کے اس کی عادت اور ملکہ بن جائے۔

اثرات

جب یہ حالت پختہ اور دائمی ہو جائے گی تو نفس "فنا فی اللہ" ہو جائے گا، اس کو حضور بھی کہتے ہیں، اور یہی ذکر سے مقصود بھی ہے۔

مراقبہ سے عرفان حاصل ہوتا ہے، اور تقرب کی راہ کھلتی ہے، اس کے قلب پر ذکر کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، ایک قسم کی غنودگی طاری ہوتی ہے، اور طالب کسی اور ہی عالم

میں پہنچ جاتا ہے،غنودگی میں روح عروج کی طرف مائل ہوتی ہے، اورنفس میں جا کر سکون پزیر ہوتی ہے۔

جب طالب مراقبہ میں ہوتا ہے تو غنودگی کی حالت میں اپنے وجود سے غافل ہو جاتا ہے،اس حالت میں اسے کچھ مشاہدات بھی ہوتے ہیں جن کو اصطلاح میں کشف کہتے ہیں جس میں خیالات کی آمیزش کا امکان ہوتا ہے اس لئے طالب کو ان کو اہمیت نہیں دینی چاہئے ۔ بقول حضرت مجددصاحبؒ یہ سب طالب کے دل کے بہلاوے کا سامان ہے،منزل تو بہت آگے ہے۔

اور غنیۃ الطالبین میں ہے کہ:

فَاَمَّا الْمُجَاهَدَةُ فَالْاَمْرُ فِيْهَا قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ۔

''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا''۔

وَلَا تَتِمَّ الْمُجَاهِدَةُ اِلَّا بِالْمُرَاقِبَة ، وَهِيَ الَّتِيْ اَشَارَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ سَأَلَهٗ جِبْرَائِيْل عَلَيْهِ السَّلَام عَنِ الْاِحْسَان؟

" فقال: اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ "۔

لِاَنَّ الْمُرَاقِبَة عِلْمُ الْعَبْدِ بِاِطِّلَاعِ الرَّبِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَاسْتِدَامَتَه لِهٰذَا الْعِلْمِ مَرَاقَبَة لِرَبِّهٖ وَهٰذَا هُوَ اَصْلُ كُلُّ خَيْرٍ۔

مجاہدہ کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

"اور وہ لوگ جو ہماری طرف آنے میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم ضرور اپنی راہ کی طرف ان

کی راہنمائی کرتے ہیں"۔

اور مجاہدہ تام نہیں ہوسکتا جب تک کہ مراقبہ نہ ہو، اور مراقبہ کی طرف پیارے پیغمبر ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے جب کہ آپ ﷺ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے احسان کے بارے میں سوال کیا۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تو خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔

کیونکہ مراقبہ یہ ہے کہ بندہ اس بات کو جانے کہ اللہ تعالیٰ میرے حالات پر اطلاع رکھتا ہے، اور بندہ کا اس حالت کو ہمیشہ قائم رکھنا یہی مراقبہ ہے، اور یہ مراقبہ ہر نیکی کی اصل اور بنیاد ہے۔

مراقبہ سے متعلقہ ہدایات

(1) مراقبہ کے اندر اگر خطرات ہجوم کریں تو تین یا پانچ مرتبہ دماغ سے سانس نیچے کی طرف زور سے نکالے، اور خیالات ووساوس کے دور کرنے کا خیال کرے، اگر پھر بھی دفع نہ ہوں تو اپنے شیخ کا تصور کرے، اور پھر بھی دور نہ ہوں تو معوذتین یعنی:

"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ"

پڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے۔

☆ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے تھے کہ اگر وساوس کا ہجوم ہو اور کسی طرح بند ہی نہ ہوں تو اُس وقت یہ مراقبہ کرے کہ حق تعالیٰ کی کیا قدرت ہے کہ دل میں کیسی کیسی چیزیں پیدا فرمادی ہیں کہ دریا کی طرح امنڈ رہی ہیں، اور رکنے کا نام ہی

نہیں لیتیں۔بس اس مراقبہ سے وہ سب وساوس مرأۃ جمال الٰہی ہو جائیں گے۔

(2) ذکر کے وقت جو فی الجملہ حضور ہوتا ہے وہ حضورِ ذکر ہے، اور مراقبہ کے وقت کا حضور حضور مع اللہ ہے۔کوشش ومشق سے یہ حضوری دائمی ہوسکتی ہے۔

علامت حضوری دائمی کی یہ ہے کہ سونے کے بعد اٹھتے ہی قلب کو دیکھے کہ حاضر ہے یا غافل۔اگر حاضر پائے تو جان لے کہ مجھ کو حضوری دائمی بفضلہٖ تعالیٰ حاصل ہوگئی ہے، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔

(3) بعض مبتدیوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا، وہ معلوم ہونا صورتوں اور شکلوں کے دیکھنے کو سمجھتے ہیں، یا دیگر حالات وجدیہّ وغیرہ کو۔انہیں چاہئے کہ ایسی خواہش دل سے نکال لیں کیونکہ اشیاء تو اس عالم میں بھی دیکھنے کے لئے بہت ہیں۔

انہیں دولت جمعیت اور بے خطرگی جو حاصل ہوئی ہے اسی کو نعمتِ عظمیٰ سمجھیں کہ اسی کے اندر حضوری کہ جو عبارت توجہ الی اللہ سے ہے حاصل ہوگئی ہے۔

قُربِ الٰہی کے مقامات ومراقبات

لطائف اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ان لطائف کو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے کامل نسبت حاصل ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے اہل دنیا کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے وجود اور اس کے توابع کا فیض پہنچانے میں یہ واسطہ بنتے ہیں۔اور اسی مناسبت کے باعث آسانی فہم کے لئے انہیں "ظل" کہہ دیتے ہیں۔ظلیّت کا یہ علم راہ سلوک میں عالمِ سالک کے بہت کام آتا ہے، اور آہستہ آہستہ اس کو اصل کی طرف لے جاتا ہے۔

دائرہ امکان

عالم امر کے لطائف خمسہ یعنی قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ جو انسانی عالم صغیر کے

اجزا ہیں، ان کے اصول عالم کبیر میں ہیں ،جس طرح عناصرِ اربعہ جو کہ انسان کے اجزا ہیں ، اور اپنے اصول عالم کبیر میں رکھتے ہیں ۔اور ان پنجگانہ لطائف کے اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لا مکانیت سے موصوف ہے ۔یہی وجہ ہے کہ عالم اَمر کو لا مکانی کہتے ہیں ۔

دائرہ امکان یعنی خلق و امر اور صغیر و کبیر ان اصلوں کی انتہاء تک تمام ہو جاتا ہے ، اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں منتہی ہو جاتا ہے ۔

جب سالک رشیدی محمدؐی المشرب لطائف خمسہ کو ترتیب وار طے کر کے اُن کے اصول میں، جو عالم کبیر میں ہیں سیر فرماتا ہے ، اور ریاضت و عبادت اور صاحب شریعت ﷺ کی کامل پیروی ، بلند فطرتی ، بلکہ محض فضل الٰہی سے ان سب کو ترتیب اور تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطہ تک پہنچتا ہے تو اس وقت دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام اور پورا کر لیتا ہے ، اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایتِ صغریٰ میں جو اولیاء کی ولایت ہے سیر شروع کرتا ہے ۔

اور اس کے بعد اگر اسمائے وجوبی تعالیٰ و تقدّس کے ظلال میں جو حقیقت میں ان پنجگانہ عالم کبیر کے اصول ہیں ، اور جن میں علوم کی کچھ آمیزش نہیں ہے، سیر واقع ہو جائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو اسمائے وجوبی کے ظلال کا دائرہ سب کا سب تمام ہو جاتا ہے،اور اسماء وصفات واجب تعالیٰ شانہٗ کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔

ولایت صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے ۔ اس مقام میں حقیقتِ فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے ۔ اور ولایت کبریٰ کی ابتداء میں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ دائرہ ظل، انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا

تمام مخلوقات کے مبادئی تعیّنات کو متضمّن ہے، اور ہر ایک اسم کا ظل ہر ایک شخص کا مبدءِ تعین ہے۔حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق؄ کا (جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں اشرف ہیں) مبدۂ تعین اس دائرہ کے اوپر کا نقطہ ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ" جب سالک اس اسم تک جو اُس کا مبدءِ تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اس وقت وہ سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے"۔

اس میں اسم سے مراد اسم الٰہی جلّ شانہٗ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جزو ہے نہ کہ اس اسم کی اصل۔یہ دائرۂ ظل حقیقت میں مرتبۂ اسمائے صفات کی تفصیل ہے۔

مثلاً حضرت خاتم الانبیاء والرسل ﷺ کا مبدأ تعیّن شیون العلم ہے۔

اور یہی صفت العلم ایک اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدۂ تعیّن ہے۔

اور نیز یہی صفت ایک اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدءِ تعین ہے۔

مَنْ عَرفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانَهٗ

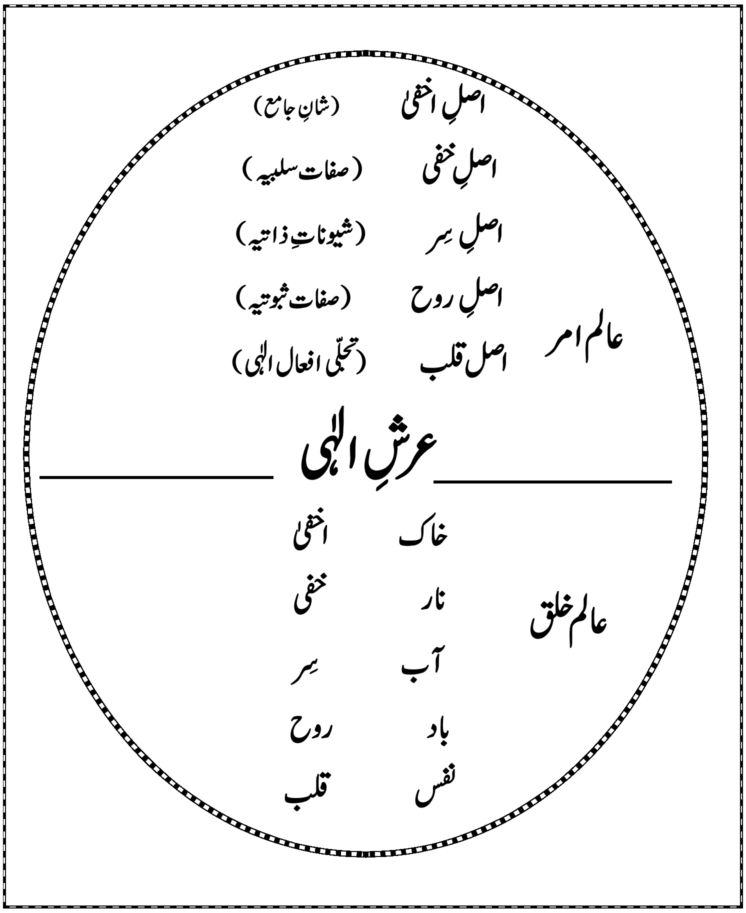
جس نے اللہ جل شانہ کو پہچانا اُس کی زبان گنگ ہوگئی۔

(سوانح مجدد الف ثانی:117)

دائرہ امکان کا نصف زمین سے عرش تک ہے اور دوسرا نصف عرش سے اوپر ہے۔ اور عالم خلق عرش کے نیچے ہے۔عرشِ مجید دائرے کے قطر کی صورت نظر آتا ہے، اور دائرہ کے نیچے والے حصّہ میں "نفس" اور چاروں عناصر" خاک، نار، آب، باد" مشہود ہوتے ہیں۔

اس کی شکل یہ ہے:

شکل دائرہ امکان



اوراس سے آگے پہنچ کر اسماء وصفات کے ظلال بھی دائرے کی صورت میں مشہود ہوتے ہیں ، اورصوفی اپنے آپ کو عالمِ مثال میں دیکھتا ہے کہ گویا سیر کرتا جا رہا ہے ، اوترقی کرتا جا رہا ہے یہاں تک کہ دائرۂ ظلال میں داخل ہوکر اپنی اصل تک پہنچ جاتا ہے ۔اورخودکو اصل کے رنگ میں پاتا ہے ، اوراپنے آپ کو وجود میں اصل ہی دیکھتا ہے ، اوراپنی ذات کو اس میں اس درجہ مٹا ہوا اورمعدوم دیکھتا ہے کہ اپنی ہستی کے عین یا اثر کو بھی محو پاتا ہے ، اور

وجود میں اصل ہی کو دیکھتا ہے۔ اس سیر کو روحانی اصطلاح میں "سیر الی اللہ" کہتے ہیں۔ اور ظلال کا یہ دائرہ" ولایت صغریٰ اور ولایت اولیاء کہلاتا ہے۔

(ارشادالسالکین:ص۷۹)

مراقبہ احدیّت

مقصود کے حصول کے لئے قلب میں پوری توجہ کے ساتھ تصوّر جمانے کو مراقبہ کہتے ہیں، ان مراقبات میں سے پہلا مراقبہ "مراقبہ احدیت" ہے اس مراقبہ کے دوران زبان حال سے اس وظیفہ کا ورد کیا جاتا ہے:

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَكَ يَا اَللّٰهُ : وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُـوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ★

وہ اکیلا ہے۔ اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں۔ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ★

تم فرمادو کہ اللہ ایک ہے۔

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ★ (النحل:۵۱)

تم دو معبود نہ بناؤ بلاشبہ معبود ایک ہی ہے۔

نیت

نیت اس طرح کرے کہ وہ ذات جو وحدہ لا شریک لہٗ ہے، اور اس کے مقابلے میں تمام عالم معدوم ہے، اس کی طرف سے میرے لطیفہ قلب پر فیض آ رہا ہے۔ اس مراقبہ

میں فیض کا منشاء دائرہ امکان ہوتا ہے اور مورد فیض لطیفہ قلب ہوتا ہے۔

مراقبے کے وقت آیت کریمہ کا معنیٰ ذہن میں رکھے اور "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا زبانی ذکر اس طرح کرے کہ سالک کی توجہ قلب کی طرف اور قلب کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔

جذبہ، ارادت، جمعیت، حضور

خطرات قلبی کے بالکل زائل ہونے یا کم ہونے کو جمعیت کہتے ہیں ۔ مراقبہ احدیت میں سالک کو حق تعالیٰ کے ساتھ حضور اور اس کے ماسویٰ سے غفلت ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کم از کم چار گھڑی تک خطرات اور وساوس کے بغیر یہ حضور حاصل ہو جائے تو سمجھنا چاہئے کہ اس مراقبے کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ہدایۃ الطالبین میں ہے کہ اکابر نقشبندیہ نے اصل معاملہ جمعیتِ قلب اور حضور پر رکھا ہے ،اور وہ سالک کو چار چیزوں کے حصول کی رغبت دلاتے ہیں: جذبہ، ارادت، جمعیت، اور حضور۔

جذبہ

لطائف کی کشش اوپر کی طرف ہو جائے تو اس کو جذبات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ارادت

ارادت: سے مراد قلب پر ایسے حال کا وارد ہونا جس کے تحمل و برداشت کی طاقت دشوار و مشکل ہو۔اس کو عدم اور وجود عدم بھی کہتے ہیں۔

جمعیّت

جمعیت عبارت ہے قلب کی بے خطرگی یا کم خطرگی سے یعنی دل میں خطرات اور وساوس کا بالکل نہ آنا یا کم آنا۔

حضور

حضور عبارت ہے اس سے کہ دل میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہو جائے۔

جب سالک عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول میں جو کہ عالمِ کبیر میں ہیں سیر کرتا ہے ،اور محض فضلِ خداوندی جل ّ شانہٗ سے ان سب کو ترتیب اور تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطے تک پہنچتا ہے، اور اُس کے دل کو حضور اور جمعیت حاصل ہو جائے ، اور کچھ وقت تک دل میں خطرات اور وساوس نہ آئیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ سالک نے دائرہ امکان (تمام ممکنات) کو خواہ وہ خلق ہو یا امر، خواہ وہ صغیر ہوں یا کبیر، سیر الی اللہ کے ساتھ طے کر لیا ہے جس کو مشائخ پہلا دائرہ کہتے ہیں ۔

تو سالک ولایت صغریٰ جو کہ ولایت اولیاء ہے کے دائرہ معیّت میں قدم شروع کر دیتا ہے۔بعض مشائخ نے انوار دیکھنے کو اس دائرہ کے طے کرنے کی علامت بیان کیا ہے ۔ اس مراقبے کی پختگی کا اثر سالک کی زندگی میں یوں نمایاں ہوتا ہے کہ اس کے اندر سے ہر قسم کے شرک کا خاتمہ ہو جا تا ہے ۔

دائرہ ولایت صغریٰ

دائرہ ولایت صغریٰ دوسرا دائرہ ہے اور اس کو دائرہ ظل اسماء وصفات بھی کہتے ہیں ۔ اس میں" تجلیات افعال الٰہیہ میں" سیر حاصل ہوتی ہے۔دائرہ ولایت صغریٰ ولایت اولیاء ہے ۔اور اس جگہ ولایت اولیاء اور ولایت انبیاء کا فرق ظاہر ہوتا ہے ، کہ ولایت صغریٰ کی انتہاء سے ولایتِ کُبریٰ کی ابتداء ہوتی ہے۔

دائرہ امکان اور دائرہ ولایت صغریٰ کا حاصل مقامات عشرہ کا حصول ہے، جو

عبارت ہیں: توبہ، انابت (یعنی رجوع الی اللہ)، زہد، ورع (یعنی پرہیز گاری)، توکل، رضاء، تسلیم، قناعت، یاس من الناس، فقر، فراغ ریاضت وغیرہ سے۔

ولایت صغریٰ میں سالک اللہ کی نافرمانی نہ کرنے کا عہد کر کے اس پر استقامت سے جم جاتا ہے، اور گناہ کا داعیہ پیدا ہونے کے باوجود شریعت پر عمل پیرا رہتے ہوئے مقامات عشرہ کے حصول میں لگ جاتا ہے۔

مراقبہ معیّت

اس دائرہ میں مراقبہ کے دوران سالک کے اندر ربّ العالمین کی معیّت کا شعور پختہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کا وظیفہ آیت کریمہ:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ *

جہاں کہیں بھی تم ہو وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔

کیونکہ ضمیر "هُوَ" کا مرجع ذات ہے، جہاں کہیں تم ہو۔ "اَيْنَمَا" عموم مکان کے لئے، اور "كُنْتُمْ" عموم زمان کے لئے ہے۔ اور پھر اس عموم معیّت ذاتی مع العلم کی مناسبت سے فرمایا کہ "بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" یعنی ہر مکان وزمان میں جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔ اس رویت کا تعلق ذات سے ہے، اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ * (پ5، ع13)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکتی، کیونکہ وہ ساتھ ہی ہیں۔

حضرت شاہ عبد الرحیم قدس اللہ سرہ نے "وَهُوَ مَعَكُمْ" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق معیت کے مسئلے سے لطف اٹھایا ہے۔

ایک گروہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے علم، قدرت، سمع اور بصر کے

ساتھ ہمیں محیط ہے، جیسا کہ فرمایا:

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ (پ۲۸)

اور ایک گروہ نے بچشم عیاں دیکھ کر کہا کہ ہر فعل اور انفعال، اور ہر حرکت اور صفت جو عالم میں ظاہر ہوتی ہے، حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (پ۵،سورۃ النساء)۔ اور

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ★ (پ۱۴،سورۃ النحل)۔

ایک جماعت نے مشاہدہ کیا کہ جو کچھ بھی ہے وہی ہے، غیر تو ہے ہی نہیں، جیسا کہ فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ★ (پ۲۰،سورۃ القصص) اور

وَهُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ★ (پ۲۷،سورۃ الحدید)

اور کچھ حضرات نے توحق کو حق میں دیکھا اور اس مقام کی گہرائیاں بیان کرنے سے زبانِ قلم قاصر ہے۔

(انفاس العارفین، ص190)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فتح الرحمٰن میں

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

کا ترجمہ یہ کیا ہے: " اُو با شما است ہر جا کہ باشید"۔ اور قول الجمیل میں مراقبہ " اَللّٰهُ مَعِيْ " کی نسبت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ساتھ ہونے کو خوب مضبوط تصوّر کرو، باوجود پاک ہونے اُس ذات مقدس کے جہت و مکان سے۔

اور اسی طرح اس مراقبے میں یہ الفاظ بھی کہہ سکتے ہیں:

اَللّٰہُ حَاضِرِیْ، اَللّٰہُ نَا ظِرِیْ، اَللّٰہُ نَاصِرِیْ، اَللّٰہُ مَعِیْ *

نیّت

سالک اس مراقبہ میں مذکوہ بالا آیت کریمہ:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

کے معنیٰ کا خیال کر کے خلوص دل کے ساتھ زبانِ خیال سے یہ تصوّر کرے کہ: وہ ذات باری جو ہر جگہ حاضر و ناظر اور میرے ساتھ اور تمام ممکنات بلکہ ذرات ممکنات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ باعتبار ذات کے موجود ہے۔ (جس کی صحیح کیفیت حق تعالیٰ ہی جانتا ہے) اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ قلب پر فیض آرہا ہے۔ مراقبے کے دوران اُس کی ہیبت اپنے قلب پر طاری رکھے۔

اس مراقبہ میں فیض کا منشاء ومبداء ولایت صغریٰ کا دائرہ ہوتا ہے جو اولیاء عظام کی ولایت اور اسماء وصفات مقدسہ کا ظل ہے۔ اور مورد فیض لطیفہ قلب ہوتا ہے۔

مراقبے کے وقت آیت کریمہ کا معنیٰ ذہن میں رکھے کہ اللہ ربّ العزت میرے اور کائنات کے ہر ذرّہ کے ساتھ ہے۔ اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا زبانی ذکر اس طرح کرے کہ سالک کی توجہ قلب کی طرف اور قلب کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، معنیٰ کی رعایت کے ساتھ ذکر کرنا بہت مفید ہوتا ہے۔

فائدہ

اس مرتبہ میں سالک کو فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے اور اس کے اندر توحیدِ وجودی، اللہ عزوجل تعالیٰ کی ذات کے ہر وقت ساتھ ہونے کا احساس غالب ہوتا چلا جاتا ہے اور انسان کو

گناہ کی طرف قدم اٹھانے سے حیا آتی ہے، اور ذوق وشوق، رونا دھونا، حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات میں ہر وقت استغراق، اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ، ماسوا کے خیال کا مٹ جانا، حاصل ہوتا ہے اور اس کو فنائے قلبی کہتے ہیں جو ولایت کا پہلا قدم ہے۔

اس مقام میں ذکر تہلیل لسانی، توجہ قلبی کے ساتھ کرنا بہت فائدہ بخشتا ہے، اور توجہ فوق سے ہٹ کر شش جہات کا احاطہ کر لیتی ہے۔

جب سالک اس دائرہ میں اسمائے وجوبی کے ظلال کے دائرے کو پورا کر لیتا ہے، اور اللہ جل شانہٗ کے اسماء وصفاتِ واجبی کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے، اور استغراق، بے خودی، دوام، حضور اور توجہ حاصل کر لیتا ہے، اور جب توجہ جہات شش گانہ کا احاطہ کر لیتی ہیں تو ولایت صغریٰ کے عروج کی انتہاء تک پہنچ جاتا ہے۔اور ولایت کبریٰ کی ابتداء میں (جو کہ ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہے) قدم رکھا جاتا ہے۔

ولایتِ کبریٰ:

ولایت صغریٰ کے بعد جب سالک کے نفس کا تزکیہ ہو جائے اور دائرہ ظلّ اسماء وصفات وشیونات میں عروج وترقی بطریقِ سیر فی اللہ واقع ہو جائے تو ولایت کبریٰ جو کہ ولایت انبیاء ہے، (اور بلا واسطہ اصلی طور پر انبیاء علہیم الصلوات والتسلمیات کے ساتھ مخصوص ہے) شروع ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ کمالِ فنا، ولایتِ کبریٰ میں حاصل ہوتا ہے۔ولایت کبریٰ سے مراد فنائے نفس اور رذائل سے اس کا تذکیہ اور انانیّت وسرکشی کا زائل ہو جانا ہے۔حاملین ولایت کبریٰ کے دل اتنے منوّر ہو جاتے ہیں کہ ان کی طبیعتیں شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہیں۔ اور مکروہات شرعیہ ان کے لئے مکروہاتِ طبعیہ بن جاتے ہیں، یعنی ان کی طبیعتیں ان چیزوں سے کراہت کرنے لگتی ہیں جن سے شریعت نے کراہت کا حکم دیا ہوتا ہے۔ان کے مزاج

شریعت کے مطابق ڈھل جاتے ہیں، طبیعت گناہ کی طرف مائل نہیں ہوتی۔

ولایت کبریٰ کو دائرہ اسماء وصفات وشیونات بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں تجلّیات خمسہ (یعنی افعالیہ، ثبوتیہ، شیونِ ذاتیہ، سلبیہ، اور شانِ جامع) کے اصول میں سیر واقع ہوتی ہے۔

یہ ولایت تین دائروں اور ایک قوس (یعنی نصف دائرہ) پر مشتمل ہے۔

(1) مراقبہ اقربیت (2) دائرہ محبّت اوّل (3) دائرہ محبّت دوم (4) قوس

پہلے مقامِ صفات وشیونات کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہوگی، اور اس دائرہ اصول سے گزرنے کے بعد ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے، اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق سے ایک قوس (نصف دائرہ کے مانند) ظاہر ہوگا اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔

ان اصولِ ثلاثہ کے کمالات کا حاصل ہونا" نَفْسِ مُطْمَئِنَّۃ "کے ساتھ مخصوص ہے، جس کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور نفس مقام رضا پر ترقی کرتا ہے۔ یہ مقام ولایت کبریٰ (جو ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہے) کا انتہائی مقام ہے۔

دائرہ اُولیٰ: مراقبہ اقربیّت

پہلے دائرے میں مراقبہ مقام اقربیّت کا کیا جاتا ہے، جس میں سالک آیت کریمہ:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد ★ (قٓ:پ۲٦)

ہم تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (کے مفہوم کا مراقبہ کرتا ہے)۔

یہاں قرب سے مرادقُربِ ذاتی ہے، اسی طرح ستائیسویں سپارے میں فرمایا:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ★ (پ۲۷،۱٦٦)

یعنی ہم اس سے تمہاری بنسبت قریب تر ہیں مگر تم نہیں دیکھتے۔

یہاں ضمیر "نَحۡنُ" کا مشارٌ الیہ ذات ہے۔اور سورۃ بقرہ میں فرمایا:

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ٭ (بقرہ:پ۲)

جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں سو میں تو قریب ہوں۔

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب ایک اعرابی نے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا:

اَنَّ اَعْرَابِيًّا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ، اَقَرِيْبٌ رَبَّنَا فَنُنَا جِيْهِ، اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ، فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَاَنْزَلَ اللهُ:" وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ" ٭

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہمارا رب نزدیک ہے کہ ہم اُس سے سرگوشی کریں، یا دُور ہے جو ہم اس کو پکاریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، تو اس موقع پر اللہ ربّ العزت نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ قربِ الٰہی سے مراد قُربِ ذاتی ہے، نہ کہ محض علمی، اور اسی نصوصِ قرآنی کی وضاحت کسی عارف نے اپنے شعر میں اس طرح کی ہے:

نحنُ اَقربُ از کتابِ حق بخواں
نسبتِ خود را بحق نیکو بداں
ہست حق از ما بما نزدیک تر
ما زِدوری گشتہ جویاں دَربدر

نیّت

اس مراقبہ کی نیت اس طرح کرے کہ وہ ذات باری تعالیٰ جو کہ اصل اسماء وصفات ہے اور اس آیۃ کریمہ:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ *

کے مطابق جو میری شاہ رگ، میری رگِ جان سے بھی زیادہ میرے قریب ہے۔

(اور اس قرب بلا کیف کی حقیقت حق تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور باعتبار وجدان کے بعید ہے) اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل فرمائے کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ نفس اور عالم اَمر کے لطائف خمسہ پر فیض آ رہا ہے۔

اس مراقبہ میں فیض کا منشاءومبداء ولایت کبریٰ کا دائرہ اُولیٰ ہوتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت، اور ولایت صغریٰ کے دائرہ کی اصل ہے۔ اور مورد فیض لطیفہ نفس اور عالم امر کے لطائف خمسہ ہوتے ہیں۔

اس دائرہ اولیٰ کا نصفِ اَسفل اسماء وصفاتِ زائدہ، اور نصفِ عالی شیوناتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے۔ انسان کی جان صفاتِ الٰہیہ کا ظل ہے، اور ظل اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اس لئے اصل، ظل سے وجود مخلوق کے زیادہ قریب ہے۔ اور اقربیت ومعیت کا معاملہ عقل کی حدود سے باہر اور کامل انکشاف پر موقوف ہے۔

اس مرتبہ میں " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ " کا ذکر زبان حال سے ترقی بخشتا ہے۔

فائدہ

اس مراقبہ کی پختگی کے ساتھ سالک پر قرب الٰہی کا رنگ چڑھ جاتا ہے جسے قرآن کریم نے " صِبْغَةَ اللهِ " کہا ہے۔ کامل توجہ الی اللہ، خطرات، وہم، خیالات اور وساوس کا

ازالہ ہو جاتا ہے، اسی طرح عروج ونزول اور قلب کی خاص کیفیات کے ساتھ آہستہ آہستہ تمام بدن پر انجذابی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اور تجلّی فعلی، تجلّی صفتی اور تجلّی ذاتی متحقّق ہوجاتی ہے۔

☆ پھر مراقبہ اقربیت ہی کے ضمن میں بعض مشائخ نقشبندیہ مراقبہ "فنا وبقاء" طے کرادیتے ہیں۔

مراقبہ فنا وبقاء

ان مراقبات کی تسبیح یہ ہیں: پہلے فنا فی اللہ میں:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ★

روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ فانی ہے۔

اور پھر بقا باللہ میں

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ★ (الرحمٰن:پ۲۷)

اور تمہارے رب کی عزت وجلال والی ذات باقی رہنے والی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ★ (النحل:۹۶)

جو تمہارے پاس ہے وہ فنا ہوجائے گا، اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے۔

اس کے مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک یہ تصوّر کرے کہ میں مر چکا ہوں، اور مرنے کے بعد ایسی راکھ بن چکا ہوں جس کو ہوائیں اڑا رہی ہیں، اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے، اور ہر چیز کی ترکیب اور شکل مٹ چکی ہے۔ اور صرف اللہ رب العزّت کی ذات باقی

اور موجود ہے۔اس کا دیر تک تصوّر کرے تو یہ نیستی و نابودی کو مفید ہوگا۔

امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ مراقبہ" فنا فی اللہ اور بقا باللہ" جب سالک کو راسخ ہو جائے تو وہ یقیناً ایمان پر مرتا ہے۔ اور اس کے اخلاق اور اوصاف متزیّن ہو جاتے ہیں، اور حق الیقین رونما ہو جاتا ہے، اور فنا سے بقاء کی طرف صعود کرتا ہے۔

بقاء اور فناء

واضح ہو کہ علم زبان میں فناء و بقا کے معنیٰ اور ہیں اور اصطلاح طریقت میں اور۔علم زبان اور لغت میں بقاء کے معنیٰ تین قسم کے ہیں۔

(1) ایک یہ کہ: بقاء وہ ہے جس کا ابتدائی کنارہ بھی فنا ہو اور اس کا آخری کنارہ بھی فنا، مثلاً دنیا کہ یہ ابتداء میں بھی نہ تھی اور انتہاء میں بھی نہ ہوگی اور موجودہ وقت باقی ہے۔

(2) دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ بقاء سرے سے موجود ہی نہ ہو، اور جب موجود ہو جائے تو پھر وہ فنا ہی نہ ہو، جیسے جنت اور دوزخ اور آخرت کا جہان اور اس کے رہنے والے ہیں۔

(3) تیسرے معنیٰ یہ کہ بقاء نہ آگے معدوم ہو اور نہ پہلے معدوم تھی، جیسے حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات اقدس اور اس کی صفات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ اپنی قدیم صفات کے ساتھ باقی رہے گا۔

طریقت کی اصطلاح میں بقائے حال اور فناء حال سے مراد یہ ہے کہ جہالت کے لئے یقیناً فنا ہے اور علم کے لئے بقاء ہے۔معصیت فانی ہے اور طاعت باقی۔

بندہ جب حق تعالیٰ کو پہچان جاتا ہے تو وہ اس کے علم کے ساتھ باقی رہتا ہے، اور اس سے جہل فنا ہو جاتا ہے۔

(کشف المحجوب ص 388)

فناءاور بقاء میں مشائخ کے رموز و لطائف

فناء وبقا کی تعریف میں ہر بزرگ نے لطائف و رموز بیان کئے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں:

اَلْفَنَاءُ فَنَاءُالْعَبْد عَنْ رُؤْ یَتِهِ الْعُبُوْدِیَّتِهٖ ، وَالْبَقَاءُ بَقَاءُ الْعَبْدِ بِمُشَاهِدَةِ الْاِلٰهِیَّتِهٖ۔

فناء یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی کی دید سے فانی ہو، اور بقاء یہ ہے کہ بندہ مشاہدۂ الٰہی سے باقی ہو۔

یعنی بندہ اپنے افعال کو نہ دیکھے، بلکہ فضل الٰہی کو دیکھے۔ جب تک اپنے افعال پر نظر رہے گی وہ ناقص رہے گا، اور جب حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی نسبت ہو جائے گی تو وہ پورے طور پر کامل ہو جائے گا۔

حق تعالیٰ شانہٗ کے جلال کے غلبہ میں اُس کے دل سے دنیا اور آخرت فراموش ہو جاتی ہے، اور عین فنا میں گم ہو کر اس کی زبان حق کے ساتھ گویا ہو جاتی ہے، اور اس کے دل میں خشیت اور جسم میں عاجزی پیدا ہو جاتی ہے۔

(کشف المحجوب ص392-394)

☆ حضرت خواجہ باقی باللہؒ فانی فی اللہ بے رنگ فرماتے ہیں کہ: جب سالک چالیس سال تک تخلیہ اختیار کر لے، اور ہر روز چالیس ہزار مرتبہ اسمِ ذات "اللہ اللہ" اور چالیس ہزار مرتبہ نفی و اثبات "لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله" کرے تو چالیس سال کے بعد فنا کو پہنچے گا۔

☆ امام غزالیؒ کے نزدیک فنا یہ ہے کہ جتنے خصائل و رذائل ہیں، سب کے سب کم ہو جائیں۔

☆ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک فنا تین قسم کی ہوتی ہے:

(1) فنائے خلق: یعنی مخلوقات سے امید باقی نہ رہے۔

(2) فنائے ھویٰ: یعنی اللہ کے بغیر دل کے اندر کوئی خیال نہ رہے۔

(3) فنائے ارادہ: یعنی کوئی ارادہ کسی قسم کا دل کے اندر نہ ہو، دل کے اندر کوئی آرزو نہ ہو۔لیکن ارادہ والی فنا حضرات عالی درجات نقشبندیہ والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ (دکان عشق:ص ۱۵۳)

☆ پیرِ ہرات حضرت شیخ عبداللہ انصاریؒ اس خودفراموشی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

" خداوندا! این چه بو العجبی است که با دوستانِ خود میکنی ، وقتیکه ترا می جوئیم خود را می یا بیم ، ووقتیکه خود را می جوئیم ترامی یابیم۔"

بارِ خدا! یہ کیا تماشا ہے کہ تو اپنے دوستوں کے ساتھ کرتا ہے کہ جب تک کہ تجھے ڈھونڈتے ہیں ،اپنی ذات کو پاتے ہیں ،اوراب حال یہ ہے کہ ہم اپنی ذات کو ڈھونڈتے ہیں تو (خودکو نہ پاکر) تجھے پاتے ہیں۔

(یعنی میرا وجود خود مجھ سے گم ہو گیا ہے) اسی کیفیت کو فنافی اللہ و بقا باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔تو فنا کا مطلب یہ ہوا کہ غیروں کی محبت اور یاد فنا ہو جائے ،حتّٰی کہ اپنا خیال بھی نہ رہے۔ یہ مطلب نہیں کہ موجود غیر موجود ہو جائے ،یہ بات محال ہے۔

ان مراقبات کے بعد ولایت کبریٰ کے دوائر ثلاثہ آتے ہیں۔یعنی دائرہ محبتؔ اوّل، دائرہ محبتؔ دوم،اور قوؔس۔ان مراقبات میں اس کی مشق کرائی جاتی ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل سے دور ہو جائے کیونکہ وہ ذات باری محبت اختیاری میں کسی غیر کی شرکت کو پسند نہیں کرتی۔

دائرہ ثانیہ: دائرہ محبت اوّل

اس مراقبہ کے دوران سالک اس آیت کریمہ کا وظیفہ کرے:

يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ ★

وہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں

کے معنیٰ کو ذہن میں رکھ کر مراقبہ محبت کرے۔

نیّت

اس مراقبہ کی نیت اس طرح کرے کہ وہ ذات باری تعالیٰ جو اس آیت کریمہ "يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ" کے مطابق جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اُس سے محبت کرتا ہوں اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے خاص لطیفہ نفسی پر فیض آ رہا ہے۔

اس مراقبہ میں فیض کا منشاء ومبداء ولایت کبریٰ کا دائرہ ثانیہ ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت اور دائرۂ اولیٰ کی اصل ہے۔ اور موردِ فیض صرف لطیفہ نفس ہوتا ہے۔

اس مرتبہ میں بھی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا ذکر زبان حال سے ترقی بخشا ہے۔ سالک دوران مراقبہ لطیفہ نفس یعنی پیشانی کے سامنے ایک نورانی دائرہ دیکھتا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سالک کے اندر اپنے محبوب کے ساتھ محبت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

دائرہ ثالثہ: دائرہ محبّت دوم

دوسرے دائرے میں بھی آیت شریفہ: "يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ" وہ (اللہ تعالیٰ) اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے (اللہ تعالیٰ سے) محبت کرتے ہیں۔ کے معنیٰ کو ذہن میں رکھ کر مراقبہ محبت کرے۔

نیّت

اس مراقبہ کی نیت اس طرح کرے کہ وہ ذات باری تعالیٰ جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اُسے دوست رکھتا ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اُس سے محبت کرتا ہوں اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ نفس پر فیض آ رہا ہے

اس مراقبہ میں فیض کا منشاء ومبدأ دائرہ ثالثہ ولایت کبریٰ ہوتا ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت اور دائرہ ثانیہ کی اصل ہے، اورمورد فیض صرف لطیفہ نفس ہوتا ہے۔

سالک دوران مراقبہ لطیفہ نفس یعنی پیشانی کے سامنے پہلے نورانی دائرے کے گردا گرد ایک دوسرا نورانی دائرہ دیکھتا ہے جو پہلے سے بڑا ہوتا ہے، اور اس مراقبہ کے دوران محبت میں اضافہ محسوس ہوتا ہے۔

مراقبۂ دائرۂ قوس

سالک اس دائرے میں بھی آیت شریفہ: "يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ " وہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں، کے معنیٰ کو ذہن میں رکھ کر مراقبہ محبت کرے۔

نیّت

اور اس مراقبہ کی نیت اس طرح کرے کہ وہ ذات باری تعالیٰ جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اُسے دوست رکھتا ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اُس سے محبت کرتا ہوں اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے لطیفہ نفس پر فیض آ رہا ہے۔

اس مراقبہ میں فیض کا منشاء ومبداء ولایت کبریٰ کی قوس ہے جو کہ ایثار علم وانبیاء علیہم السلام کی ولایت اور دائرۂ ثالثہ کی اصل ہے، اورمورد فیض صرف لطیفہ نفس ہوتا ہے۔

سالک دوران مراقبہ لطیفہ نفس یعنی پیشانی کے سامنے پہلےاور دوسرے نورانی دائرے کے گرداگرد تیسرا بڑا نورانی دائرہ دیکھتا ہے جو پہلے دونوں سے بڑا ہوتا ہے، ان دوائر ثلاثہ کے مراقبہ کے دوران سالک کے اندر اپنے محبوب کی محبت کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔جس کی نشانی ربّ العالمین نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمائی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ * (آل عمران)

(اے پیغمبر! لوگوں سے) فرمادیجئے: کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔

فائدہ

دائرہ اقربیت میں بنسبت دائرہ محبت اوّل ودائرہ محبت دوم اورقوس کے زیادہ قوت اور انوار کی کثرت ہوتی ہے۔اور باقی کے دو دائروں اورقوس میں یہ قوت اورنورانیت درجہ بدرجہ کم اورضعیف ہوتی رہتی ہے۔

ولایت کبریٰ کا مقام بلند ہےجس میں سالک کا سینہ کھل جاتا ہے۔فیض باطن کا معاملہ جو پہلے دماغ سے تعلق رکھتا تھا اب سینہ سے متعلق ہوجاتا ہے۔شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے۔حسب استعداد تمام سینہ میں عموماً اور اخفیٰ کے مقام پر خصوصاً وسعت ظاہر ہوجاتی ہے، اوراسے صبر وشکر کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

قضا وقدر اور احکام شرعیہ کے قبول کرنے میں دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر قسم کی شورش سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے،اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں پر کامل ترین یقین حاصل ہو جاتا ہے۔توحیدِ شہودی جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ انسان کی انانیت مر جاتی ہے، اپنے اعمال کو ناقص سمجھتا ہے۔اس کے اندر اخلاق حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں، اوراخلاق رذیلہ

جیسے حرص ، بخل ، حسد ، کینہ ، تکبر ، حب جاہ وغیرہ سے تذکیہ اور صفائی حاصل ہو جاتی ہے، اور کمال درجہ کا استہلاک، اور اضمحلال حاصل ہو جاتا ہے۔

ان دائروں اور قوس کے مراقبات کے زمانے میں ذکر تہلیل لسانی معنیٰ اور دیگر شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے کرنا ترقی بخشتا ہے۔

سیر ولایت علیاوعناصر ثلاثہ

ولایتِ کبریٰ کے ان دوائر ثلاثہ کو طے کرنے کے بعد ولایت علیا میں سیر واقع ہوتی ہے۔ سیر اسم ظاہر اور اسم الباطن کو ولایت علیا اور ملاء اعلیٰ کی ولایت کہا جاتا ہے۔

وہ اسماء جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں اُن اسماء میں سیر کا آغاز کرنا ولایتِ عُلیا میں قدم رکھنا ہے جو کہ ملائکہ ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے۔اس ولایت میں عناصر ثلاثہ یعنی عنصر نار، آب اور باد (یعنی آگ ، پانی اور ہوا) سے کام پڑتا ہے،اور اسم ظاہر اور اسم باطن کی سیر وسلوک سامنے آتے ہیں ۔ یہ گویا سابقہ تمام مراتب کا اتمام ہے۔

امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم اور خیال میں آیا کہ سب کام مکمل ہو چکا ہے۔(اتنے میں عالم غیب سے) ندا آئی کہ یہ سب کچھ اسم ظاہر کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے لئے ایک بازو ہے۔ اور اسمِ باطن کی سیر ابھی باقی ہے جو کہ عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے، جب تو اسے بھی مفصل طور پر انجام دے دے گا تو اس وقت تجھے پرواز کے لئے دو بازو عطا ہوں گے ، اور جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے اسمِ باطن کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو میسر ہو گئے ۔

(مکتوبات حضرت مجدّدالف ثانی ص214دفتر اوّل:مکتوب260)

ولایت علیا میں مراقبہ اسم ظاہر والباطن کا کرایا جاتا ہے۔

مراقبہ اسم الظاہر والباطن

اس مراقبہ کا وظیفہ ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ★

وہی ذات اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر اور وہی باطن اور وہ ہر شئے کو جانتی ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر پیارے پیغمبر ﷺ کی اُس دعاء سے ہوتی ہے جس کو ابوداؤد و مسلم وترمذی وابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے:

اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ۔ (الحدیث)

پہلے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی اوّل ہیں، ان سے پہلے کوئی شئ نہیں ہے، دوسرے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی آخر ہیں، اور اُن کے بعد کوئی شئ نہیں ہے، اور تیسرے جملے کے معنیٰ یہ ہیں کہ حق تعالیٰ ہی ظاہر ہیں، ان کے اوپر کوئی شئ نہیں، کیونکہ وجود کو ذواتِ اشیاء پر فوقیت حاصل ہے۔ جب اوّل وآخر وظاہر حق تعالیٰ ہی ہیں تو باطن بھی وہی ہوں گے۔ اسی لئے پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تو ہی باطن ہے تیرے سوا کوئی شئ نہیں۔

مراقبے کے وقت ذات باری تعالیٰ جو اسم باطن کا مسمّٰی ہے کو ملحوظ رکھے، اور آیت کریمہ کا معنیٰ ذہن میں رکھے کہ اللہ ربّ العزت ہی اوّل بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

نیّت

نیت اس طرح کرے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ جو اسم ظاہر اور اسم الباطن کا مسمّٰی ہے

اوراس آیت کریمہ کے مطابق کہ:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ *

وہی اوّل وہی آخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہی ہر شے کو جاننے والا ہے

عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے اس کی طرف سے میرے عناصرِ ثلاثہ یعنی آگ، پانی، اور ہوا پر فیض آرہا ہے۔

اس مراقبہ میں فیض کا منشاء دائرہ ولایت علیا ہے، اور مورد فیض عناصر ثلاثہ ہیں۔

☆ حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اسمِ ظاہر اور اسمِ باطن کے دونوں بازوؤں کے حصول کے بعد جب (اس فقیر کو) پرواز میسر ہوئی اور عروج اور ترقیاں ملیں تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیاں دراصل عُنصُرِ ناری کے سبب ہیں، اور عُنصُرِ ہوائی، اور عُنصُرِ آبی کے ملائکہ کرام علیہم السلام کو بھی ان سہ گانہ (تینوں) عناصر سے حصّہ ملا ہے، یعنی بعض فرشتوں کو بھی ان عناصرِ ثلاثہ یعنی آگ، پانی، اور ہوا سے نسبت ہے، اس طرح کہ ان کو آگ اور برف سے پیدا کیا گیا ہے، اور ان کی تسبیح یہ ہے:

سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الثَّلْجِ وَالنَّارِ۔

پاک ہے وہ ذات جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا۔

(کنز الهدایات فارسی: ص48)

فائدہ

اس مراقبہ میں تہلیل لسانی یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ" کا ذکر اور لمبی قرأت کے ساتھ نوافل کی کثرت باعث ترقی ہوتی ہے۔ اور رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرنا باعث ترقی ہوتا ہے، کہ اس میں فرشتوں کی صفت کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اور جس قدر

فرشتوں کے ساتھ مناسبت بڑھے گی اسی قدر ولایت میں ترقی ہوگی۔

ولایت علیا کی مثالی صورت دائرہ علیا میں آفتاب کی شعاعوں کی طرح نمودار ہوتی ہے۔سالک محسوس کرتا ہے کہ اندر اور باہر نور ہی نور ہے اور دوائر ثلاثہ کے نور نے اس کے ظاہر اور باطن کو پوری طرح اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے۔

توجہ،حضور اور عناصر ثلاثہ میں عروج ونزول حاصل ہوتا ہے، باطن کے اندر عجیب وسعت اور ملاء اعلیٰ (یعنی فرشتوں کی دنیا) کے ساتھ مناسبت پیدا ہوجاتی ہے،اور ہوسکتا ہے کہ فرشتے ظاہر ہونے لگیں۔اور ایسے راز معلوم ہونے لگتے ہیں جو پوشیدہ رکھنے کے لائق ہوتے ہیں۔ذاتِ باری تعالیٰ اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص محبت اور اُنس پیدا ہو جاتا ہے۔یہ ولایت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو کامل اتباع سنت رکھتے ہوں،اور کبائر اور صغائر سے بچیں۔

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسمِ ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس کے کہ اس کے ضمن میں ذات باری تعالیٰ ملحوظ ہو، اور اسم باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ ملحوظ ہوتی ہے۔

اور یہ اسماء ڈھالوں کی مانند ہیں جیسے اس کے "اسمِ علیم" میں ذات باری تعالیٰ صفت کے پردہ میں ملحوظ ہے، کیونکہ "علیم" وہ ذات ہے جس کی صفت "علم" ہے۔تو "علم" کی سیر "اسمِ ظاہر" کی سیر ہے۔اور "علیم" کی سیر اسمِ باطن کی سیر ہے۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی)

بعض اشخاص کو یہ دائرے عالم مثال میں نظر آتے ہیں ، اور وہ دیکھتے ہیں کہ وہ (خواب یا کشف میں) ایک مقام سے دوسرے مقام کی سیر کررہے ہیں۔

عالم مثال

عالم مثال سے مراد یہ ہے کہ: کوئی شخص خواب یا کشف میں مثالوں کو اشیاء کی طرح دیکھتا ہے، اور ان کی تعبیر کرتے ہوئے اپنے گمان کے مطابق ان کی تعبیر حاصل کرتا ہے۔ مثلاً بندہ عالم خواب یا کشف میں دیکھتا ہے کہ میں فلاں دائرے تک پہنچا ہوں، یا فلاں صفت کے ظل تک پہنچا ہوں۔یہ بندہ کے قُرب پر دلالت کرتا ہے اور اس کے حق میں بشارت ہے۔

جب سالک اسم ظاہر اور اسم الباطن کی سیر طے کر لیتا ہے تو اُس کو گویا مقصود بالذات یعنی ذات بحت، عالمِ قدّس کی طرف سیر کے لئے دو باز ومیسر ہو جاتے ہیں۔

اس مقام تک سالک کی سیر ظلال یا صفات میں تھی اس کے بعد سالک کا معاملہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدّس کے ساتھ شروع ہوگا، اور اس کی سیر تجلّی ذاتی دائمی میں واقع ہو گی۔تجلّی ذاتی دائمی کے تین درجے و مرتبے ثابت کئے گئے ہیں۔مرتبہ اوّل کو کمالات نبوّت، مرتبہ دوم کو کمالات رسالت، اور مرتبۂ سوم کو کمالات اولوالعزم کہتے ہیں۔

دائرہ کمالات ثلاثہ

ولایت علیا طے کرنے کے بعد سالک کو اگر اللہ کا فضل شامل حال ہو تو اس کو اس کے بعد کمالاتِ ثلاثہ (یعنی کمالات نبوت، کمالات رسالت، اور کمالات الوالعزم) میں سیر شروع ہو جاتی ہے:

مراقبہ مرتبۂ کمالاتِ نبوت

کمالات نبوت (یعنی تجلّی ذاتی، دائمی بے پردہ اسماء وصفات میں سیر کا حاصل ہونا۔مرتبۂ کمالات نبوت، مرتبۂ اسماء وصفات اور شیون واعتبارات سے اونچا ہے جو ولایتِ

علیا اور ولایت کبریٰ میں ثابت ہیں۔

نیت

نیت اس طرح کرے کہ وہ ذاتِ بَحت (محض) جو منشاء کمالات نبوت یعنی تجلّی ذاتی دائمی بے پردہ اسماء وصفات کے ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے عنصرِ خاک پر فیض آرہا ہے،اس مراقبہ میں فیض کا منشاء کمالات نبوّت ہے اور موردِ فیض لطیفہ خاک ہے۔

☆ تجلّی ذاتی دائمی بے پردہ اسماء وصفات سے مراد یہ ہے کہ سالک جب اسمِ ذات کا ذکر کرتے ہوئے جب مقامِ فنا پر پہنچتا ہے،تو ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلّی ہمیشہ اُس کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے، اسماء وصفات کے پردے نہیں ہوتے ۔تو اس لئے اس کا نام تجلّی ذاتی دائمی ہے۔لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات مجددیہ دفتر اوّل کے مکتوب نمبر چھ میں فرماتے ہیں کہ یہ نسبت صدیاں گزر جانے کے بعد ایک یا دو کو نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ:

اس مقام پر پہلے والے معارف سب مفقود ہو جاتے ہیں۔نسبت باطن میں کمال وسعت وبے رنگی و بے کیفی حاصل ہوتی ہے کہ ولایت صغریٰ و کبریٰ وعلیا اس کے سامنے بالکل لاشئی اور محض تنگ معلوم ہوتے ہیں۔۔اور ایمانیات وعقائد حقہ میں یقین قوی ہو جاتا ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے، اور متبعین کو انبیاء علیہم السلام کی متابعت اور وراثت سے حاصل ہوتا ہے۔اس مقام میں قرآن مجید کی تلاوت آداب وترتیل کے ساتھ اور نوافل کی کثرت آداب کی رعایت کے ساتھ، اور حدیث شریف کے پڑھنے پڑھانے کا شغل،اور اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت فائدہ اور ترقی بخشتا ہے۔

(شجرہ:ص134)

مقام نبوّت کو مقام ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ۔ اس عجیب مقام میں حضور بے جہت حاصل ہوتا ہے، صفائی قلب، اطمینانِ کامل، شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع، باطنی نسبت میں وسعت حاصل ہوتی ہے۔

اس مقام کے معارف حضرات انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں ہیں، اور چونکہ نبوّت کے مرتبوں میں تفاوت ہے اس لئے اس تفاوت کے اندازے کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی اختلاف آ گیا ہے۔

یہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے، اور انبیاء کی ولایت حق تعالیٰ شانہٗ کی اقربیت کا نشان بتاتی ہے ۔اور مرتبۂ کمالات نبوّت کا حصول انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے بالاصل ہے بغیر کسی واسطہ کے، جبکہ یہ مقام دوسروں کو انبیاء کی متابعت و وراثت کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔

(اربع انھار ص 91)

مراقبہ کمالات رسالت

اس کے بعد مراقبہ کمالات رسالت کرے اس نیت سے کہ وہ ذات بحت جو منشاء خاص کمالات رسالت ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے ۔اور ہیئت وحدانی نام ہے عالم خلق اور عالم امر کے دسوں لطیفوں میں تکمیل اور تقریر کا۔ اس مراقبہ میں فیض کا منشاء کمالات رسالت اور مورد فیض پورا بدن انسانی ہے۔

اثرات

اس مراقبہ میں بھی وہی کیفیات مزید ترقی کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں جن کا ذکر مراقبہ نبوّت میں کیا گیا یعنی بے رنگی و بے کیفی وغیرہ۔

سالک کو حصولِ فناء و تصفیہ و تزکیہ لطائف عشرہ کے بعد عالم امر و خلق کے دسوں لطیفوں میں جو اعتدال پیدا ہوتا ہے اس ہیئت کو ہیتِ وحدانی کہتے ہیں۔

مراقبہ کمالات رسالت سے لے کر بعد کے تمام مراقبات میں عروج و نزول و انجذاب تمام بدن کا حصّہ ہوتا ہے یعنی یہاں سے لے کر آخری سبق تک موردِ فیض سالک، ہیئت وحدانی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت اور لمبی قرأت کے ساتھ نوافل کی ادائیگی اس مرتبہ میں ترقی بخشتا ہے۔

مراقبہ کمالاتِ اولوالعزم

اس کے بعد مراقبہ کمالات اولوالعزم کرے، اولوالعزم ان رسولوں کو کہتے ہیں جن کو نئی شریعت دی گئی ہو، اور ایک مستقل کتاب اُن پر نازل ہوئی ہو۔ (اور اولو العزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں)۔ ان انبیاء کا مراقبہ کرے۔

نیت

اس نیت سے کہ وہ ذات بحت جو منشاء خاص کمالات اولوالعزم انبیاء علیہم السلام ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔

اثرات

اس مراقبہ میں بھی ہر دو کمالات سابقہ کی مثل فیض کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، پس ان تینوں کمالات میں تجلّی ذاتی دائمی کا فیض بے پردہ اسماء و صفات حاصل ہوتا ہے، اور

ہر مقام میں پہلے سے زیادہ وسعت و بے رنگی پیدا ہو جاتی ہے ۔اور اسرارِ مقطعات قرآنی ، اور متشابہاتِ فرقانی کا انکشاف ہوتا ہے، جو کسی طرح تحریر و بیان میں نہیں آسکتے ۔

حقائق الٰہیہ

اس کے بعد حقائق الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے، اور یہ تین دائرے ہیں ۔

(1) یعنی حقیقت ِکعبۃ اللہ کا دائرہ،(2) حقیقتِ قرآن مجید کا دائرہ ، (3) حقیقت صلوٰۃ کا دائرہ ، حقیقت محضہ کا دائرہ ، اور چار دائرے حقائق انبیاء علیہم السلام کے ہیں ۔

(1) حقیقت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام (2) حقیقت موسوی علیہ الصلوٰۃ والسلام (3) حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام (4) حقیقت احمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ان دونوں کو ملا کر حقائق سبعہ کہتے ہیں ۔

مراقبۂ حقیقتِ کعبۂ ربّانی

یہ ایک نہایت ہی عالی مرتبہ ہے جو کہ حق تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے قرآن مجید کی حقیقت ہے،اور اُسی کے حکم سے قرآن مجید کے مطابق کعبۂ معظّمہ آفاق کا قبلہ بنا ، اور تمام مخلوق کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا۔

لہٰذا امام قرآن مجید ہے اور مقتدی پیش قدم کعبۂ معظّمہ ہے۔اور یہ مرتبۂ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی بیچوں وسعت اور امتیاز کا مبدأ ہے ۔

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ دفتر سوم مکتوب 77)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جس طرح کعبہ کی صورت فرشتوں ، انسانوں اور تمام مخلوقات کے لئے مسجود الیہ ہے ، اسی طرح اس کی حقیقت بھی ان صورتوں کے حقائق کے لئے مسجود الیہ ہے۔ اس واسطے حقیقت کعبہ تمام حقائق سے برتر ہے ، اور اس کے ساتھ جو کمالات متعلق ہیں وہ تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے بڑھ کر ہیں۔ گویا

یہ حقیقت حقائق کونی اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے۔ حقائق الٰہی سے مراد عظمت و کبریائی کے پردے ہیں جن کے دامن پاک تک رنگ و کیفیت کا گزر نہیں۔ اور ظلیّت نے ان کی طرف راہ پائی ہے۔ دنیاوی عروجات اور ان کے ظہورات کی انتہاء حقائق کونی کی انتہاء تک ہے، اور حقائق الٰہی سے کامیاب ہونا آخرت پر مخصوص ہے۔ ہاں نمازیں جو مؤمن کی معراج ہیں، اور اس معراج میں گویا دنیا سے نکل کر آخرت میں مومن چلا جاتا ہے۔ اُس حظ (حصہ) میں جو آخرت میں میسّر ہوگا کچھ حصّہ حاصل ہو جاتا ہے۔

نیت

حقیقت کعبہ ربّانی کا مراقبہ اس طرح کرے کہ: وہ ذاتِ واجب الوجود جس کو تمام ممکنات سجدہ کرتی ہیں، اور جو حقیقت کعبۂ ربانی کا منشاء ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے۔ یہ نیّت کر کے اللہ تعالٰی کی عظمت، کبریائی اور تمام ممکنات کا مسجود لہٗ ہونے کا مراقبہ کرے۔

اس مراقبہ کے دوران سالک کا وظیفہ تلبیہ ہوتا ہے:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

سالک اپنی روح سے کعبۃ اللہ کا طواف کرتا ہے اور زبان حال سے یہ وظیفہ جاری ہوتا ہے۔ سات چکر پورے کر کے ملتزم سے چمٹ کر دعاء میں مصروف ہو جاتا ہے۔

فائدہ

اس مراقبہ میں یہ احتیاط ہوتی ہے کہ سالک یہ خیال نہ کرے کہ ان پتھروں کا مراقبہ کر رہا ہوں، اس لئے کہ کعبہ کی حقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔ اس مراقبہ میں اللہ تبارک

وتعالیٰ کی عظمت اور بڑائی سالک پر مشہود ہوتی ہے، جس کی وجہ سے سالک کے باطن پر ایک قسم کی ہیبت غالب آجاتی ہے۔ اور جب فنا اور بقاء حاصل ہوجاتی ہے تو سالک خود کو بھی اس سے متّصف سمجھتا ہے۔ جب یہ مراقبہ راسخ ہوجاتا ہے تو استعداد کے بعد سالک کو کعبہ ملائکہ بیت العزۃ اور بیت المعمور کا مراقبہ کرایا جاتا ہے، اور تجلیاتِ انوار الٰہی کعبہ سے لے کر عرش تک نظر آتی ہیں۔

مراقبۂ حقیقت قرآنِ مجید

بعد ازاں حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرے۔ اس مرتبۂ مقدسہ میں وسعتِ بیچوں اور امتیازِ بیچگوں کے علاوہ نور کے اطلاق کی گنجائش بھی نہیں ہے، اور دوسرے تمام کمالاتِ ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ ہی میں رہ جاتا ہے۔

نیّت

مرتبۂ حقیقت قرآنِ مجید کا مراقبہ اس نیت سے کرے کہ اُس کمال وسعت والی بے مثل و بے چوں ذات سے جو منشاء حقیقت قرآن مجید اور کتب سماوی کا ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔ قرآن مجید ذات واسع بے کیف کا مظہر ہے۔

فائدہ

اس مراقبے میں شرح صدر ہوجاتا ہے۔ سالک پر کلام الٰہی کے باطنی اسرار ظاہر ہوتے ہیں، اور کلام اللہ کے ہر حرف میں معانی کا ایک بے پایاں دریا نظر آتا ہے۔ پند ونصائح، وقصص و حکایات اور اوامر و نواہی وغیرہ کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت قاری کا تمام جسم زبان بن جاتا ہے۔ قرآن مجید

کے انوارات ظاہر ہوتے ہیں۔قرآن مجید کے انوار ظاہر ہونے کی علامت سالک کے باطن پر بوجھ کا وارد ہونا ہے۔جس کی طرف قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں اشارہ ہے۔:

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا * (المزمّل)

کہ بیشک ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔

بعض اکابر نے اس مقام میں اس طرح دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کے اوپر آ گیا ہوں، اور وہاں ایک زینہ رکھا ہوا ہے، جس کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر حقیقت قرآن مجید میں داخل ہوا ہوں۔

نسبت حقیقت کعبہ معظّمہ باوجود اس سب کبریائی وعظمت کے حقیقت قرآن مجید سے نیچے دکھائی دیتی ہے۔

مراقبہ حقیقتِ صلٰوۃ

مرتبۂ حقیقت قرآن مجید کے اُوپر ایک اور بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقت صلٰوۃ کہتے ہیں، اور عالم شہادت میں اس کی صورت منتہی نمازیوں کے ساتھ قائم ہے۔حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حقیقت صلٰوۃ کی طرف اشارہ اس واقعہ میں ہو جو معراج کے سلسلہ میں آیا ہے کہ:

" قِفْ یَا مُحَمَّدْ، فَاِنَّ اللّٰہَ یُصَلِّیْ"

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھر جایئے کہ اللہ تعالٰی نماز میں ہے، یعنی ایسی عبادت جو تجرد اور تنزیہہ کے مرتبے کے لائق تھی شاید مراتب وجود سے ثابت ہوئی۔

نیّت

مراقبہ حقیقت قرآن مجید کے بعد مراقبہ حقیقت صلٰوۃ کا کرے۔اس نیت سے کہ

وہ کمال وسعت والی بے چوں اور بے مثل ذات جو منشاء ہے حقیقت صلوٰۃ (یعنی جمیع قربات مسجودیت وغیرہ) کا، اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔

فائدہ

اس مقام کے بارے میں لب کشائی مشکل ہے اس لئے کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ وسعت اور امتیاز ہے، اور نماز کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ نماز اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے، اور جامع عبادات ہے کیونکہ اس میں تینوں حقائق، حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت صلوٰۃ جمع ہو جاتے ہیں۔

کیونکہ اگر حقیقتِ کعبہ ہے تو وہ بھی اسی کا جز ہے، اور اگر حقیقتِ قرآن ہے تو وہ بھی اسی کا حصّہ ہے کیونکہ نماز مراتب عبادات کے اُن تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت سے ثابت ہیں، کیونکہ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے۔

جس سالک کو یہ پاکیزہ حقیقت مل جائے تو وہ نماز کی ادائیگی کے وقت اس جہاں فانی سے چلا جاتا ہے اور دار آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس دولت سے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور حدیث شریف میں جس صفت احسان کا ذکر ہے کہ:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔

کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اس مقام کو پوری طرح آشکارا کرتی ہے۔

اور اسی حالت کے بارے میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن۔

کہ نماز مومن کی معراج ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ داخل نماز ہوتا ہے تو وہ حجاب جو بندہ اور خدا کے درمیان ہے دور ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز معراج مؤمن ہے۔ نماز سے منتہیِ واصل کو بہت سا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ اور حجاب کا دور ہونا واصل منتہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور جو اعمال قرب الٰہی کے باعث ہیں ان سب میں نماز کا درجہ سب سے بلند اور فائق ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ*

کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے۔

(نوٹ) بعض حضرات نے یہاں پر اس کے محاذات میں دائرہ حقیقت صوم کا بھی ذکر کیا ہے۔ یعنی وہ ذات جو تمام نقائص، تمام احتیاجات اور تمام رذائل سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ اس کی طرف سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے۔ لیکن بعض نے فرمایا کہ یہ دائرہ داخل سلوک نہیں ہے۔

مراقبۂ معبودیّت صِرفہ

حقیقت صلوٰۃ کے اوپر "معبودیت صِرف" کا مقام ہے جو کہ سب کی اصل اور سب کی جائے پناہ ہے۔ جہاں کسی کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں ہے کہ اس سے اُوپر قدم رکھ سکے، کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عابدیت کی آمیزش ہے، وہاں تک تو نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے، لیکن جب معاملہ "معبودیتِ صرف" تک پہنچ جاتا ہے تو قدم بھی کوتاہی کرتا ہے، اور سیر بھی انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

نیّت

اس مرتبہ میں اس نیت سے مراقبہ کرے کہ وہ ذات محض جو معبودیت صِرفہ کا منشاء ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمۃ اللہ علیہم کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔اس مراقبہ کا وظیفہ یوں ہے:

اَلنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدَانِ ★

اور بیلیں اور درخت سب اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔

اس مراقبہ کے نتیجے میں سالک اپنے مقام عبودیت سے آشنا ہوتا ہے اور اس کی روح بے ساختہ پکار اٹھتی ہے:

سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی۔

فائدہ

اس مرتبہ میں وسعت اور اس کے ساتھ کوتاہی ظاہر ہوتی ہے، سیر قدمی تمام ہو جاتی ہے، بلکہ سیر نظری (یعنی نظر وفکر) سے فیض لے سکتا ہے۔کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کی حقیقت اس مقام پر متحقق اور منکشف ہو جاتی ہے اور اس بات کا یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے کہ معبود حقیقی کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ عابدیت اور معبودیت کے درمیان کمال درجہ کا امتیاز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے، اور عابد معبود سے کما حقہٗ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کے معنیٰ منتہیوں کے حال کی نسبت سے "لَا مَعۡبُوۡدَ اِلَّا اللہُ" ہیں۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور

''لَا مَوۡجُوۡدَ ، وَلَا وُجُوۡدَ ، وَلَا مَقۡصُوۡدَ''

کہنا ابتدائی اور درمیانی نسبت سے ہے۔اور "لَا مَقْصُوْدَ" کا مرتبہ "لَا مَوْجُوْدَ" اور" وَلَا وُجُوْدَ "، کے مرتبہ سے بلند ہے، کیونکہ وہ" لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا الله " کی کھڑکی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مقام میں نظر کی ترقی اور نگاہ میں تیزی نماز کی عبادت پر وابستہ ہے جو منتہیوں کا کام ہے۔دوسری عبادات بھی نماز کی تکمیل میں شاید مدد دیں اور نقصان کی تلافی کریں۔نماز کو بھی اسی لئے ایمان کی طرح حسن لذاتہٖ کہتے ،جبکہ دیگر عبادات" حَسَنٌ لِذَوَاتِهَا" نہیں ہیں۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی، ص225دفتر سوم)

جاننا چاہئے کہ حقائق الٰہیہ کی سیر یہاں ختم ہو جاتی ہے اوراب ان حقائق میں ترقی صرف اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔اس کے بعد حقائق ایثار کا مرتبہ آتا ہے۔

حقائق ایثار یا حقائق انبیاء علیہم السلام

اس دائرہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص محبت اور اُنس کا کمال حاصل ہوتا ہے اورخوابوں میں بندہ دیکھتا ہے کہ یہ فلاں مقامات ہیں۔

یعنی جس طرح بادشاہوں کا ظاہری قرب حاصل ہوتا ہے تو بندہ ان کے مکان کے قریب جاتا ہے،اسی طرح عالم مثال میں خوابوں کی شکل میں قرب معلوم ہوتا ہے۔

گویا بندہ اذکار کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں دن بدن ترقی کرتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتے ہیں۔اورمحبت کا درجۂ کمال عالم مثال میں دائرہ کی شکل میں نظر آتا ہے ،جسے حقیقت محمدی ، یا حقیقت احمدی، یا حبّ صرف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جس طرح حقائق الٰہیہ میں ترقی اللہ تبارک وتعالیٰ کے محض فضل وکرم پر موقوف ہے،اسی طرح حقائق ایثار میں ترقی پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر موقوف ہے۔محبت کے

پانچ مراتب ہیں:(1)محبوبیّت (2) محبّیّت (3)محبت (4)حب (5)رضا۔

جاننا چاہئے کہ حضرت ذات باری تعالیٰ اپنے آپ کو"محبت ذاتیہ" میں تین اعتبارات مَحْبُوْبِیّت، مُحِبِّیّت اور محبت کی وجہ سے دوست رکھتا ہے ۔محبوبیت کی بھی دو قسمیں ہیں:محبوبیّت ذاتی ،اور محبوبیت صفاتی واسمائی۔

محبوبیتِ ذاتیہ کے کمالات کا ظہور آقائے نامدار سرور کائنات خاتم الانبیاء جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مسلّم ہے،جس کا ظہور حقیقتِ محمدی ،اور حقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں متحقق ہوا۔

محبّیّت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے،اور نفسِ محبت (یعنی محبوبیت صفاتی واسمائی) کے مقام میں سب سے پہلے ابو البشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ظاہر ہوئے ، اور دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تیسرے نمبر پر حضرت نوح علیہ السلام اسی مقام پر ظاہر ہوئے ۔

اور جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات کو دوست رکھتا ہے ، اسی طرح اپنے اسمائی ،صفاتی اور افعالی کمالات کو بھی دوست رکھتا ہے ۔اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدّس کی اس محبت کا ظہور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر اکمل اور اتم ہے۔

اور دیگر اسمائی ،صفاتی اور افعالی محبوبیت کا ظہور دوسرے انبیاء علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوات والتسلیمات میں متحقّق ہے ۔لہٰذا سالک کی سیر سب سے پہلے کمالات صفاتی اور حقیقت ابراہیمی میں شروع ہوتی ہے۔

مراقبہ حقیقتِ ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا گیا ،وہ ہر امتحان میں پورے اترے اس لئے ربّ العالمین نے انہیں اپنا خلیل بنایا۔ان کی ولایت کے

دائرے کا نام" مقامِ خلّہ یا حقیقتِ ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام" ہے۔

نیّت

اس جگہ مراقبہ اس طرح کرے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ جو حقیقت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے۔

یہ مقام بہت ہی عجیب اور برکات کا حامل ہے، سالک کو حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ خاص اُنس اور خلوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کمالات صفاتی اور محبوبیت اسماء کا ظہور ہوتا ہے۔ مقام خلّت اسی سے کنایہ ہے، اور اس دائرہ کو دائرہ خلّت بھی کہتے ہیں۔

اس مقام پر حضرات انبیاء علیہم السلام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے تابع ہیں، اور خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بموجب آیۃ کریمہ:

اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ★

کہ آپ دین ابراہیمی کی پیروی کیجئے جو ٹھیک سیدھی راہ پر تھے۔

ملّت ابراہیمی کے تابعدار تھے۔ اسی لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو درود ابراہیمی کی تعلیم فرمائی۔ اس مقام پر درود ابراہیمی پڑھنا ترقی بخشتا ہے، اور بہت ہی خیر و برکت کا باعث ہے۔ درود ابراہیمی یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْد۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْد★

اس مقام میں سالک کو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خصوصیت معلوم ہوتی

ہے، لیکن سالک کو چاہیئے کہ سوائے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسی خصوصیت کے ساتھ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو، بلکہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے طفیل سمجھے۔

مراقبہ حقیقت موسوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

مقام حقیقت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طے کرنے کے بعد سالک کی سیر حقیقت موسوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہوتی ہے جو کہ محبت صرفہ سے کنایہ ہے۔جس طرح بادشاہ کے مقربین خاص ہوتے ہیں اوران سے راز و نیاز کی باتیں کی جاتی ہیں،اس طرح جن سے راز و نیاز کی باتیں ہوئیں وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

نیّت

اس کا مراقبہ اس نیت سے کرے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ جوحقیقت موسوی علیہ السلام کا منشاء ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض پہنچ رہا ہے۔

اس مقام پر مندرجہ ذیل درود شریف کا ورد ترقی بخشتا ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْ سَلِیْنَ ، خُصُوْ صًا عَلٰی کَلِیْمِکَ مُوْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام۔

مقام حقیقت موسوی کو طے کرنے کے بعد سالک کی سیر حقیقۃ الحقائق کے مرتبہ میں ہوتی ہے جس کو حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔

مراقبہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبھا الف الف تحیہ کا مراقبہ اس نیت سے کرے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ جومحبّ بھی ہے اورمحبوب بھی اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء ہے اس کی طرف

سے عظیم مرشدین گرامی رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض پہنچ رہا ہے ۔ گویا نامِ نامی اسم گرامی حضرت محمد ﷺ کے دو میموں میں محبّیت اور محبوبیت کی طرف اشارہ ہے ۔

فائدہ

اس مراقبہ کے دوران سالک نہایت ہی ادب اور احترام اور حضور قلب سے روزۂ اطہر کے اندر نگاہیں جھکائے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے اور مسلسل زبان حال سے یہ درود شریف پڑھتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدَ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حقیقت محمدی ﷺ کو ظہور اوّل اور حقیقۃ الحقائق بھی کہتے ہیں ۔اس لئے کہ یہ دوسرے تمام حقائق خواہ وہ حقائق انبیاء علیہم السلام ہوں یا حقائق ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں سب حقیقت محمدیؐ کے لئے ظل کے مانند ہیں،اور تمام حقیقتوں کی اصل حقیقت محمدی ﷺ ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔

اور یہ بھی فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ،اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے۔

خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ۔

معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی واسطہ ہے اللہ تعالیٰ اور دیگر تمام حقائق کے درمیان،اور

کوئی پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے کے بغیر مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا۔اس طرح آقائے نامدار سرور کائنات جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء اور مرسلین کے نبی ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جہان کے لئے رحمت ہے۔

فَهُوَ نَبِيُّ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْ سَلِيْنَ ، وَرِسَالَتهٗ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْن عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے خواص کو انبیاء پر فضیلت نہیں ہے۔ البتہ اس امت کے خواص اس دولت میں انبیاء کے شریک ہیں۔اس کے علاوہ اور بہت سے کمالات ہیں جن کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو زیادتی اور خصوصیت حاصل ہے۔

اس امت کا اخصّ خواص کتنا ہی زیادہ ترقی کرے، اُس کا سر اُس پیغمبر کے پاؤں تک نہیں پہنچ سکتا جو تمام پیغمبروں میں کم درجہ کا ہے۔

(مجدد الف ثانی: ص311)

اس مقدّس مقام میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص قسم کا اتحاد میسّر ہوتا ہے، اور خاص طرز پر فنا اور بقا حاصل ہوتی ہے۔اور سالک کو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حد درجہ محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور اپنے تمام دینی اور دنیوی امور میں اور حرکات و سکنات میں محبوب ربّ العالمین سید الانبیاء والمرسلین کے اتباع سے کامل رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔

نیز اس مقام میں محبوبیت ذاتیہ کا محبّیت ذاتیہ کے ساتھ مل کر ظہور ہوتا ہے۔اس لئے اس کو "دائرہ محبوبیت ذاتیہ مُمتزِجہ" بھی کہتے ہیں، اور حقیقت الحقائق اور تعین اوّل بھی۔اس لئے کہ یہ دوسرے انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے حقائق کی اصل ہے، اور دوسروں کے حقائق اس کے لئے ظل کی مانند ہیں۔

سالک اس مقام میں تمام جزوی وکلی، دینی و دنیوی امور میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ساتھ مناسبت ومشابہت ہونے کو بہت ہی دوست رکھتا ہے۔

اس مقام پر بھی درود شریف کا ورد ترقی بخشتا ہے۔اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جس طرح ذکر اللہ پر مداومت اور ہمیشگی کرنی ضروری ہے اسی طرح پیارے پیغمبر ﷺ پر درود شریف کی مداومت بھی ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعاء زمین اور آسمان کے درمیان موقوف ہوتی ہے، کوئی حصہ بھی اس دعاء کا اوپر نہیں چڑھتا جب تک کہ تم حضور نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھو۔

مراقبہ حقیقتِ احمدی ﷺ

حقیقت محمدی کے بعد سالک کی ترقی دائرہ حقیقت احمدی میں ہوتی ہے۔

نیّت

اس مرتبہ میں مراقبہ اس نیت سے کرے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ جو اپنی ذات کی خود محبوب ہے اور حقیقت احمدی ﷺ کا منشاء ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض پہنچ رہا ہے۔

اس مراقبہ کے دوران سالک نہایت ہی ادب اور احترام اور حضور قلب سے پیارے پیغمبر ﷺ کی بارگاہ میں دو زانو ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور مسلسل زبان حال سے اس درود شریف کا پڑھنا ترقی بخشتا ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوٰتِکَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔

اس مقام پر محبوبیت ذاتی منکشف ہوتی ہے کیونکہ یہ مقام محبوبیت ذاتی سے پیدا ہوا

ہے۔سالک ذات حق سبحانہٗ عزوجل تعالیٰ کو بلا لحاظ صفات دوست رکھتا ہے۔

امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کریم میں دو ناموں کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے:

(۱) مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ (۲) اور، اِسْمُهٗ اَحْمَدُ

اور ان دونوں مبارک ناموں کی ولایت علٰیحدہ علٰیحدہ ہے۔ ولایت محمدی محبوبیت اور محبت دونوں کا مجموعہ ہے۔ جب کہ ولایت احمدی نری محبوبیت ہے کہ اس میں محبت کا شائبہ بھی نہیں۔اور یہ ولایت پہلی ولایت سے مطلوب سے نزدیکی کے اعتبار سے ایک مرحلہ آگے ہے اور محبّ کے لئے مرغوب تر ہے۔

(کنز الهدایات: ص 97)

مراقبہ حبّ صرف

مرتبہ حقیقت احمدی طے کرنے کے بعد حبّ صرف کا مقام آتا ہے، جو محبت ذاتیہ کے مقام سے بالا تر ہے، اور ان تینوں اعتبارات "یعنی محبوبیّت، محبّیّت اور محبت" کا جامع ہے۔

نیّت: اس جگہ مراقبہ اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ جو حبّ صرفہ کا منشاء ہے اس کی طرف سے عظیم مرشدین گرامی رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض پہنچ رہا ہے۔

اثرات

ذاکر وسالک کی انتہائی ترقی کا مرتبہ یہی حب ہے کہ اس سے اوپر ترقی ممکن نہیں۔پس اسم ذات اور نفی اثبات میں مقصود دعاء ہے اور حب کی طلب ہے جو سب مدارج

میں آخری درجہ ہے۔جب سالک دیکھے کہ عالم مثال میں وہ اس دائرہ کے مقام تک پہنچ گیا ہے تو سمجھ لے کہ اپنے درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے اس کو کمال محبت اور کمال محبوبیّت کی بشارت حاصل ہوگئی ہے۔

اس مقام میں نسبت باطن میں کمال بلندی و بے رنگی ظاہر ہوتی ہے ۔یہ مرتبہ حضرت ذات مطلق ولاتعین کے بہت قریب ہے۔اس لئے کہ جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ یہی حب ہے جو منشاءِ ظہور و مبداءِ خلق ہے ۔یہ مقام پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حقائق اس مقام میں ثابت نہیں ہوتے ، اوراس میں سیر قدمی نہیں بلکہ سیر نظری ہے۔اور نظر بھی عاجز ودر ماندہ وسرگرداں ہے۔

مراقبہ مقام لاتعیّن

اس کے بعد مقام "لاتعیّن" ہے اس ذات مطلق کا جس کی کوئی انتہانہیں اور جہاں قدم کے لئے جولانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔یعنی سیر قدمی نہیں بلکہ سیر نظری ہے ۔اور چونکہ حضرت ذات کی کوئی انتہاءنہیں اس لئے وہاں متعین کا وصول والحاق محال ہے ۔

نیّت

اس جگہ مراقبہ اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ذاتِ بحت جووجود خارجی کے ساتھ موجود اور تمام تعیّنات سے مبراء ہے وہ عظیم مرشدین گرامی رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی پر فیض رساں ہے۔

اس مقام میں اس ذات سے فیض حاصل کرنے کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو تعیّنات سے پاک ومبرّا ہے ۔یہ مقام بھی پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے ۔یہاں بھی سیر نظر بعجز ودر ماندگی ہے ۔ ذات حق کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے ، اور ادراکِ

ذاتِ حق کا دعویٰ شرک ہے۔ مراقبہ کے وقت آیت کریمہ:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ٭

نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔ (الانعام:103)

پیش نظر رہے۔

مقامِ رضا

بعض حضرات نے دائرہ حبّ صرف کے بعد مقام رضا کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام رضا محبت اور حُب کے مقام سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ مرتبۂ رضا مرتبۂ محبت سے بلند ہے۔ اس لئے کہ مقام رضا میں نسبتیں مفقود ہو جاتی ہیں جو حضرت تعالیٰ و تقدس کی ذات کے مناسب ہیں۔ مقام رضا کے اوپر حضرت خاتم الانبیاء والرسل ﷺ کے علاوہ کسی کا قدم نہیں ہے۔ شاید اسی مقام کی خبر دیتے ہوئے پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے:

"لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَانَبِيٌّ مُّرْسَلٌ"

میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل شریک نہیں ہوتا۔

ولایت انبیاء مقام رضا پر منتہی ہوتی ہے۔ مگر بعض نے کہا کہ اس سے آگے پھر "دائرہ قیومیّت" ہے، اس کے بعد "دائرہ افرادیت" ہے، پھر "دائرہ قطب وحدت" ہے۔ اور اس کے بعد "دائرہ صدیقیّت" ہے، اور اس پر سلوک کی انتہاء ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

☆ یہ ہے مختصر طور پر مقامات کا بیان جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل

وکرم سے حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو سرفراز فرمایا ہے۔
کس کا نصیب ہے جو ان مقامات تک پہنچے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ :

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔

خلاصۂ

جو کچھ طریقۂ دوم میں بیان کیا گیا اس تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ: ولاَیتِ صغریٰ میں اوّل استغراق اور جذبات قلب حاصل ہوتے ہیں۔اس کے بعد ولاَیتِ کبریٰ میں استہلاک و اضمحلال نفس میں پیدا ہوتا ہے،اور توحیدِ وجودی حاصل ہوتی ہے ۔اس کے بعد کمالات انبیاء میں توحید شہودی اور فنائے انانیت حاصل ہوتی ہے۔اور حقائق الٰہیہ میں تمام وجود میں اضمحلال،اور بتدریج وسعت باطن وکمال وسعت حاصل ہوتا ہے۔

اور حقائق انبیاء علیہم السلام میں حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص نبی الانبیاء خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کے ساتھ انس ومحبت و الفت حاصل ہوتی ہے ، اور ایمانیات اور عقائدِ حقّہ میں قوّت حاصل ہوتی ہے۔

اور ان مقامات میں ترقی کا دارو مدار سالک کی کوشش اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ہر شخص ان مقامات تک نہیں پہنچ سکتا ۔بہت کم لوگ ہوں گے جو اپنی سیر کو آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں ،ورنہ ہر شخص اپنے وجدان سے اپنے احوال میں تبدیلی کو محسوس کرتا ہے ۔مرشد کامل کی توجہ سے ان مقامات کا حصول سہل ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

تیسرا طریقہ

رابطہ

اپنے مرشد

کے ساتھ

تیسرا طریقہ: رابطہ اپنے مرشد کے ساتھ

" واصل باللہ" یا وصول الی اللہ کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ شیخ کامل کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا جائے۔ دین سیکھنے اور تربیت حاصل کرنے کے لئے شیخ سے خط وکتابت یا ٹیلی فون کے ذریعہ رابطہ رکھا جائے۔ اور جب ممکن ہو شیخ کی صحبت میں وقت گزارا جائے۔ شیخ کی محبت کو کمال تعظیم کے ساتھ اس طرح دل میں جگہ دے کہ اس زمانہ کے کسی دوسرے ولی کی محبت اور افضلیت کی دل میں گنجائش نہ رہے۔

شیخ کامل کی توجہ اور اخلاص کی برکت سے دل غفلت سے پاک ہو جاتا ہے۔ جذبہ محبّت اور مشاہدہ الٰہی کے انوار کی شمع مرید میں روشن ہو جاتی ہے۔ شیخ کی موجودگی میں ادب اور اُس کی خوشنودی کے خیال سے اور اس کی غیر موجودگی میں اُس کا تصور کر کے مرید فیض پاتا ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ طریقہ مقصد تک آسانی سے پہنچانے والا ہے اور اس کو رابطہ کہتے ہیں۔

دار المعارف کے صفحہ نمبر ۱۷۹ میں لکھا ہے کہ سالک ہر دم اور ہر گھڑی توجہ پیران عظام کی طرف رکھے، اور ان کی عنایت کا امیدوار ہو۔ اور جذب القلوب میں ہے کہ جب لطائف کا ذکر کرے تو ہر لطیفہ کے ذکر کے وقت اپنے مرشد اور مرشد کے مرشد کے اسی لطیفہ کو یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اس طرح خیال کرے جیسا کہ اپنے لطیفہ کے سامنے دوسرے آئینے رکھے ہوئے ہیں جن سے اس کا لطیفہ اخذ کرتا ہے۔

بعض مشائخ نے اپنے شیخ کی شکل وصورت کے یاد کرنے کا فرمایا ہے کہ موجب فیوض اور دافع شیاطین ہے، اور اس کی ماہیّت یہ ہے کہ جیسے زندوں کی صحبت میں تاثیر ہوتی ہے، جس طرح کہ حدیث میں مروی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اچھے ہم نشین کی مثال کستوری اٹھانے والے کی سی ہے ۔ اور برے ہم نشین کی مثال لوہار کی بھٹی کی سی ہے ۔حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ سب راہوں سے یہ راہ زیادہ قریب تر ہے۔ مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ اللہ کے ساتھ صحبت رکھو، اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو اُن کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں۔

عارف باللہ شیخ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی مزید وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ اوّل تو سالک کو کامل بیداری اور ہوشیاری سے تجلّی ذات کے پَرتو کا سامنا کرنا چاہیئے ،اور اگر ایسا نہ ہو سکےتو پھر ان لوگوں سے تعلق جوڑنا چاہیئے جو اس پَرتو سے مشرف ہوئے ہیں ۔ اور قرآن کریم کی آیت کریمہ " كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ " یعنی سچوں کے ساتھ رہو۔ اس میں ایک طرح کا رابطۂ مرشد کی طرف اشارہ ہے۔

اگر مرشد کامل ،شہودِ ذاتی کا واصل ہوتو اُس کی توجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کچھ حاصل ہوجاتا ہے جو سالہا سال کی محنت سے حاصل نہیں ہوتا۔

(القول الجمیل: ص96)

رابطۂ مرشد کی شرط

اور رابطۂ مرشد کی شرط یہ ہے کہ مرشد قوی التوجّہ ہو، یادداشت کی دائمی مشق رکھتا ہو، سالک جب ایسے مرشد کی صحبت میں جائے تو اپنے آپ کو ہر قسم کے تصوّر اور خیالات سے خالی کر کے مرشد کی محبت اور اُس کی طرف سے آنے والے فیض کا منتظر رہے ۔اور اپنی دونوں آنکھوں کو یا تو بند کر لے ، یا مرشد کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں دیکھے۔اور جب کوئی فیض آئے تو دلجمعی سے اُس کی اتباع کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ اور مرشد کی غیر موجودگی میں بطریق محبت وتعظیم اس کی صورت کا تصوّر کرتا رہے۔

یاد رکھیئے! اعتقاد اور محبت مرشد کی عمدہ چیز ہے، لیکن افراط وتفریط ہر کام میں معیوب ہے، ایسی افراط بھی بہتر نہیں جس میں صورت پرستی کی نوبت پہنچے، اور شریعت محمدیہ کی مخالفت ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہر امر میں صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ بزرگوں کا ذکر بطریق دعاء اور درود کے کرے اس طرح کہ: اے اللہ! ان بزرگوں کے اوپر آپ نے جو فیض کے دریا جاری فرمائے ہیں، اُن فیوضات کو مجھ تک بھی پہنچا دے، اور یہی خلاصہ ہے درود اور دعاء کا۔

توجہ شیخ

علماء کی ایک بڑی جماعت نے پہلی وحی کے نزول کے وقت جبرائیل علیہ السلام کی طرف سے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "اِقْرَأْ" فرمانے اور جواب میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" (کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اور تینوں مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آپ کو سینہ کے ساتھ لگا کر دبانے کو توجہ سے تعبیر کیا ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام جو تعلیم لائے، اُس کی ابتداء توجہ سے ہوئی۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "التکشف عن مہمات التصوّف" میں بھی پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونی والی سب سے پہلی وحی کا واقعہ صحیح بخاری سے عربی متن اور ترجمے کے ساتھ نقل فرمایا ہے جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین مرتبہ دبانے کا ذِکر ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں تھے کہ آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ پڑھیئے! آپ نے فرمایا کہ

میں پڑھا ہوانہیں ہوں ،فرشتے نے آپ کوبھینچا، اور دوبارہ آپ سے فرمایا کہ پڑھیئے! آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوانہیں ہوں ، پھرفرشتے نے آپ کوبھینچا،اورتیسری مرتبہ بھینچنے کے بعد فرشتے نے کہا پڑھیئے! تو آپ ﷺ نے سورۃ علق کی ابتدائی تین آیات کی تلاوت فرمائی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی ضرورت تھی کہ اس قرأت مامور بہا کے اخذ اور تلقی کے لئے آپ ﷺ کی استعداد کی تقویت وتکمیل کی جائے ، اس غرض سے فرشتے نے آپ ﷺ کو کئی بار دبایا، تاکہ قوت توجہ ورحمت سے آپ ﷺ کے قلب میں تصرف کریں۔ یہ توجہ کی اصل ہے کہ شیخ طالب کے دل کی طرف متوجہ ہوکر اور ہمتِ باطنی سے نورِ باطنی اپنے قلب سے اس کے قلب میں ڈالے ۔اس کے علاوہ توجہ کی اصل وہ حدیث شریف ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

"اے ابو ہریرہ ! اپنی چادر بچھا دے" تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر بچھادی ، پیارے پیغمبر ﷺ نے اس چادر میں تین مرتبہ تین لَپ اپنے سینۂ اقدس کی طرف سے بھر بھر کر اس میں ڈالے ، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : اے ابو ہریرہ باندھ لے! انہوں نے اس چادر کو باندھ لیا ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : پھر اس روز سے میں نے کوئی بات جوسنی تھی نہیں بھولا ، برابر مجھ کو یاد رہا۔

(التکشف)

اسی طرح بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں ،آپ نے فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ، جب تک میں تم کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں تم مومن نہیں ہوسکتے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑے سے وقفے کے بعد کہا کہ اب آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز و محبوب ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب اے عمر تم مومن ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ اور تصرف کا اثر تھا۔

(حیات مولوی سعید خان، ص ۲۷)

طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں راہ سلوک کے طالب کے لئے شیخ کی توجہات بہت ضروری اور بہت اہم ہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ تمام باتوں سے خالی ہو کر مرید کو اپنے سامنے بٹھا کر اپنے نفس کی طرف توجہ کرے اُس نسبت میں جس کا القاء مرید پر منظور ہو، اور کامل درجہ کی توجہ قلبی صَرف اور مائل کرے اُس مرید کی طرف کہ میری کیفیّت جذب مرید میں اثر کر رہی ہے، تو انشاء اللہ اس طالب کی استعداد کے مطابق وہ نسبت اس کی طرف منتقل ہوگی۔ اگر اس میں کامل استعداد ہے تو نسبت بھی کامل منتقل ہوگی، اور اگر استعداد ناقص ہے تو نسبت بھی اسی درجہ کی منتقل ہوگی۔ اور جس وقت طالب سامنے موجود نہ ہو تو شیخ اس کی صورت کا تصوّر کر کے غائبانہ توجہ کرے اور اس طالب کے کام کو انجام تک پہنچائے۔

البتہ یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جو لوگ محض شیخ کی توجہ و تصرّف پر قناعت کر لیتے ہیں تو اس تصرف سے جو کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں، اُن کو بقاء نصیب نہیں ہوتی، اصلی نفع و بقاء اپنی ہی محنت و مشقت کی چیزوں میں ہے۔

جب سالک شیخ سے توجہ اخذ کرے اور رابطہ کو لازم پکڑے جس کا ذکر اوپر ہو چکا تو اوّلاً سالک کے لطائف خمسہ پر حرکت کا ظہور ہو گا، یعنی کبھی سوزش، کبھی ثقل اور کبھی دوسرے حالات آئیں گے۔ اس کے بعد لطیفہ نفس پر خاص طور پر اثر ہوگا۔ اور پھر لطیفہ قلب پر حرکت نمودار ہوگی، اس کے بعد فیض کا انتظار کرتے ہیں، یعنی مراقبہ کرتے ہیں۔

(تحفه ابراهیمیه: ص 153)

امام ربّانی حضرت مجدّ دالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ ہمارے اس طریقے میں (یعنی طریقہ نقشبندیہ مجدّدیہ میں) افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے، مرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخ ومقتدا کے ساتھ رکھتا ہے، لحظہ بلحظہ اُس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے، اور انعکاس کے طریق پر اس کے انوار سے منوّر ہوتا جاتا ہے۔اس صورت میں افادہ اور استفادہ کے لئے علم کی کیا ضرورت ہے؟ (مثلاً) خربوزہ سورج کی گرمی سے لحہ بلمحہ پکتا ہے، اور کچھ زمانہ گزرنے کے بعد پختہ ہوجاتا ہے۔اس کے لئے کیا ضروری ہے کہ اُس خربوزہ کو اپنے پکنے اور پختہ ہونے کا علم ہو؟ یا سورج کو اس کے پک جانے کا علم ہو۔

ہاں ظاہری طور پر سلوک وتسلیک اختیار کرنے کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے جو دوسرے سلاسل سے وابستہ ہے، لیکن ہمارے طریقے میں جو کہ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کا طریقہ ہے سلوک وتسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔اگر چہ شیخ مقتدا جو اس طریقے کے بانی کی طرح ہے، علم کے کمال اور معرفت کے نور سے متحقق ہے۔پس ناچار اس طریقہ عالیہ میں وصول الی اللہ کے لئے زندے اور مردے، بچے اور بوڑھے، جوان، اور درمیانی عمر والے (کہول) سب برابر ہیں، جو رابطۂ محبت یا شیخ کامل کی وجہ سے اپنے بلند مقاصد پر پہنچتے ہیں۔

(مکتوبات مجددالف ثانی، ص235:دفتر اوّل حصّہ دوم)

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوّف وسلوک محض شجرہ خوانی، ٹوپی اوڑھنے، خرقہ پہننے، لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھنے، عرس منانے، قوالی سننے، وجد وتواجد اور ناچنے کودنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول کے لئے بہت زیادہ محنت اور شرائط ہیں، جن میں سے سر فہرست اتباعِ شریعت، عقیدۂ توحید، اتباع سنت، اور شرک وبدعات سے اجتناب ہے۔

پھر شیخ کامل سے تعلق، اور اس سے دلی عقیدت ضروری ہے، اس کی مخالفت مانع

فیض ہے ۔پھر پورے خلوص سے ذکر الٰہی کی کثرت اور مجاہدہ وریاضت۔ ان شرائط کے ساتھ منازل سلوک طے ہو سکتے ہیں،بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کو ایسا منظور ہو۔

ربّ العالمین کی ذات جو"صفاتِ کاملہ" کے ساتھ موصوف ہے وہ موجود ہے، اور باقی تمام چیزیں مخلوق ہیں ۔عالم مثال کی حقیقت، لطائف کی حقیقت اور نہ ان چیزوں کی حقیقت جو داوئر کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں ہمیں معلوم نہیں اور نہ ہی ان کی حقیقت معلوم کرنے کی اتنی ضرورت ہے۔

عالم مثال میں ہر سالک مختلف طریق پر خواب دیکھتا ہے، اسی طرح حالات وجدانیہ (الہامی اور کشفی حالات) بھی یکساں نہیں ہوتے بلکہ بہت کچھ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اور یہ خواب اور کشف سالک کے لئے بشارات ہیں ،خواہ دوائر کی شکل میں ہوں یا غیبی آواز کی شکل میں کہ یہ فلاں مقام ہے مآل اور انجام ان سب کا ایک ہے۔

اس راہ میں چلنے والے سالک اور طالب کی انتہائی تمنّا اور آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ عبادت الٰہی محبت اور اخلاص سے حاصل ہو، اور صفت احسان (کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) والا معاملہ ہو جائے ۔

تمام اذکار واشغال کا خلاصہ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے چند خاص لوگوں کے مجمع میں تمام اذکار واشغال و مراقبات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حضوری میں ہر وقت حاضر رہے ۔جس طرح انسان کو اپنی ہستی کا ہمہ وقت علم ہے کہ میں ہوں ۔بس اسی طرح کا علم حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ رہنا چاہئے ۔

فرمایا: پہلے بزرگ اخلاق سیّئہ کو چھڑانے کے لئے محنتیں کرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام آسان ہو جائے ،مگر متأخرین نے ذکر کی کثرت کو پسند کیا ہے کہ اس قدر کثرت سے ذکر

کرایا جائے کہ اخلاق سیّئہ ذکر کے نیچے دب جائیں ، اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے ۔ اور اخلاق سیّئہ بہت سے ہیں مگر ان کا خلاصہ تکبّر کو بتایا گیا ہے، اگر یہ دُور ہو جائے تو باقی خود بخود دُور ہو جاتے ہیں ۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہنے والے ایک شخص کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا۔ ایک روز اس نے عرض کیا کہ حضرت میں اتنی مدّت آپ کے پاس رہا مگر مجھے تو آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا، وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا، آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے ۔

فرمایا اچھا ایک کام کرو۔ اخروٹوں کا ایک ٹوکرہ لے کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مارے گا تو اُس کو میں ایک اخروٹ دوں گا، اور جو دو مارے گا تو اس کو دو اخروٹ دوں گا۔ اسی طرح زیادہ کرتے رہو یہاں تک کہ اخروٹوں کا ٹوکرہ خالی ہو جائے تو تب میرے پاس آؤ۔

اس شخص نے کلمہ پڑھ کر کہا کہ حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر سال کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدقِ دل سے پڑھ لے تو واللہ وہ مومن بن جائے گا، مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافر طریقت ہو گیا۔ جا نکل جا، تجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ایسے ہی آپ نے دوسرے کسی بزرگ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے پاس ایک شخص ایک مدّت تک رہا، اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہیں ہوئی۔ شیخ نے ان سے دریافت فرمایا کہ درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملے گی، اُسے آپ سے لے کر دوسروں تک پہنچاؤں گا۔

شیخ نے فرمایا! بس اسی نیت کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی پیر بننے کی ٹھان رکھی

ہے۔اس بیہودہ خیال کو دل سے نکال دو، اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جوطرح طرح کی نعمتیں ہمیں عطا فرما رکھی ہیں، اُن کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے۔

پس اس امید پر جولوگ ذکر وشغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ اُن کی حماقت ہے، ان کی نیت میں فساد ہے تو کہاں کا نفع اور کیسا اجر؟ حق تعالیٰ شانہٗ نے ہمیں جو یہ زندگی، یہ جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان، یہ زبان، یہ حواس عطا فرما رکھے ہیں پہلے ان کا شکر تو ادا کرلیں، تب دوسرے نفع اور اجر کی توقع کریں۔

(تذکرۃ الرشید: ص13)

ولایت اولیاء کے منازل طے کرنے کے لئے چند شرائط

ولایت اولیاء کے منازل اور مقامات کے طے کرنے کے لئے چند شرائط ہیں:

(1) شیخ کامل و اکمل اور صاحب تصرف ہو جو توجہ دے کر سالک کو اس راہ پر چلاتا جائے، مگر اس کے لئے کافی عرصہ تک دوام صحبت شیخ لازمی ہے، کبھی کبھار کی صحبت سے تو ولایت صغریٰ کے منازل طے ہونا بھی مشکل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: سالکِ ناقص سے طریقہ اخذ کرنا مانند ناقص اور خراب بیج کے ہے۔ شیخ کامل و مکمل کی صحبت کیمیا ہے۔ اُس کی نظر دوا ہے، اور اس کی بات شفا ہے۔

(2) کسی کامل کی روح سے رابطہ پیدا ہو جائے، لیکن یہ مبتدی کا کام نہیں، البتہ بعض منازل طے ہونے کے بعد ایسا ہوسکتا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ کامل کے مزار پر جا کر اس کی روح سے رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے، مگر اس کے لئے بھی مسلسل کافی عرصہ تک محنت کی ضرورت ہے۔

(3) قبر پر جانے کے بجائے روحانی طور پر رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے۔

(نوٹ) فیض سے مراد وہ روحانی تربیت ہے جو اہل اللہ سے حاصل کی جاتی ہے۔

(4) شیخ زبردست جذبے کا مالک اور مقناطیسی قوت رکھتا ہو، اس کے انوار میں اتنی طاقت ہو کہ سالک کی روح کو اپنے انوار کے ذریعے کھینچ کر لے جائے، اور توجہ غیبی سے روحانی طور پر سالک کی تربیت کر سکے۔

(5) سالک اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان نسبت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے سالک کو اس طرح فیض ملے جیسے انبیاء علیہم السلام کو براہ راست فیض ملتا ہے، فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا جبکہ ولی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اتباع سنت نبوی ﷺ کا واسطہ ہوگا۔ اور حضور ﷺ کی جوتیوں کے صدقے اُسے یہ فیض حاصل ہوگا۔

نمبر چار اور پانچ میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کے آدمی صدیوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں۔ ان انتہائی بلند منازل سلوک میں سب سے اونچا درجہ صدیقیت کا ہے۔ اور ان کی ترتیب یوں ہے: غوثؔ، قیومؔ، فردؔ، قطبؔ، وحدتؔ، اور صدّیقؔ۔ (دلائل السلوک)

بیعت کی اجازت

بیعت کی اجازت دراصل بمنزلہ مدارس کی سند کے ہے، جو تعلیم کی تکمیل یا اہلیّت کی سند ہوتی ہے۔ علم سے فراغت کے بعد اگر کوئی شخص پڑھنے پڑھانے کے مشغلہ میں مشغول رہتا ہے تو اس کے علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور اگر پڑھنے پڑھانے کے مشغلہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا سلسلہ اختیار کر لے تو علم سے مناسبت جاتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی سالانہ وصیّت بسلسلہ خلفاء میں یہ لکھنا پڑتا تھا کہ فلاں صاحب کے اس مشغلہ کو چھوڑ کر دوسرے مشغلہ میں

لگ جانے کی وجہ سے میں اس کا نام خارج کرتا ہوں ۔اور فرماتے تھے کہ اجازت شیخ دلیلِ کمال نہیں ، بلکہ دلیلِ مناسبت ہے ۔

ایک دوسرے مقام پر انفاس عیسیٰ میں حضرت حکیم الامّت کا ارشاد ہے کہ : جیسے علومِ درسیہ میں سندِ فراغت دی جاتی ہے اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اُس کو ان علوم میں درجۂ کمال حاصل ہوگیا ہے، بلکہ محض اس ظنِ غالب پر سند دی جاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہوگئی ہے کہ اگر وہ برابر درس ومطالعہ میں مشغول رہے تو قوی امید ہے کہ آہستہ آہستہ اس کو درجۂ کمال بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور نا قدری سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کر دے تو اس کا الزام سند دینے والے پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے ۔

اسی طرح سلوک میں جب کسی کو اجازت دی جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے، بلکہ محض اس گمان پر اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف میں درجۂ ضروریہ حاصل ہو گیا ہے ۔ اور اگر وہ برابر اس کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ بعض اوقات مشائخ،غیرِ کامل و نا اہل کو بھی اُس میں شرم وحیاء کا مادہ دیکھ کر اس امید پر اس کو مجاز کر دیتے ہیں کہ جب وہ دوسروں کی تربیت کرے گا تو اس کی لاج وشرم سے اپنی بھی اصلاح کرتا رہے گا، یا کسی طالبِ مخلص کی برکت سے اس کی بھی اصلاح ہو جائے گی، کیونکہ بعض اوقات طالب صادق اپنے صدق وخلوص کی برکت سے پیر کو بھی کامل کر دیتے ہیں،اس وجہ سے کہ یہ اُس کی تکمیل کا ذریعہ بنا تھا۔

(اکابر کاسلوک واحسان:ص45)

بہر حال اس کا مقصد یہ ہے کہ خلافت واجازت کا نہ تو گھمنڈ ہونا چاہئے ، اور نہ اس کو دلیلِ کمال یا دلیلِ تکمیل سمجھنا چاہئے ۔ اور نہ اس کے بعد تساہل یا تغافل ہونا چاہئے ، بلکہ اجازت کے بعد تو محنت اور مشقت میں اور اضافہ ہونا چاہئے ۔جس طرح کہ ہمارے اکابر کا معمول تھا۔

شیخ کی طرف سے محبّت اور مُرید کی طرف سے عقیدت ہو

مشائخ سلوک کا مشہور مقولہ ہے کہ شیخ کی معمولی ناراضی اتنی مضر نہیں جتنی مرید کی طرف سے عقیدت میں کوتاہی مضر ہے ۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طریقِ باطن میں اعتراض اس قدر برا ہے کہ بعض اوقات کبائر سے برکات منقطع نہیں ہوتیں، مگر اعتراض سے فوراً منقطع ہو جاتی ہیں ۔ ؎

بے ادب را اندریں رہ بار نیست
جائے او بردار شد در دار نیست

بے ادب انسان کے لیے اس راہ میں کوئی حصہ نہیں
اس کی جگہ دار پر ہے، گھر میں نہیں،

یعنی وہ درباری بنائے جانے کے قابل نہیں۔

از خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حق تعالیٰ سے ہم توفیقِ ادب طلب کرتے ہیں
کیوں کہ بے ادب فضلِ رب سے محروم رہتا ہے۔

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق
باشد اندر وادیٔ حیرت غریق

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو گستاخی کرتا ہے (یہ گستاخی ہر نافرمانی سے ہوتی ہے خواہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو۔مثلاً: شیخ ،استاد، ماں باپ کے ساتھ بے ادبی کرنا) تو ایسا شخص تمام عمر وادیٔ حیرت میں غرق ہوتا ہے اور محروم رہتا ہے۔

ہرچہ آید بر تو از ظلماتِ غم
آں زبے باکی و گستاخی است ہم

جو کچھ تمہارے اوپر رنج وغم کی اندھیریاں آتی ہیں سب کا سبب تمہاری گستاخیاں اور بے باکیاں ہیں (یعنی گناہوں پر دلیر اور جری ہونا ہے)۔

بے ادب تنہا نہ خود را دشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بے ادب نے نہ صِرف اپنے آپ کو خراب کیا
بلکہ اُس نے تمام اطراف میں آگ لگا دی۔

مولانا جلال الدّین رومی علیہ الرحمۃ-مثنوی معنوی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قدماء کی اجازتیں زیادہ تر اسی پر ہوتی تھیں کہ وہ اوّلاً تزکیۂ نفوس اور اخلاق پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، اور جب نفس مزکّی ہو جاتا تھا، تو اوراد و اذکار کی تلقین کے بعد اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ اور پھر مثال کے طور پر آپ نے حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے ان کے مجاہدے کا قصّہ نقل فرمایا ہے۔

نسبت کی حقیقت

ایک چیز کا دوسری چیز سے کوئی خصوصی تعلق قائم ہو جانا "نسبت" کہلاتا ہے۔
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نسبت کے لغوی معنیٰ لگاؤ اور تعلق کے ہیں۔ اور اصطلاحی معنیٰ اطاعتِ دائمہ، ذکر غالب اور بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق، اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول ورضاء کے ہیں، جیسا کہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے۔

سلوک کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ سالک اچھے ملکات میں سے کوئی ایک ملکہ اپنے اندر اس طرح پیدا کرے کہ وہ ملکہ اس کی روح کا پوری طرح احاطہ کر لے، اور سالک اس کے رنگ میں اس طرح رنگ اُٹھے کہ اُس کا جینا اور مرنا ہوتو اسی حال میں۔ اس سلسلے میں جو کیفیت اور حالت سالک کے نفس میں اس طرح جاگزیں ہو جاتی ہے گویا وہ اس کی ذات کی لازمی حصوصیت ہے اسے نسبت سے تعبیر کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نسبت اللہ تعالیٰ سے ایک خاص قسم کے تعلق کا نام ہے، جس قدر یہ تعلق قوی ہوگا، اسی قدر نسبت قوی ہوگی۔ عمومی نسبت اور تعلق تو ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے ہے لیکن یہ نسبت ایک حاص قسم کی محبت اور خصوصی تعلق کا نتیجہ ہوتی ہے، جس کی نہ تو کیفیت بیان کی جاسکتی ہے، اور نہ کسی چیز کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اشغال صوفیہ سے غرض اسی نسبت کا حصول ہے، اس پر مداومت اختیار کرنا، اور اس میں استغراق ضروری ہے تاکہ مداومت اور استغراقِ محبت الٰہی سے یہ ملکہ راسخ ہو جائے۔

صاحب نسبت ہونے کی علامت

اور صاحبِ نسبت ہونے کی علامت یہ تحریر فرمائی ہے کہ اس شخص کی صحبت میں "رغبت الی الآخرۃ اور نفرت عن الدُّنیا" کا اثر ہو۔ اور اس کی طرف دینداروں کی

زیادہ توجہ ہو، اور دنیا داروں کی کم۔ اس سے معلوم ہوا کہ نسبت ایک خاص قسم کے تعلق کا نام ہے، اور جس قدر تعلق قوی ہوگا اُسی قدر نسبت بھی قوی ہوگی۔

نسبت کی قسمیں

صوفیہ کے یہاں نسبت کی کئی قسمیں ہیں، جیسے نسبت احسانیہ، نسبت طہارت، نسبت عشق، نسبت وجد، نسبت توحید، نسبتِ سکینہ، نسبت اویسیہ، نسبت یادداشت وغیرہ۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں نسبت کی چار قسمیں تحریر فرمائی ہیں، جو سمجھنے کے اعتبار سے اور ایک دوسرے کو ممیّز کرنے کے واسطے بہت مفید ہیں۔ (1) نسبت انعکاسی (2) نسبتِ القائیہ (3) نسبت اصلاحی (4) اور نسبت اتحادی۔

(1) نسبت انعکاسی

نسبتِ انعکاسی اسے کہتے ہیں کہ ذکر و شغل کی کثرت سے دل کا زنگ دور ہونے کے بعد اس میں آئینہ کی طرح ایسی صفائی اور شفّافی پیدا ہوجائے کہ شیخ کے قلبی انوارات و اثرات کا عکس اس کے قلب پر اس طرح پڑے جس طرح آئینہ میں ہر چیز کا عکس ظاہر ہوجاتا ہے۔ اور ایسا شخص جب تک شیخ کے پاس رہتا ہے، یا اُس ماحول میں رہتا ہے تو اس کے قلب پر اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ لیکن شیخ کی مجلس اور ماحول کے بدلنے سے یہ اثر بھی ختم ہوجاتا ہے۔ یہ نسبت سب سے ادنیٰ درجہ کی ہے۔

اس نسبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عطر فروش کے پاس جائے تو جب تک وہ عطر فروش کے پاس رہے گا، اس کا دماغ عطر سے معطر ہوتا رہے گا، اور جب وہاں سے اُٹھے گا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔

(2) نسبتِ القائیہ

دوسری نسبت جو اس سے اُونچی ہے ،اُس کا نام القائی ہے ۔کیونکہ یہاں شیخ اپنی نسبت کو مرید کی طرف القاء کرتا ہے، اور اپنے انوارِ باطنیہ اور قوّت روحانیہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اب مرید میں کچھ صلاحیت پیدا ہوگئی ہے ۔ یہ نسبت نسبت انعکاسی سے قوی ہے، مگر ہے یہ بھی ضعیف۔

نسبت القائیہ کی مثال حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ جیسے چراغ کہ جب تک اس میں تیل رہے گا اور سخت ہوا سے محفوظ رہے گا تو جلتا رہے گا، ورنہ بجھ جائے گا ۔اسی طرح جب سالک تیل اور بتّی والے چراغ کو لے کر اپنے شیخ کے پاس جاتا ہے تو شیخ اپنے قلب سے انوار کا تیل اس کے چراغ میں ڈالتا ہے، اور اپنی قوّتِ نورانیہ اور عشق کی آگ سے اُسے روشن کردیتا ہے۔

اس درجہ کا سالک شیخ کی مجلس میں موجود نہ بھی رہے تو بھی یہ نسبت باقی رہتی ہے، بشرطیکہ تیل اور بتّی باقی رہے، یعنی اذکار، اوراد و اشغال کا اہتمام رہے جو کہ مشعل ہدایت کی تیل اور بتّیاں ہیں۔تو نسبت القائیہ کے لئے اذکار و اشغال بمنزلہ تیل اور بتّی کے ہیں۔

پھر جس طرح چراغ کے جلتے رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اُسے بادِ مخالف سے یعنی مخالف سمت سے چلنے والی ہوا سے بچایا جائے کہ وہ بجھ نہ جائے، اسی طرح اس نسبت کے چراغ کو گُل ہونے سے بچانے کے لئے بادِ مخالف یعنی معاصی اور گناہوں سے حفاظت بھی ضروری ہے۔

پھر چراغ اگر کمزور ہوگا تو ہوا کے معمولی جھونکے سے بجھ جائے گا،یعنی ذرا سی معصیت اور گناہ سے ختم ہو جائے گا، اور اگر چراغ قوی ہوگا تو معمولی ہوا اُس کو گُل نہیں کر سکے گی۔خلاصہ یہ کہ ہر شخص کو اپنی نسبت کی حفاظت نہایت اہتمام کے ساتھ کرنی چاہئے،

بالخصوص نظرِ بد سے کہ وہ سم قاتل ہے۔

(3) نسبت اصلاحی

تیسری نسبت "اصلاحی" کہلاتی ہے۔نسبت اصلاحی پہلی دونوں نسبتوں کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے،اس کے اندر مرید اپنے قلب کو ریاضات اور مجاہدوں سے بالکل صاف کر لیتا ہے،اور شیخ کے توجہ ڈالنے پر اس کے انوارات پوری طرح قبول کر لیتا ہے۔

اور اس کی مثال حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضبوط نہر سے دی ہے جس کو کھودنے کے بعد اس کے کناروں کو خوب مضبوط بنا دیا گیا ہو، اور اس کا دھانہ کسی دریا سے ملا دیا گیا ہو جہاں سے پانی کا دھارا زور شور سے اس نہر میں گرے ، اور اپنے ساتھ معمولی ٹہنیوں، پتّوں، اور اینٹ اور روڑوں کو بھی بہا لے جائے۔اس سے مراد معمولی لغزشیں اور حیوانی تقاصیر ہیں۔شیطانی تقاصیر بہت سخت ہیں وہ بمنزلہ چٹان کے ہیں۔

(4) نسبت اتحادی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نسبت کی چوتھی قسم اتّحادی بتلائی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے ۔جس میں شیخ اپنی نسبت روحانیہ کو قوت کے ساتھ دبوچ کر مرید کے قلب میں پیوست کر دے ۔اور شیخ اور مرید میں روحانی اعتبار سے کوئی فرق نہ رہے۔شیخ کے ساتھ طبیعت اتنی متحد ہو جائے کہ جو اس کے قلب میں آئے ،وہی مرید کے قلب میں آئے ؎

من تو شُدم تو من شُدی، من تن شُدم تو جاں شُدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

میں تُو بن گیا ہوں اور تُو میں بن گیا ہے، میں تن ہوں اور تو جان ہے۔پس اس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔ (امیر خسرو دہلوی)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء وحی کے وقت تین مرتبہ دبوچنا نسبتِ اتحادیہ پیدا کرنے کے لئے تھا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس چوتھی نسبت کی مثال میں ایک عجیب واقعہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہے جو حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے۔

آپ کی عظمت و رفعت اور کمال کو سمجھنے کے لیے یہی مثال کافی ہے کہ آپ دہلی میں دو تین سال مسندِ ارشاد پر فائز رہے اس قلیل عرصہ میں اس قدر عقیدت منداور مخلص آپ سے وابستہ ہو گئے اور خصوصاً امامِ ربانی، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (جن کا سن وِلادت اور آپ کا سن وِلادت ایک ہی یعنی 971ھ ہے) نے آپ کی خاص عنایات کے اثر سے اس تیزی سے مقاماتِ سلوک طے کیے اور تکمیل و ارشاد کے مقام پر ایسے تھوڑے عرصے میں پہنچایا کہ شاید و باید۔جن سے طریقہ نقشبندیہ کی ہندو پاکستان میں اس قدر ترویج ہوئی اور اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں نے ایسی دینی خدمات انجام دیں، جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا اور دینِ حق کے لیے ان کی کوششیں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

شاید قدرت نے آپ کو امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تربیت و تکمیل کے لیے منتخب فرمایا تھا کیونکہ اِس کے بعد آپ نے مریدوں کی تربیت امام ربانی قدس سرہٗ کے سپرد کر دی اور خود چالیس سال کی عمر میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مرتبہ کچھ اہم مہمان آ گئے ۔ ایک بھٹیارے کی دکان حضرت کی قیام گاہ کے قریب تھی، اُس بھٹیارے نے دیکھا کہ کچھ نیک قسم کے لوگ مہمان بن کر حضرت کے ہاں بے وقت آ ئے ہیں۔اُس نے بہت بڑا خوان لگا کر،اور اُس میں مختلف قسم کے کھانے رکھ کر حضرت خواجہ

باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے ہیں، میں اُن کے لئے کچھ کھانا لایا ہوں قبول فرمالیں۔ (جو ہدیہ ان حضرات کے ہاں انتہائی احتیاج کے وقت آئے اُسے بہت ہی قدر سے قبول فرماتے ہیں، اور دل سے دعاء نکلتی ہے) حضرت کو بہت ہی مسرّت اور خوشی ہوئی، اور بے اختیاری شان کے ساتھ فرمایا" مانگ کیا مانگتا ہے"؟۔

اُس نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اپنے جیسا بنادو۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامّل کرنے کے بعد فرمایا کہ کچھ اور مانگ لے۔ اُس بھٹیارے (طبّاح) نے کہا کہ مجھے بس یہی چاہئے۔ چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ زبان مبارک سے یہ فرما چکے تھے کہ" مانگ کیا مانگتا ہے" اس لئے اس کے تین مرتبہ اصرار کرنے پر اُسے اپنے حجرہ میں لے گئے۔ دروازہ اندر سے بند کردیا۔

اللہ ہی جانے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن پر کس طرح توجہ ڈالی، لیکن آدھ گھنٹے کے بعد جب حجرہ کھول کر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک بھی ایک ہوگئی تھی۔

فرق اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر تشریف لے آئے۔ لیکن وہ طبّاخ (باورچی) بے خودی کی حالت میں تھا، اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہوگیا۔ موت تو آنی ہی تھی لیکن اس کی خوش قسمتی کہ ساری عمر طبّاخی میں گزری، اور موت کے وقت خواجہ باقی باللہ بن کر آخرت کے مزے بھی لُوٹ لئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(اکابر کا سلوک واحسان: ص:60)

★★★★★

حضراتِ نقشبندیہ کے ہاں اصطلاحاتِ طریقت

حضرات نقشبندیہ کے ہاں اصطلاحاتِ طریقت

قارئین کرام : اب میں آپ کے سامنے بعض ایسی اصطلاحات کا ذکر کروں گا جن پر طریقہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی گئی ہے، اور پھر ان میں سے ہر ایک کی تشریح بیان کی جائے گی ۔ایک سالک کو ان اصطلاحات کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہیئے :

ان اصطلاحات میں سے تو بعض میں اشغال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور بعض میں ان کی تاثیر کی شرطوں پر،اور یہ آٹھ اصطلاحات ہیں۔

(1) ھوش دردم (2) نظر برقدم (3) سفر در وطن (4) خلوت در انجمن (5) یادکرد (6) بازگشت (7) نگہداشت (8) یادداشت۔

یہ آٹھ اصطلاحات یا اصول حضرت خواجہ جہاں مولانا عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں ۔ اور پھر ان پر تین اصطلاحات کا اضافہ شاہ نقشبند حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے (1) وقوف زمانی (2) وقوف قلبی (3) اور وقوف عددی۔

جن میں سے ہر ایک کی تفصیل وتشریح اختصار کے ساتھ قلمبند کی جاتی ہے۔

(1) ھوش دردم

کا مطلب : مبتدی سالک کے لئے یہ ہے ہر آن اپنے نفس و سانس کے متعلق بیدار رہے اور یہ دیکھتا رہے کہ اس کا نفس (سانس) ذاکر ہے یا غافل۔اسی طرح ہر لمحہ اپنے حال پر مطلع رہے کہ یہ وقت غفلت میں گزر رہا ہے یا حضور میں،معصیت میں بسر ہو رہا ہے یا اطاعت میں ۔ پھر اگر وقت حسبِ منشا گزر رہا ہے تو اس پر شکر ادا کرے، اور اس کیفیت کے باقی رہنے بلکہ اس میں اضافے کی فکر کرتا رہے، اور اگر خلاف منشا ہے تو توبہ کی تجدید کرے۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ ہمیشہ کی حضوری حاصل کرے۔مبتدی کے واسطے اس کی

پابندی نہایت ضروری اور بیحد مفید ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طریقہ کا دارومدار ہی دم پر ہے کہ کوئی دم یعنی سانس اندر آنے اور باہر جانے، اور ان کے بیچ کے وقفے میں یادِ خدا کے بغیر نہ گزرے، اس کو پاسِ انفاس بھی کہتے ہیں۔

متوسط سالک: کو چاہیئے کہ وہ ہر گھڑی اپنے نفس کے ٹوہ میں رہے، اور دیکھتا رہے کہ اس میں غفلت تو داخل نہیں ہوئی، اگر غفلت پائے تو استغفار کرے، اور آئندہ غفلت سے دور رہنے کا قصد کرتے ہوئے دوام حضوری پر فائز ہو۔اسی کا دوسرا نام وقوف زمانی ہے۔

دم بدم را غنیمت داں، و ہمدم شو بدم

واقف دم باش در دم، ہیچ دم بے جا مدم

ہر وقت ہر سانس کو غنیمت جان اور دم کے ساتھ ہمدم ہو جا

دم کا واقف رہ اور کوئی سانس بے جا مت لے۔

(2) نظر برقدم

کا مطلب: مبتدی سالک کے لئے یہ ہے کہ چلتے پھرتے وقت اپنی نظر پاؤں پر رکھے، اور سوائے پشت قدم کے کسی چیز پر نظر نہ ڈالے، اور بیٹھنے کی حالت میں اپنے سامنے دیکھے، اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے تاکہ کسی نامحرم پر نظر نہ پڑ جائے، اور کسی دوسری چیز کی طرف مشغول نہ ہو کہ اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔سالک کی حالت بگڑ جاتی ہے اور دل جمعی متأثر ہوتی ہے۔

اور متوسط: کے حق میں نظر برقدم سے مراد یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر وقت ہوشیار دانا و بینا رہے تاکہ غفلت کا دخل سالک کے دل میں نہ ہو۔

اور یہی حکم کان کا بھی ہے کہ گانے بجانے، قصہ وکہانیوں اور فضولیات کی طرف کان بھی نہ لگائے۔

اور منتہی: کے حسب حال یہ ہے کہ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اپنے حال پر غور کرے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کون سے نبی کے قدم پر ہے۔ اس لئے کہ بعض اولیاء پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قدم ہیں، جنہیں پوری جامعیت کمالات کی حاصل ہوتی ہے۔ جنہیں محمدی المشرب کہا جاتا ہے۔ اور بعض اولیاء ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہیں جو آدمی المشرب کہلاتے ہیں۔ اور کچھ زیر قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو ابراہیمی المشرب کہلاتے ہیں۔ اور کچھ زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو موسوی المشرب کے لقب سے ملقب ہیں۔ اور کچھ زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقع پزیر ہیں جو عیسوی المشرب کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پھر جب سالک منتہی اپنے متبوع کو پہچان لے تو چاہئے کہ اس کے حالات اور واقعات بھی متبوع کے حالات وواقعات کے مناسب ہوں۔

(3) سفر در وطن

اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیتوں میں سے ایک سفر در وطن ہے، جس سے سیر انفسی مراد ہے۔ اگر چہ سیر انفسی مشائخ کے تمام طریقوں میں ثابت ہے لیکن وہ سیر، سیرِ آفاقی کے قطع کرنے کے بعد درجۂ نہایت میں میسّر ہوتی ہے، اور اس طریق (یعنی سلسلہ نقشبندیہ) میں ابتداء اس سیر سے ہے، اور سیر آفاقی اسی ضمن میں طے ہوجاتی ہے۔

سفر در وطن کا مطلب: صفات بشریہ، خسیسہ، رذیلہ مثل حسد، تکبر، غیبت وغیرہ سے صفات ملکیہ: مثل صبر، شکر، خوف ورجا وغیرہ کی طرف ہر وقت انتقال کرتے رہنا ہے۔ تاکہ صفات بشریہ خسیسہ کو مٹاتا رہے، اور صفات ملکیہ کی طرف ترقی کرتا رہے۔

سالک کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال میں رہے اور اس بات کا پتہ لگائے کہ غیر اللہ کی محبت موجود ہے یا نہیں، اگر موجود پائے تو اس پر توبہ و استغفار کرے، اور کلمہ "لَآ اِلٰہَ " سے اس کی نفی کرے اور کلمہ "اِلَّا اللہُ " سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اثبات کرے۔ اور اگر اس کے دل میں بغض، عداوت حسد یا کینہ جیسی بیماری موجود ہو تو انہیں بھی دور کرے۔

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جس نے اللہ کی خالص محبت کا مزہ چکھا تو اس نے اُس کو طلب دنیا سے باز رکھا، اور سب لوگوں سے اُسے وحشی کر دیا۔ جب سفر در وطن میسّر ہو جائے گا تو خلوت در انجمن اس کے ضمن میں میسّر ہو جائے گی۔

(4) خلوت در انجمن

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سِرّ حق بر من بخند

آنکھ، کان، اور ہونٹ (مراد ظاہری اعضاء ہیں) بند کر
پھر اگر تو خدا کے بھید نہ دیکھے تو مجھ پر ہنس

جاننا چاہئے کہ خلوت در انجمن اس تقدیر پر ہے کہ وطن کے خلوت خانہ کے دروازے بند کئے جائیں، اور تمام سوراخ مسدُود کر دیئے جائیں۔ اور سالک کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مشغول ہو کہ کسی کی طرف توجہ، تکلم، اور تخاطب نہ ہو۔ اور پڑھنے لکھنے، بولنے سننے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے میں ذاکر رہے۔

اور ذکر کا خیال ایسا پختہ ہو جائے کہ ہر مجلس و مجمع میں دل اللہ عزوجل تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔ نہ یہ کہ صرف آنکھیں بند کی جائیں اور حواس تکلّف کے ساتھ بیکار کر دیئے جائیں، کیونکہ یہ بات اس طریق کے منافی ہے۔

اس طرح خلوت در انجمن کا مطلب یہ ہوا کہ سالک کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول، اور اُس کی طرف متوجہ رہے، اور لوگوں کی مجلس میں موجود ہونے کے باوجود باطنی اعتبار سے وہ ان سے دور ہو۔

سالک جتنا زیادہ اذکار کی کثرت کرنے لگتا ہے تو اس ذکر کے ضمن میں لازمی طور پر کسی بھی درجہ پر اُس ذات کو سمجھتا ہے، اور مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی صورت اس کے ذہن میں حاضر ہوتی ہے، اور ذہن میں بیٹھ جاتی ہے، پھر محو نہیں ہوتی، اور چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، اور ہر حالت میں اُس کے ذہن سے دور نہیں ہوتی اور وہ اُس شخص کے مانند ہو جاتا ہے کہ جو اپنے سر پر گھڑا رکھے ہوئے راستہ پر چل رہا ہے۔

اس حالت میں وہ کسی سے باتیں کرتا ہے، یا جو کچھ گھر میں چاہتا ہے اُس کا بھی اس کے دل میں خیال ہے۔ اسی حالت میں وہ سوچ رہا ہے کہ اس پانی کا ایک حصّہ وہ کھانا پکانے میں صرف کرے گا، کچھ حصّہ پانی کا وہ پینے کے لئے رکھ دے گا، اور کچھ حصّہ سے وہ کپڑے دھوئے گا۔ یہ تمام پراگندہ خیالات اس کے ذہن میں شکل پذیر ہیں، اور اس کی قوت مدرکہ نے ان تمام خیالات کے لئے گنجائش پیدا کر رکھی ہے۔

اسی طرز پر سالک کو بھی قیاس کرو جو تمام حالات میں، حرکات وسکنات کے دوران اپنے قلب کو اجمالی طور پر سہی اپنے خالق کی طرف متوجہ رکھتا ہے۔ اس کیفیت کو "باہمہ و بے ہمہ" کہتے ہیں کہ سب کے ساتھ ہے، باتیں کر رہا ہے، لیکن اس کی توجہ کا مرکز "ذاتِ باری تعالیٰ" ہے۔ مشائخ نقشبندیہ اس حالت کو "خلوت در انجمن" کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ، وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ✻ (النور: پ۱۸)

ایسے لوگ جنہیں کوئی تجارت، یا کوئی خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے، نہ نماز قائم کرنے سے، اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔

میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔اگر چہ شروع میں یہ بات تکلّف سے حاصل ہوتی ہے، لیکن جب سالک اس پر ملکہ راسخہ حاصل کر لیتا ہے تو عین تفرقہ میں جمعیت قلب کے ساتھ، اور عین غفلت میں حضورِ دل کے ساتھ رہتا ہے۔

کسی نے حضرت شاہ نقشبند قدّس سرہٗ سے پوچھا کہ آپ کے طریقہ عالیہ میں نہ ذکر جہری ہے اور نہ خلوت تو پھر آپ کے طریقہ کی بنا کس چیز پر ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

ظاہر باخلق باطن باحق ، دست بکارو دل بیار

(ظاہر خلق کے ساتھ رہے اور باطن حق کے ساتھ۔

ہاتھ تو کاروبار کرتے رہیں اور دل اللہ کی طرف متوجہ رہے)

پر ہمارے طریقہ کی بناء قائم ہے۔پھر آپ نے یہ شعر پڑھا

از دروں شو آشنا وازبروں بیگانه وش

کاین چنین زیبا روش کم می بود اندر جهاں

باطن میں آشنا بنا ہوا رہ اور ظاہر میں بیگانوں کی طرح

کہ یہ بہترین طریقہ دنیا میں بہت کم ہوتا ہے۔

(5) یاد کرد

کا مطلب: ذکر اللہ سے ہے کہ سالک ہر وقت، بلا ناغہ، دل کی محبت کے ساتھ اسم ذات اور نفی اور اثبات کا ذکر کرتا رہے خواہ ذکر لسانی ہو یا قلبی: یہاں تک کہ حق عزوجل تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جائے، کیونکہ ذکر ہی فنا اور بقا کا موجب ہے، اور ربّ العالمین تک

پہنچاتا ہے جس کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ★ (الجمعة:پ۲۸)

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقصود ذکر سے یہ ہے کہ دل ہمیشہ حق عزوجل تعالیٰ کے ساتھ محبت اور تعظیم کے وصف کے ساتھ حاضر رہے، اس لئے کہ یاد نام ہے غفلت کے دور کرنے کا

(6) بازگشت

کا مطلب ہے کہ سالک کچھ دیر تک نفی و اثبات کا ذکر کر کے حق تعالیٰ شانہٗ سے کمال عاجزی و انکساری کے ساتھ دل کی زبان سے دعاء اور مناجات کرتا رہے کہ:

يَارَبِّ اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ ،وَرِضَاكَ مَطْلُوْبِیْ، تَرَكْتُ الدُّنْيَاوَالْاٰخِرَةَ لَکَ اَتْمِمْ عَلَیَّ نِعْمَتَکَ وَارْزُقْنِیْ وَصُوْلَکَ التَّآمَّ۔

الٰہی میرا مقصود تیری رضامندی، تیری خوشنودی، تیری محبت اور معرفت کا حصول ہے، تیری خاطر میں نے دنیا اور آخرت ترک کردی، تو اپنی نعمت مجھ پر تمام فرما، مجھ کو محبت و معرفت عطا فرما، اور اپنے جناب میں وصول تام عطا فرما۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد قدس سرہٗ سے سنا: فرمایا کرتے تھے کہ ذکر میں یہ بہت بڑی شرط ہے اس سے تغافل نہ کرے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذاکر جب کلمہ طیّبہ کو دل سے کہے تو اس کے بعد اس طرح کہے:

"خداوندا! مقصود من توئی و رضائے تو، مرا محبت و معرفت، ذوق و شوق خود بدہ"

اس واسطے کہ ان کلمات کے ذریعہ سے ہر قسم کے خطرات کی نفی ہوتی ہے تو ان کلمات کے ذریعہ اپنے اخلاص کو تازہ کرنا چاہئے تا کہ سالک کا باطن وساوس، غرور اور ماسوائے حق سے صاف ہو جائے۔

(7) نگہداشت

اس کا مطلب ہے کہ سالک خطرات اور وساوس سے اپنے دل کی حفاظت کرے، جب دل میں وسوسہ ظاہر ہوتو فوراً اُس کو دور کرے تا کہ وہ اس کے دل کے اندر گھر نہ بنا سکے، ورنہ اُس کا دور کرنا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ خطرے کو اس کے ابتدائے ظہور ہی میں روک لے، اس واسطے کے ظاہر ہونے کے بعد نفس اس کی طرف مائل ہو جائے گا، اور وہ نفس میں اثر کرے گا تو پھر اُس کا دور کرنا مشکل ہو جائے گا۔ جب سالک اپنے دل کو ان خطرات اور وساوس سے بچا لیتا ہے تو اسے فنائے قلبی حاصل ہو جاتی ہے، البتہ دماغ سے کچھ نہ کچھ اُترتا رہتا ہے۔ یادرہے کہ فناء چار قسم کی ہوتی ہے:

(1) فناءِ خلق

کہ اللہ کے ماسوا سے امید وبیم بالکل نہ رہے۔

(2) فنائے ھوا

کہ دل میں اللہ کی خواہش کے سوا کوئی آرزو نہ رہے۔

(3) فناءارادہ

کہ سالک سے ارداہ اور خواہش کی صفت ہی زائل ہو جائے، جیسا کہ مردہ سے زائل ہو جاتی ہے۔

(4) فناء فعل

کہ "بِیْ یُبْصِرُ" میرے ساتھ دیکھتا ہے۔"بِیْ یَسْمَعُ" میرے ساتھ سنتا ہے۔"بِیْ یَنْطِقُ" میرے ساتھ کلام کرتا ہے۔"بِیْ یَبْطِشُ" میرے ساتھ پکڑتا ہے۔"بِیْ یَمْشِیْ" میرے ساتھ چلتا ہے۔"بِیْ یَعْقِلُ" میرے ساتھ سوچتا ہے۔کی کیفیات جلوہ گر ہو جائیں۔ اور اس کے لئے دس مقامات اور صفات کا حصول ضروری ہے:

توبہ، انابت، زہد، قناعت، ورع، صبر، شکر، توکل، تسلیم، اور رضا۔

(8) یادداشت

ذات حق کے دائمی حضور و دھیان کو یادداشت کہتے ہیں۔ یادداشت کا مطلب ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کی طرف ایسی توجہ جو الفاظ اور تخیّلات سے خالی ہو۔اور ایسی توجہ بغیر فنائے تام اور بقائے کامل کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ بات ارباب قلوب کو دل کی جمعیت سے حاصل ہوتی ہے۔حقیقتِ یادداشت بغیر تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب کے حاصل نہیں ہوتی۔

پس یاد کرد، ونگہداشت، مبتدیوں اور متوسطوں کے لئے ہے، اور یاد داشت حقیقت سے متعلق اور منتہیوں کے لئے ہے۔

(1) وقوف زمانی

کی تعریف ہوش در دم میں بیان ہوچکی ہے کہ سالک ہر وقت اپنے حال کا واقف ہو اور اپنا جائزہ لیتا رہے کہ غفلت تو نہیں آئی۔غفلت آنے کی صورت میں استغفار کرے اور آئندہ کے لئے اس سے بچنے کا عزم کرے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وقوف زمانی کو

صوفیہ محاسبہ کہتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ میں وارد ہے کہ:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْت، وَالْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔

ہوشیار وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو جانا، اور موت کے بعد کے لئے تیاری کی۔

اصل سند محاسبہ کی سورہ حشر کی یہ آیت کریمہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ★ (الحشر)

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔

اور امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبے میں فرمایا کہ اپنی جانوں کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے، اور ان کا وزن کرو قبل اس کے کہ وہ وزن کئے جائیں، اور عرضِ اکبر یعنی اللہ کے سامنے پیش ہونے کے لئے مستعد ہو جاؤ جو قیامت میں ہوگا، اُس دن تم اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی چیز چھپ نہ سکے گی۔

(2) وقوف قلبی

سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت دل کی طرف توجہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی یاد کا دھیان رکھنا، خصوصاً ذکر و اذکار کے وقت تا کہ ما سویٰ اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف کسی قسم کی توجہ نہ رہے، اور بیرونی خطرات دل میں داخل نہ ہوں۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے وقوف قلبی کو اثنائے ذکر میں لازم فرمایا ہے، کیونکہ مقصود ذکر سے غفلت کا دور کرنا ہے، اور یہ بغیر وقوف قلبی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ کسی شاعر کا کیا خوب کہنا ہے۔ ؎

عَلٰى بَيْضِ قَلْبِكَ كُنْ كَاَنَّكَ طَائِرٌ فَمِنْ ذَالِكَ الْاَحْوَالِ فِيْكَ تَوَلَّدُ

اپنے دل کے انڈے پر مثل پرندے کے ہو جا
اس واسطے کہ اس لزوم سے تجھ میں حالاتِ عجیبہ پیدا ہوں گے۔

اوربقول مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ: ؎

بر زباں تسبیح ودر دل گاؤ خر   ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

زبان پر تسبیح ہو، اور دل میں بیل و گدھا (یعنی دنیوی خیالات) ہوں
تو ایسی تسبیح کیا اثر رکھے گی۔

اورحضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ذکر قلبی اثر نہ کرے، اس کو ذکر سے روک کر صرف وقوف قلبی کا حکم کیا جائے، اور اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے تا کہ ذکر اثر کرے۔

(3) وقوف عددی

سے مراد نفی اور اثبات کے ذکر میں طاق عدد کی رعایت کرنا ہے، جس کا ذکر ولایت امکان میں گزر چکا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ وَ يُحِبُّ الْوِتْرَ (مسلم)

اللہ تعالیٰ طاق (یعنی ایک) ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔

طریقہ اطلاعِ نسبت اہل اللہ

اہل اللہ کی نسبت سے مطلع ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہے تو اس کے سامنے بیٹھ جائے، اور اگر مردہ ہے تو اس کی قبر کے پاس بیٹھے، اور اپنی ذات کو ہر نسبت سے خالی کر کے علّام الغیوب کی بارگاہ میں دعاء کرے کہ اے علیم وخبیر ذات! مجھے اس شخص کی باطنی کیفیت کے بارے میں آگاہ فرما دیجئے، اور پھر کچھ وقت کے لئے اپنی روح کو اس کی

روح تک پہنچائے اور اس کی طرف متوجہ ہو یہاں تک کہ اُس کی روح سے متصل ہو جائے، پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی ذات کی طرف رجوع کرے اور جو کیفیّت اپنے نفس میں پاوے تو سمجھے کہ وہی اس شخص کی نسبت ہے۔

طریقہ کشفِ وقائع آئندہ

آئندہ پیش آنے والے واقعات کے کشف کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو خالی کرے ہر چیز سے سوائے اس واقعے کے دریافت کے انتظار کے، پھر جب اُس کے دل سے ہر خطرہ منقطع ہو جائے اور تمام خیالات صاف ہو جائیں تو ربّ العالمین کی بارگاہ میں دعاء کرے کہ اے اللہ! اے علیم وخبیر ومبین ذات! مجھ کو اس واقعہ کے بارے میں واقفیت عطا فرما۔ جب اُسے آئندہ پیش آنے والے واقعہ کے کشف کا انتظار اس طرح ہو جس طرح پیاسے کو پانی کا ہوتا ہے، تو پھر اپنی استعداد کے مطابق پوری طرح یکسو ہو کر اپنی روح کو آہستہ آہستہ ملاء اعلیٰ یا ملاء اسفل کی طرف بلند کرنا شروع کر دے، تو جلد اُس پر حال اُس واقعہ کا کھل جائے گا، خواہ خواب کے ذریعے سے یا غیبی آواز کے ذریعے سے، یا خود مشاہدے سے۔

ملاء اعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مقربین بارگاہِ صمدیت ہیں، اور محل اسرار، قضا وقدر ہیں۔ اور ملاء سافل سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مراتب میں اُن سے نیچے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (القول الجمیل: ص118)

لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ عارف کے تمام مکشوفات کا صحیح اور حقیقت کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ واقعات کا کشف ظنی چیزوں میں سے ہے جو کبھی بالکل خلاف واقعہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ایسی باتوں کو ہر شخص کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بزرگانِ

طریقت

کے

ختم شریف

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بزرگان سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ختم شریف

ختم حضرت خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

درود تنجینا (313 مرتبہ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰ لِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ ، وَ تَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ ، وَ تُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ، وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَ کَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ، وَ تُبَلِّغُنَا بِھَآ اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ ، اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ*

(القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع: ٤٣٥، دار اليسر)

اے پروردگار! آپ درود نازل فرمائیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا درود جس کی برکت سے آپ ہمیں ہر مصیبت اور آفت سے نجات عطا فرمائیں، اور اس کے ذریعے آپ ہماری تمام حاجات پوری کریں، اور ہمیں تمام گناہوں سے پاک کریں، اور اپنے ہاں ہمیں اعلیٰ درجات تک بلندی عطا کریں، اور تمام خیروں کی انتہا تک ہمیں پہنچائیں زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی، بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

ختم خواجگان

ختم خواجگان کچھ قرآنی آیات یا مسنون و ماثور اذکار کا مجموعہ ہے۔ جو مختلف مشائخ وصوفیاء نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے مریدین و متعلقین کو تلقین کئے۔ ان کلمات کا

مخصوص تعداد اور مخصوص طریقے سے وِرد کرنا صرف مریدین کی اصلاح وتربیت کا حصّہ ہے، اس لئے اس ترتیب کا شرعی دلیل سے ثابت ہونا ضروری نہیں ہے۔

مریدین جب ان کلمات کو پڑھتے ہیں تو ان کو تین فائدے حاصل ہوتے ہیں:

(1) ان کلمات کے مضمون کا پَرتَو اُن پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے اپنے شیخ کے مزاج سے مناسبت حاصل ہوجاتی ہے جو کہ حصولِ فیض کے لئے ضروری ہے۔

(2) ان کلمات کے ذریعہ سے شیخ کو ایصال ثواب کرنے کی وجہ سے اس کی روح خوش ہوتی ہے، اور مرید کو فیض ملتا رہتا ہے۔

(3) ایصال ثواب کی وجہ سے مشائخ کی اَرواح متوجہ ہوتی ہیں جس کی برکت سے دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔

(4) ذاتی ضروریات، مثلاً بیماریوں سے شفا یابی، قرضوں کی ادائیگی اور دیگر حاجات کے لئے بھی یہ ختم پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روزانہ بعد نماز عصر ختم خواجگان کا معمول تھا۔ دیگر سلاسل کے مشائخ کے ہاں بھی قضائے حاجات کے لئے اس ختم کا معمول رہا ہے۔

ختم خواجگان

(1) سورۃ الفاتحہ (7 مرتبہ) (2) درود شریف (100 مرتبہ)

(3) سورۃ الم نشرح (79 مرتبہ) (4) سورۃ الاخلاص (1000 مرتبہ)

(5) سورۃ الفاتحہ (1 مرتبہ) (6) درود شریف (100 مرتبہ)

(7) اَللّٰھُمَّ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتْ (100 مرتبہ)

(8) اَللّٰھُمَّ یَا کَافِیَ الْمُھِمَّاتْ (100 مرتبہ)

(9) اَللّٰھُمَّ یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتْ (100 مرتبہ)

(10) اَللّٰهُمَّ يَاشَافِيَ الْاَمْرَاضِ (100 مرتبہ)

(11) اَللّٰهُمَّ يَارَفِيْعَ الدَّرَجَاتْ (100 مرتبہ)

(12) اَللّٰهُمَّ يَامُجِيْبَ الدَّعْوَاتْ (100 مرتبہ)

(13) بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (100 مرتبہ)

نوٹ

ہر اسمِ شریف کے اوّل میں صرف ایک مرتبہ " اَللّٰهُمَّ " ملائے اور " يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ " سے پہلے ایک مرتبہ " بِرَحْمَتِكَ " ملائے۔

اور یوں کہے کہ اے اللہ! اس ختم شریف کا ثواب اپنے فضل وکرم سے تمام انبیاء و مرسلین، صدیقین، شہداء، صالحین، پیران طریقت، ان کے خلفاء و خدّام کی ارواح مبارکہ خصوصاً جمیع خواجگانِ نقشبندیہ مجددیہ کی ارواح مبارکہ کی خدمت میں ہدیۃً پہنچا دیجئے۔

ختم خواجگان قادریہ کا طریقہ

سلسلۂ قادریہ میں ختم خواجگان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نفل پڑھے:

اس کے بعد ایک سوگیارہ (111) مرتبہ "سورۃ الم نشرح"۔

ایک سوگیارہ (111) مرتبہ کلمۂ تمجید، اور سورۂ یٰسین ایک مرتبہ پڑھے۔

اور اگر بڑا ختم کرنا ہے تو "سورۃ الم نشرح " ایک ہزار گیارہ (1011) مرتبہ پڑھے۔

اور چھوٹے ختم کی صورت میں ایک سو اکتالیس (141) بار، لیکن دونوں صورتوں میں اس کے اختتام پر ایک سوگیارہ (111) مرتبہ درود شریف پڑھے، اور اپنے مقصد کے لئے اللہ سے دعاء مانگے۔

ختمِ خواجگان چشتیہ کا طریقہ

ہر مشکل اور حاجت کے وقت باوضو ہو کر قبلہ رُخ بیٹھے، اور پہلے دس (10) بار درود شریف پڑھے، اس کے بعد تین سو ساٹھ (360) مرتبہ

" لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنَ اللهِ اِلَّا اِلَيْهِ "

پڑھ کر "سورۃ الم نشرح" تین سو ساٹھ (360) مرتبہ پڑھے، اور پھر تین سو ساٹھ (360) مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعاء کرے۔

ختم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف اور پانچ سو (500 مرتبہ)

حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ *

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر پڑھے تو ہر سو کے بعد، اور اگر اجتماعی طور پر پڑھے تو آخر میں ایک مرتبہ یہ پڑھے۔

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ، غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ *

ختم حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

يَا خَفِيَّ اللُّطْفِ اَدْرِكْنِيْ بِلُطْفِكَ الْخَفِيِّ *

ختم حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

يَا بَاقِيْ اَنْتَ الْبَاقِيْ *

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر پڑھے تو ہر سو کے بعد، اور اگر اجتماعی طور پر پڑھے تو آخر میں ایک مرتبہ یہ پڑھے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ *

ختم امام ربانیؒ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سوسو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ *

ختم حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سوسو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ *

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر پڑھے تو ہر سو کے بعد، اور اگر اجتماعی طور پر پڑھے تو آخر میں ایک مرتبہ یہ پڑھے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ *

ختم حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سوسو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ *

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر پڑھے تو ہر سو کے بعد، اور اگر اجتماعی طور پر پڑھے تو آخر میں ایک مرتبہ یہ پڑھے۔

اَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ *

ختم حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

یَا اَللّٰهُ ، یَا رَحْمٰنُ ، یَا رَحِیْمُ، یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ ،مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ *

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر پڑھے تو ہر سو کے بعد، اور اگر اجتماعی طور پر پڑھے تو آخر میں ایک مرتبہ یہ پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ، وَحُبَّ عَمَلٍ يُّبَلِّغُنِیْ اِلٰى حُبِّكَ *

ختم حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

یَا رَحِيْمَ كُلِّ صَرِيْخٍ وَ مَكْرُوْبٍ وَّ غِيَاثَهٗ وَمَعَاذَهٗ يَا رَحِيْمُ *

ختم حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ *

ختم حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ *

ختم حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف ۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ *

ختم حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف ۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

وَاللهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ *

ختم امام العلماء والصلحاء حضرت محمد عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف ۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ *

ختم مرشد عالم حضرت خواجہ پیر غلام حبیب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف ۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

اَللهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا *

ختم حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلّہ

اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف ۔ اور (پانچ سو 500 مرتبہ)

وَاللهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ *

(شجرہ طیبہ: ص193)

اشغال و اذکار
مشائخ
سلسلہ قادریہ

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ: غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ﴾

اشغال واذکار مشائخ سلسلہ قادریہ

مشائخ جیلانیہ امام طریقت محبوب سبحانی قطب ربّانی ، غوث صمدانی ،سیّدابومحمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کے حامل ہیں ۔آپ کی ولادت با سعادت 471ھ میں ہوئی ، اور وفات 562ھ میں ۔

ذکر جہر متوسط

اس سلسلہ میں طالب کو ابتداءً ذکر جہر متوسط کی تعلیم دی جاتی ہے یعنی ایسا جہر جس میں افراط وتفریط نہ ہو بلکہ اعتدال ہو۔سب سے پہلے کلمہ طیبہ کی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے کہ "لَآ اِلٰہَ" کو پوری طاقت سے بدن کے اندر سے کھینچ کر "اِلاَّ اللہُ" کی دل پر ضرب لگائے اور اس کی رات دن مشق کرے ، اور جس قدر ہو سکے اس کو تکرار کے ساتھ یعنی بار بار کرتا رہے ۔اور ہر سو (100) بار کے بعد ایک مرتبہ "مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللہ" کہے اور ایک نشست میں ایک ہزار ایک سو گیارہ (1111) مرتبہ پڑھنا بہتر ہے ۔

اس طرح ذکر کے اوپر مداومت اختیار کرنے کے بعد سالک کو ایک خاص قسم کی محویت اور لطف حاصل ہوتا ہے ۔

ذکرِ اسم ذات ،ونفی واثبات

اس کے بعد سالک کو دو طرح سے ذکر کی تعلیم دی جاتی ہے :

(1) اسم ذات (2) نفی واثبات

پھر اسم ذات چار قسم پر ہے ۔یک ضربی ، دو ضربی ، سہ ضربی ، چہار ضربی ۔

اشغال قادریہ میں مقصود اصلی ضرب اور وزن ہے ۔اس لئے ان کے اشغال یک

ضربی، دوضربی، سہ ضربی، چہارضربی، شش ضربی اور ہشت ضربی مقرر ہیں۔

اورغرض ضرب سے طبیعت غفلت زدہ کا مضمونِ ذکر سے متنبہ ہونا ہے، اور ضرب سے اشارہ مقصود ہے، یہ مطلب نہیں کہ سر کو بہت جنبش دے، اور بہت قوت لگائے، اور آواز معتدل ہونی چاہئے۔

قسم اوّل: یک ضربی

یک ضربی کی صورت یہ ہے کہ پورے شدّ ومدّ اور جہر کے ساتھ قلب و دل کی قوت سے اسمِ ذات یعنی لفظ مبارک "اللہ" کہے، اور دل پر ضرب لگائے۔

پھر تھوڑا توقف کرے یہاں تک کہ ذاکر کی سانس قرار پائے اور اپنے ٹھکانے پر آجائے، پھر ضرب لگائے، پھر اسی طرح بار بار ضرب لگائے اور اسی کو معمول بنا کر اس کو ورد بنالے۔

قسم دوم: دوضربی

اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو ہو کر بیٹھ جائے، اور اسم ذات لفظ "اللہ" کی پہلی ضرب دائیں زانو پر لگا کر فوراً دوسری ضرب دل پر لگائے اور اس میں فصل نہ کرے۔ اور دونوں ضربیں پوری شدّت اور قلبی قوّت کے ساتھ لگائے، تاکہ دل پر ضرب شدّت سے پڑے، دل پر اثر ہو اور جمعیت خاطر حاصل ہو، اور وساوس دور ہوں۔

دوضربی اور سہ ضربی میں اخیر کا لفظ بہ نسبت اوّل کے قوّت سے کہے۔

قسم سوم: سہ ضربی ضرب

اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانو ہو کر بیٹھے اور پہلی ضرب دائیں زانو پر، دوسری بائیں زانو پر اور تیسری ضرب پوری شدّت اور جہر کے ساتھ دل پر لگائے۔

قسم چہارم: چہار ضربی

اس کا طریقہ بھی یہ ہے کہ چار زانو ہو کر بیٹھے اور پہلی ضرب دائیں زانو پر، دوسری بائیں زانو پر اور تیسری ضرب اپنے سامنے اور چوتھی ضرب سب سے زیادہ شدید اور جہر کے ساتھ اپنے دل پر لگائے۔

اور ذکر اسم ذات میں خیال وجود اور حضورِ الٰہی کا رکھے، اور تصور نور کا کرے کہ نور قلب سے جوش (مارتا ہوا اٹھتا) ہے، اور اوپر کو اور اردگرد کو پھیلتا ہوا بلند ہو جاتا ہے۔

جو شخص ان شرائط کے ساتھ جن کا ذکر ہوا مواظبت کرے اسم ذات پر، ہر دن میں چار ہزار (۴۰۰۰) مرتبہ دو مہینہ تک تو وہ اپنے اندر اس کے اثرات کا مشاہدہ کرے گا۔

(نوٹ) یک ضربی، دو ضربی، اور سہ ضربی میں سالک دو زانو ہو کر بیٹھے جبکہ چہار ضربی میں چار زانو ہو کر بیٹھے۔

اسمِ ذات خفی اور پاس انفاس کے ذکر کا طریقہ

اسم ذات خفی کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگا کر دل سے "اللہ اللہ" کہے، اور دن رات تصور کے ساتھ اس ذکر کو کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا یہ ذکر پک جائے، اور ذکر کرنے میں کوئی زحمت نہ ہو۔

☆ اور اگر اسمِ ذات پاس انفاس کرے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ناف پر اسم ذات "اللہ" کا تصور کر کے لفظ "ھُو" کو خیالی طریقے سے تصور کر کے آسمان تک لیجائے، اور ہر سانس میں اسی طرح کرتا رہے۔

شغلِ اسم ذات

اسمِ ذات کے شغل کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کاغذ پر قلبِ صنوبری کی سرخ یا نیلی

تصویر کھینچ کر اس میں لفظِ "اللہ" کو سونے یا چاندی کے پانی سے لکھ کر اس پر نظر رکھے یہاں تک کہ یہ نام دل پر نقش ہو جائے۔ یا لفظِ اللہ کی صورت دل پر لکھے، اور اس کی طرف متوجہ رہے۔

طریقۂ ذکر نفی و اثبات "ذکر جلی"

نفی اور اثبات میں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کی ضرب لگائی جاتی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ با ادب دو زانو قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے، دونوں آنکھوں کو بند کر کے لفظ "لا" کہتے ہوئے سانس ناف سے کھینچتے ہوئے باہر لائے اور دائیں کندھے تک لے جائے، اور پھر "الٰہ" کہتے ہوئے اس کو اصل دماغ سے نکالے اور "اِلَّا اللہُ" کہتے ہوئے اس کی ضرب پوری شدّت اور قوت سے دل پر لگائے۔

لفظ "لَآ اِلٰہَ" کہتے وقت خیال کرے کہ اللہ کے سوا ہر چیز معدوم ہے، ہر چیز کی معبودیت اور مقصودیت کی نفی کرے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی موجود ہے، نہ کوئی مقصود ہے، اور نہ کوئی معبود ہے، تا کہ غیر اللہ کا خیال دل سے جاتا رہے۔

اور "اِلَّا اللہُ" کہتے وقت "اِلَّا اللہ" کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بے کیف، بیچوں بچگوں، جامع جمیع صفاتِ کمال کے وجودِ مطلق کے اثبات کا تصوّر کرے۔ تا کہ خارجی خطرات سے خالی ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ ہو جائے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تصوّر با اعتبار مراتب ذاکرین کے مختلف ہے۔ یعنی مبتدی نفیِ محبوبیّت اور معبودیت کا تصوّر کرے، اور متوسط نفی مقصودیت کا، اور منتہی نفی موجودیت کا۔ یعنی:

لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا ھُوَ، وَلَا مَقْصُوْدَ اِلَّا ھُوَ، وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوَ۔

مبتدی وہ ہے کہ جس کے دل میں طلب راہِ سلوک کی جوش مارے، اور تلاش میں مصروف ہو، اور موانع سے دامن چھڑائے۔

اور متوسط وہ ہے کہ راہِ سلوک کی طلب غالب آنے کے بعد اُس کی عاداتِ قدیمہ بدل جائیں، اور اس کا اثر اس کی حرکات وسکنات میں ظاہر ہو جائے، جن چیزوں کی محبت پہلے اس کے دل میں تھی اُن کی محبت یا تو سرے سے نہ رہے، یا ضعیف اور کمزو ہو جائے۔

اور منتہی وہ ہے کہ سوائے یادالٰہی کے کوئی بات اس کے دل میں نہ رہے۔

اہل سلوک کے لئے ضروری ہے کہ وہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد باہم یکجا ہو کر حلقہ بنائیں، اور اجتماعی طور پر ذکر اللہ کو اپنا معمول بنائیں کہ اس میں بہت سے ایسے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو انفرادی طور پر حاصل نہیں ہوتے۔

طریقہ نفی و اثبات، ذکر خفی

جب طالب پر ذکر جلی کے اثرات مرتب ہو جائیں اور اس کے اندر ذکر کا ذوق وشوق پیدا ہو جائے، خطرات اور وساوس رفع ہو جائیں، اطمینان قلب حاصل ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی ماسوا کے مقابلے میں دل کے اندر راسخ ہو جائے تو پھر سالک کو ذکر خفی کرایا جاتا ہے۔اور ذکر خفی کی بھی دو قسمیں ہیں: اوّل اسم ذات مع امہاتِ صفات۔دوم نفی و اثبات مع پاس انفاس۔

اسم ذات مع امّہاتِ صفات

اس کے ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: سالک دوزانو باادب قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے اور اپنی دونوں آنکھوں کو بند کرے، اور زبان کو تالو سے لگا کر دونوں ہونٹوں کو بھی آپس میں ملا لے اور دل کی زبان سے:

اَللّٰہُ سَمِیْعٌ، اَللّٰہُ بَصِیْرٌ، اَللّٰہُ عَلِیْمٌ.

کہے اور خیال میں ان کلمات کو اپنی ناف سے سینہ، سینہ سے دماغ اور دماغ سے عرش تک کھینچ کر باہر نکالے۔یعنی "اَللّٰہُ سَمِیْعٌ" دل سے کہتے ہوئے اپنے تصوّر میں ناف سے سینہ تک چڑھے، پھر "اَللّٰہُ بَصِیْرٌ" کہہ کر سینے سے دماغ تک پہنچے، پھر" اَللّٰہُ عَلِیْمٌ" کو امّ الدماغ سے نکال کرعرش تک پہنچے۔ پھر یہ کلمات کہے:

اَللّٰہُ سَمِیْعٌ، اَللّٰہُ بَصِیْرٌ، اَللّٰہُ عَلِیْمٌ.

اور اس دفعہ نزول کا تصوّر کرے یعنی "اَللّٰہُ سَمِیْعٌ" کہتا ہوا عرش سے دماغ پر ٹھرے،اور "اَللّٰہُ بَصِیْرٌ" کہہ کر دماغ سے سینہ تک ٹھرے، پھر"اَللّٰہُ عَلِیْمٌ" کہتے ہوئے سینہ سے ناف تک کی منزلوں تک درجہ بدرجہ اُترے۔ اس طرح عروج ونزول کا ایک دور مکمل ہوگا، اور پھر اسی طرح ہر بار کرتا رہے۔

اس طائفہ کے بعض بزرگوں نے ان کلمات کے ساتھ "اَللّٰہُ قَدِیْرٌ" کو بھی شامل کیا ہے۔اس لئے اگر "اَللّٰہُ قَدِیْرٌ" کو زیادہ کرے تو تیسری بار آسمان تک پہنچے، اور چوتھی بار عرش تک۔ اورنزول کے وقت اس کے برعکس۔

نفی واثبات مع، پاس انفاس

دوسری قسم نفی واثبات کے ساتھ پاس انفاس کے ذکر کی ہے۔ اس میں سالک کو اپنے سانس کی آمد ورفت کے ساتھ ذکر کرنا ہوتا ہے جس کو اکابر نے پاس انفاس کا نام دیا ہے۔ اس میں سانس کی آمد ورفت پر دھیان رکھا جاتا ہے اس طرح کہ جب سانس اندر جائے تو بزبان قلب لَآ اِلٰہَ "کہے اور جب سانس باہر آئے تو" اِلَّا اللّٰہُ " کہے۔ اس طرح ذکر کرنے سے وساوس، اور تصوّرات کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

چنانچہ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ ؎

گر تو پاس داری پاسِ انفاس

بسلطانی رسانندت ازیں پاس

تا بجاروب لَا نروبی راه نرسی دَر مقامِ اِلّا اللّٰہ

حبس نفی واثبات

اس میں سالک کو تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنے سانس کو ناف کے نیچے روکے، اور غیر اللہ کی نفی کا تصور کرتے ہوئے "لا" کو اپنے دائیں پستان کی طرف لیجائے اور وہاں سے لفظ "الٰہ" کو دماغ تک لے جا کر " اِلَّا اللّٰہُ " کی دل پر ضرب لگائے ، اور سانس باہر نکالتے وقت دل سے " محمد الرسول اللہ " کہے، اور سینہ کی طرف اشارہ کرے ۔

پہلے دن یہ عمل تین دفعہ کرے ، اور پھر ہر روز ایک ایک مرتبہ زیادہ کرتا رہے ، یہاں تک کہ یہ عمل دوسو (200) یا اس سے زیادہ ہو جائے ۔

واضح رہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو چیزوں کی ترغیب وتاکید فرمائی ہے ۔ ایک ذکر اللہ کی کہ اس سے زبانی ذکر مراد ہے اور دوسرے فکر کی کہ اس سے مراقبہ مراد ہے ۔ اور مشائخ طریقت نے سالک کی ترقی از ذکر تا سوئے فکر میں آسانی کے لئے ذکر خفی استنباط فرمایا ہے ۔

مراقباتِ قادریہ

جب طالب پر ذکر خفی کے آثار ظاہر ہونے لگیں، شوق اور غلبۂ محبت پیدا ہو، سکوت میں مزہ اور گفتگو اور مشاغل سے طبیعت بھاگنے لگے، اور اپنے باطن میں اس ذکر کے نور کا مشاہدہ کرنے لگے تو اس کو مراقبہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے ۔

طریقۂ مراقبہ

مراقبہ کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان یا توجہ کرنے اور اس کی طرف سے فیض کا انتظار کرنے کے ہیں۔ دل کی یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے اندر میں اس طرح یاد کرنا کہ توجہ اس کی ذات کی طرف ہو، اسم یعنی ذکر کی طرف نہ ہو، اور دل میں اس خاص صورت کے سوا باہر سے کوئی چیز خیال کے ساتھ اندر نہ آئے۔ مراقبہ کی اصل یہ حدیث مبارکہ ہے جس میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ كَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاکَ*

احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس آیت یا کلمہ کا مراقبہ کرنا منظور ہو سالک با ادب رُو بقبلہ ہو کر بیٹھے اور غیر اللہ سے دل کو صاف کر کے اُس آیت یا کلمہ کو زبان سے کہہ کر اس کے معنیٰ کے تصور میں منہمک ہو جائے۔ کلمات کی مثال جیسے:

اَللّٰہُ حَاضِرِیْ ، اَللّٰہُ نَاظِرِیْ ، اَللّٰہُ نَاصِرِیْ ، اَللّٰہُ مَعِیْ

کو اپنی زبان سے کہے یا بدوں تلفظ کے اس کا خیال دل میں لائے اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور اس کی معیّت یعنی ساتھ ہونے کا خوب مضبوط تصوّر کرے، باوجود اس کے کہ وہ مقدّس ذات جہت و مکان سے پاک ہے، تاکہ اس تصور میں استغراق پیدا ہو۔

اور آیات قرآنی میں سے مندرجہ ذیل آیات میں سے کسی آیت کریمہ کا تصوّر کرے۔ مثلاً:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ *

کہ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (حق تعالیٰ) تمہارے ساتھ ہے۔

آیت کریمہ کے معنیٰ ومفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھے اور پھر اُس کے ساتھ ہونے کے دھیان کو اپنی خلوت اور جلوت میں قیام اور قعود میں، خواب اور بیداری میں، چلنے اور پھرنے میں اپنے خیال اور تصوّر میں رکھے۔

اور یا ان آیات کا ورد اپنی زبان پر جاری رکھے، اور ان کا مراقبہ کرے:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ * (البقرة:115)

تم جدھر بھی منہ پھیرو اُدھر ہی اللہ کی ذات ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى * (العلق)

کیا وہ (انسان) جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد * (ق)

ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْط *

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَيَهْدِيْن *

میرا رب میرے ساتھ ہے عنقریب وہ مجھ کو راستہ دیکھا دے گا۔

یا اس آیت کا مراقبہ کرے

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ.

یعنی حق تعالیٰ اوّل ہے (اس سے پہلے کوئی چیز نہیں) آخر ہے (جو اس عالم کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا، ظاہر ہے (با اعتبار اپنی صفات اور افعال کے) اور باطن ہے (با اعتبار اپنی ذات کے کہ اس کی حقیقت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا)۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ زمین وآسمان کا نور ہے

اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ﴿

جس موت سے تم بھاگتے ہو، وہ تم سے آ ملنے والی ہے۔

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ط(النساء)

تم جہاں بھی ہو گے (ایک نہ ایک دن) موت تمہیں جا پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ رہ رہے ہو۔

یہ تمام مراقبات مذکورہ اللہ تعالیٰ سے تعلق خاطر کے لئے مفید ہیں۔ان آیات کے معنیٰ ومفہوم میں اس طرح ڈوب جانا چاہئے کہ سوائے اس کے کوئی چیز دھیان میں نہ رہے، اسی کو مراقبہ کہتے ہیں۔ جب ان مراقبات سے فائدہ حاصل ہونے لگتا ہے، اور انوار وکیفیات ظاہر ہوتے ہوں تو مراقبۂ توحید کی تعلیم دی جاتی ہے، جس کی چند قسمیں ہیں۔

مراقبۂ توحید افعالی

مراقبۂ توحید افعالی یہ ہے کہ دنیا کی تمام حرکات وسکنات میں فاعل حقیقی رب العالمین کو جانے، اور تمام دنیا کی حرکات وسکنات پر ظاہری طور پر کام کرنے والوں کو صرف آلہ کار سمجھے۔ اس مراقبہ سے عجیب ثمرات ظاہر ہوں گے۔ ؎

مردان نفس ہوا شکستند   از نیک و بد زمانہ رستند

دربحرِ فنا چو غوطہ خوردند   جزحق ہمہ را وداع کردند

جو لوگ دنیاوی لوازمات سے بری ہو جاتے ہیں

ان کو اچھائی و برائی کا امتیاز نہیں رہتا
اور جب دریائے فنا میں غوطہ زن ہوتے ہیں
تو سوا خدا کے دنیا کی تمام چیزوں سے جدا ہو جاتے ہیں۔

(ضیاءالقلوب:ص 43)

مراقبۂ توحید صفاتی

مراقبۂ توحید صفاتی یہ ہے کہ اپنے اور تمام دنیا کے وجود کو رب العالمین کی صفات کا عکس سمجھے، اور اسی خیال میں مستغرق ہو جائے۔

طریقہ کشفِ ارواح

مشائخ قادریہ نے کہا ہے کہ جو طریقہ کشفِ ارواح کے واسطے ہمارے ہاں مجرب ہے شروط مذکورہ کے ساتھ وہ یہ ہے کہ سالک ایک ہزار (1000) مرتبہ اپنی دائیں طرف "سُبُّوحٌ" کی ضرب لگائے، اور بائیں طرف "قُدُّوسٌ" کی اور آسمان کی طرف "رَبُّ الْمَلَآئِکَۃِ" کی ضرب لگائے، اور دل پر "وَالرُّوْحِ" کی۔اور مقصود کی طرف متوجہ ہو تو جس روح سے ملاقات کرنی مقصود ہوگی وہ بیداری یا خواب میں ملاقات کرے گی۔اور اگر یہ ضربیں دو ہزار مرتبہ لگائی جائیں تو مقصود جلد حاصل ہوگا۔

برائے کشف وقائع آئندہ

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ آئندہ کے حالات کے بارے میں ٹھیک ٹھیک باخبر اور کشف ہونے کے لئے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ طالب غسل کرے، اور اپنا عمدہ و صاف لباس پہنے، خوشبو لگائے، اور خلوت میں بنیّت اعتکاف مصلّٰی پر بیٹھے اور ان اسمائے ثلاثہ "یَا عَلِیْمُ، یَا مُبِیْنُ، یَا خَبِیْرُ" کے ساتھ اللہ عزوجل تعالیٰ کا ذکر کرے، یک ضربی یا سہ ضربی والے طریقے

سے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانو ہو کر بیٹھے اور پہلی ضرب دائیں زانو پر، دوسری بائیں زانو پر اور تیسری ضرب پوری شدّت اور جہر کے ساتھ دل پر لگائے۔

برائے حُصول اُمورِ مشکلہ

اہم اور مشکل امور سے نجات حاصل کرنے کے واسطے ان ہی شروطِ مذکورہ کے ساتھ یہ طریقہ ہے کہ نماز تہجد پڑھے جس قدر رکعات اس کے واسطے مقدر ہوں،اس کے بعد،ایک ہزار(1000) بار اپنی دائیں طرف "یَا حَیُّ" کی ضرب لگائے، اور بائیں طرف "یَاقَیُّوْمُ" اور آسمان کی طرف "یَا وَھَّابُ" اور دل میں "یَا اَللّٰہُ" کی ضرب لگائے ،اور دعاء کرے۔

برائے انشراحِ خاطر ودفع بلیّات

انشراح خاطر اور دفع بلیّات کے لئے ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ "اَللّٰہُ" کی ضرب دل پر اس طرح لگائے جس طرح نفی و اثبات میں طریقہ ذکر گیا ہے۔اور "اَلْحَیُّ" کی ضرب دائیں طرف، اور "اَلْقَیُّوْمُ" کی ضرب بائیں طرف لگائے۔

کشفِ قبور کے واسطے

پہلے اکیس (21) مرتبہ "یَا رَبِّ" کہے۔اور پھر آسمان کی طرف "یَا رُوْحُ" قبر پر "یَا رُوْحُ" اور دل پر "یَا رُوْحُ الرُّوْحُ" کی ضرب لگائے۔انشاء اللہ خواب یا بیداری میں حال معلوم ہو جائے گا۔

☆ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قبر کے پاس بیٹھ کر میت پر فاتحہ پڑھے، اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے "اَکْشِفْ لِیْ یَا نُوْرُ" اور دل پر "اَکْشِفْ لِیْ یَا نُوْرُ" اور قبر پر "عَنْ حَالِہٖ" کی ضرب لگائے، اور قلب کی طرف متوجہ ہو۔

پیارے پیغمبر ﷺ کی زیارت کے لئے

عشاء کی نماز کے بعد پوری پاکی سے نئے کپڑے پہن کر خوشبو لگائے اور با ادب مدینہ منورہ کی طرف رُخ کر کے بیٹھ جائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی زیارت حاصل ہونے کی دعاء کرے، اور دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے پیارے پیغمبر ﷺ کی صورت مثالیہ (سفید صاف و شفاف کپڑے، سبز پگڑی اور منوّر چہرہ) کا تصور کرتے ہوئے مندرجہ ذیل درود شریف طاق عدد میں جس قدر ہو سکے پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْہِ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْ ضٰی لَہٗ۔

اور پھر اپنی دائیں طرف "یَا اَحْمَدُ" اور بائیں طرف "یَا مُحَمَّدُ" یَارَسُوْلُ اللہ" کی ضرب دل پر ایک ہزار (1000) مرتبہ لگائے۔

اور سوتے وقت اکیس (21) مرتبہ "سورۃ النَّصر" پڑھ کر آپ ﷺ کے جمال مبارک کا تصور کرے، اور درود شریف پڑھتے ہوئے قبلہ رُخ دائیں کروٹ پر اپنی داہنی ہتھیلی سر کے نیچے رکھ کر سو جائے۔ انشاء اللہ بیداری یا خواب میں زیارت ہو گی۔

یہ عمل شبِ جمعہ یا سوموار کی رات کو کرے۔

(ضیاء القلوب: ص,61,45)

حاجت براری کے لئے

جب کوئی مشکل یا ضرورت پیش آئے تو اُس مشکل اور ضرورت کے مطابق اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام کو لے کر سہ ضربی، یا چار ضربی میں مشغول ہو جائے۔ مثلاً

"یَارَزَّاقُ" کشائیدگی رزق کے لئے۔

"يَاشَافِيْ" شفائے امراض کے لئے "يَاحَفِيْظ" حفاظت کے لئے

"يَامُذِلُّ" دشمن کے دفع کرنے کے لئے

"يَاحَيُّ، يَاقَيُّوْمُ" بلاؤں کے دور کرنے، اور دل کی تفریح کے لئے، وعلیٰ ھذا القیاس۔

سلسلہ قادریہ سہروردیہ کے اسباق

حضرت شیخ مولانا فضل الٰہی المعروف مُشر میاں صاحب جب اپنے شیخ المشائخ حضرت مولانا حافظ عبد الغفور صاحب قدس سرہٗ ساکن سیدو شریف سوات کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سلسلہ قادریہ میں نو (9) اسباق کی تعلیم اس طرح دی

(1) نفی و اثبات: یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی روزانہ ایک سے گیارہ تسبیح (یعنی ایک سو سے گیارہ سو تک) اور حسب استعداد جتنا بڑھا سکیں اور ہر سو کے بعد

مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

نفی اثبات کو ناسوت بھی کہتے ہیں "لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا الله"

(2) دوسرا اثبات: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"، اِلَّا اللّٰهُ، اِلَّا اللّٰهُ، اِلَّا اللّٰهُ،

ایک سے پانچ سو اور گیارہ سو تک، اور ہر سو کے بعد:

مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

اس اثبات کو ذکر ملکوتی بھی کہتے ہیں۔

(3) مراقبہ اسم ذات: دو زانو قبلہ رُخ بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے زبان کو اس

طرح تالو سے لگا کر کہ حرکت بالکل نہ کرے صرف تصوّر سے خیال کرے کہ میرے دل سے "اللہ اللہ" کی آواز آرہی ہے، اور میں سُن رہا ہوں۔

(4) مراقبہ اسم ذات: "اللہ" پانچ سو بار سے چار ہزار تک، اور ہر سو کے بعد:

جَلَّ جَلَالَهٗ وَعَمَّ نَوَالَهٗ

کہے۔ ذکر اسم ذات کو ذکرِ "لاھوت" بھی کہتے ہیں۔

(5) ذکر "ھُو": ہر سو کے بعد "جَلَّ جَلَالَهٗ وَعَمَّ نَوَالَهٗ" کہے۔

(6) ذکر عروجی: اللہ ھُو، ہر سو کے بعد "جَلَّ جَلَالَهٗ وَعَمَّ نَوَالَهٗ" کہے۔

(7) ذکر نزولی: ھُو اللہ، ھا پر وقف کرنا ضروری ہے۔

(8) ذکر عجز، یعنی:

اَنْتَ الْهَادِیْ اَنْتَ الْحَقْ لَیْسَ الْهَادِیْ اِلَّا هُوْ

(9) توسل بہ درود شریف:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

ایک سو (۱۰۰) سے گیارہ سو (۱۱۰۰) تک روضہ مبارک پر حاضری کے تصور سے پڑھیں کہ میں روضہ مبارک پر حاضر ہوں۔

(احوال العارفین: ص ۴۱۸)

☆☆☆

اشغال

و اذکار

مشائخِ

چشتیہ

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ: غفر اللہ لہٗ ولوَالدَیہ﴾

اشغال واذ کار مشائخِ چشتیہ

حضرات چشتیہ امام طریقت حضرت خواجہ جہاں ، قطب ہندوستان سیّد معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہیں ۔ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے بہترین اولیاء اللہ میں سے ہیں ۔

ان کے ہاتھ پر ہزاروں کفار و ہنود مسلمان ہوئے ۔ منقول ہے کہ جب حضرت خواجہ کا انتقال ہوا تو آپ کی پیشانی مبارک پر یہ نقش ظاہر ہو گیا۔

" حَبِیْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰهِ "

یعنی اللہ کا دوست اللہ کی محبت میں مَر مِٹا ۔

ذکر کی تلقین

اس سلسلہ میں جب شیخ مرید کو ذکر کی تلقین کرتے ہیں تو مشائخ کی ارواح کے لئے فاتحہ خوانی اور ختم کے بعد اُسے متواتر تین دن تک روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں ۔ اور روزے کے لئے اگر جمعرات کا دن ہو تو بہتر ہے۔ ان دنوں میں کلمہ طیّبہ ، استغفار اور درود شریف کی کثرت کی ترغیب دی جاتی ہے ، اور مرید سے کہا جاتا ہے کہ تیسرے دن آخر شب ، یا بعد نماز فجر یا عصر میرے پاس آؤ۔

جب مرید حاضر ہو جاتا ہے تو مرشد اسے تنہائی میں لے جا کر دو زانو مؤدب بیٹھانے کے بعد پہلے اُسے گیارہ مرتبہ استغفار، اور گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھنے کا کہتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے القول الجمیل :صفحہ (۷۷) پر دس مرتبہ استغفار اور درود شریف کا ذکر کیا ہے ۔ پھر مرشد اُس کی طرف توجہ کرتا ہے تا کہ اُس کا ذہن اذکار

واشغال کو قبول کر سکے۔

توجہ کا طریقہ

توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرشد خود تمام خیالات سے خالی ہونے کے بعد اپنے دل کو مرید کے دل کے مقابل کرے، اور اسم ذات "اللہ" کی ضرب اُس کے دل پر لگائے، اور یہ خیال کرے کہ موجودہ ذکر کی کیفیت میری وجہ سے اس کو حاصل ہو رہی ہے، اور یہ ذکر اس کے دل میں سرایت کر رہا ہے۔

اس طرح ایک سو ایک (101) مرتبہ اس کے دل پر ضرب لگائے تاکہ شوق اور ذکر کی حرارت اس کے دل پر اثر کرے، اور اس کا دل ذکر سے حرکت کرنے لگے۔ اور پھر مرشد سالک کو اس کی حیثیت کے مطابق اس کو ذکر کی تلقین کرے۔ اور ترغیب دے کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزّت نے فرمایا ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ *

جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

اس لئے اس معاملہ میں ایسی کوشش کرو کہ تم پر کوئی ایسا وقت نہ گزرے کہ تم ذاکر نہ ہو۔ اور جان لو کہ تمہارا قلب بائیں پستان کے نیچے دو انگل کے فاصلے پر ہے جس کی شکل صنوبر (چلغوزہ) کی سی ہے اور اس کے دو دروازے ہیں، ایک اوپر کی طرف اور ایک نیچے کی طرف۔

(حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوپر کے دروازے سے وہ مراد ہے جو جسم سے ملا ہوا ہے، اور نیچے کے دروازے سے وہ مراد ہے جو روح سے متصل ہے)۔ اوپر کے دروازہ کا کھلنا ذکر (جلی) جہری پر موقوف ہے، اور تحتانی یعنی نیچے کے

دروازے کی کشادگی ذکرِ خفی پر۔

دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرشد خود پہلے تین مرتبہ دعاؤں اور اذکار کو پڑھے اور مرید سنتا رہے، اور اس کے بعد مرشد اپنے مرید سے کہے کہ جو کچھ مجھے اپنے شیوخ سے حاصل ہوا ہے وہ میں نے تجھ کو دے دیا، اور مرید کہے کہ میں نے قبول کیا۔ پھر اس کو تنہائی میں ذکر کرنے کی ترغیب دے۔

ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسی جگہ میں جہاں کسی کی آمد ورفت، اور شور وغل نہ ہو باوضو چارزانو قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں، اس طرح کہ اپنے دائیں پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی کو بائیں گھٹنے کے اندر کی جانب رگ کیماس کو دباتے ہوئے پکڑیں اس طرح کہ انگوٹھا اوپر اور پاؤں کی انگلی اس کے نیچے رہے اور بایاں پاؤں داھنے گھٹنے کے نیچے رکھے۔

(رگ کیماس ایک رگ کا نام ہے جو زانو کے نیچے سے ران کی جانب اترتی ہے۔ اس رگ کا پکڑنا قلب کو حرارت بخشتا ہے اور وساوس اور پراگندہ خیالات سے بچنے میں مدد دیتا ہے)۔ اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں کھلی ہوئی ہوں تاکہ اللہ کے نام کا نقش پیدا ہو جائے، اور کمر کو سیدھی رکھے کہ اس میں کوئی کجی نہ ہو، اور خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ یہ دعاء پڑھے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْئَلُكَ اَنْ تُحْيِيَ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اَبَدًا، يَا اَللّٰهُ، يَا اَللّٰهُ، يَا اَللّٰهُ.

اس کے بعد بہت توجہ کے ساتھ ذکر وفکر میں لگ جائے، یہاں تک کہ خطرات اور

وساوس جو انسانیت کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں دفع ہو جائیں، اور قلب کی صفائی اور تزکیۂ نفس حاصل ہو جائے ، اور ذکر کا اثر اس کے تمام اعضاء اور رگوں میں ظاہر ہو جائے ، اور حقائق اشیاء اس پر منکشف ہو جائیں، اور ذکر حقیقی اور شہودِ حق حاصل ہو جائے ۔

ذکر کا بیان

ذکر اصطلاح صوفیہ میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان اللہ کی یاد میں غیر اللہ کو بھول جائے ، اور حضورِ قلب کے ذریعے سے ربّ العالمین کی معیت اور قرب حاصل کر لے، جیسا کہ ارشاد ہے:

اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ ، وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ ، وَاَنَا جَلِیْس مَنْ ذَکَرَنِیْ۔

جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے، اور میرے نام سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں ، میں اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں ،اور جو مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کا ہمنشین اور جلیس ہوں۔

اور رب العالمین کے اس ارشاد کے مطابق کہ:

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿

اور پاکی بیان کرو اس کی صبح و شام

پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی یاد میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ اپنے آپ سے بالکل بے خبر ہو جائے ۔اور

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ.

وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں اٹھتے ، بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں کے بل

کے زمرہ میں داخل ہو جائے ۔اور ذکر اس کی زندگی بن جائے ۔جب طالب اس درجہ تک پہنچ جائے گا، تو اخلاقِ حسنہ ،یعنی زہد ،توکل، گوشہ نشینی، قناعت، صبر، تسلیم ورضا خودبخود حاصل ہو جائیں گے، اور اس پر انوارِ الٰہیہ کی اس قدر تجلیّاں ہوں گی کہ اس کے حواس خمسہ مغلوب ومستور ہو جائیں گے ۔اور ذکر وذاکر دونوں فنا ہو جائیں گے، اورصرف مذکوریعنی"اللہ" رہ جائے گا۔

ذکر کی اقسام

ذکر کی چار قسمیں ہیں: اوّل ناسوتی، جیسے" لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہُ "دوسرے ملکوتی جیسے، "اِلَّا اللہُ" تیسرے جبروتی جیسے"اَللہ"، چوتھے لاہوتی جیسے"ھُوْ ھُوْ" ۔اور یہ بھی جان لیں کہ زبان کے ذکر کو ناسوتی، دل کے ذکر کوملکوتی، روح کے ذکر کے جبروتی، ذکر سَر کو لاہوتی، ذکر زبان کوجسمی، فکر کے ذکر کونفسی، مراقبہ کے ذکر کو ذکرِ دلی، مشاہدے کے ذکر کو روحی اور معائنہ کے ذکر کوسری کہتے ہیں۔

طریقہ ذکرنفی واثبات

سالک قبلہ رُخ چارزانو ہوکر بیٹھ جائے ،اور دائیں پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی سے رگِ کیماس کو (جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے) مضبوط پکڑے ،اور اپنے دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھے ،اورخلوص نیت کے ساتھ:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭

پڑھ کرتین بار پہلاکلمہ، اورایک بارکلمۂ شہادت پڑھے۔

اورپھردل کی پوری توجہ اورقوّت کے ساتھ"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" میں سے حرف"لَا" کو ناف سے کھینچ کردائیں کندھے تک لاکر باہرنکالے، اور لفظ"اِلٰہ" کو اصل دماغ سے

نکالتے ہوئے سرکو تھوڑا سا پیٹھ کی طرف جھکاتے ہوئے یہ خیال اور تصور کرے کہ میں ماسوااللہ کی دوستی کو اپنے اندر سے نکال کر باہر پھینکتا ہوں اور پس پشت ڈالتا ہوں اور"اِلَّا اللّٰہُ" کی ضرب پوری شدّت وقوت کے ساتھ دل پر لگائے ،اور یہ خیال کرے کہ میرا دل رب العالمین کے عشق ومحبت سے لبریز ہوگیا ہے، اور بوقت مد"لَا" کے تمام جانب بدن کی موڑے صرف گردن کو نہ موڑے ،اورضرب بھی اسی طرح کرے ، اور جہر متوسط سے ذکر کرے۔اور ہر دس دفعہ کے بعد"محمد الرسول اللہ" کہے۔

اور اس نفی و اثبات سے مبتدی"لَا مَعْبُوْدَ" غیر خدا کی معبودیت کی،متوسط "لَامَقْصُوْدَ" نفی مقصودیت غیر خدا کی، اور منتہی"لَا مَوْجُوْدَ"غیر خدا کے وجود کی نفی اور ہمہ اوست کا تصوّر کرے۔اللہ عزوجل تعالیٰ سے یہ امید ہے کہ چند روز میں حرارت قلب پیدا ہو جائے گی،اور ذکر میں لذّت آنے لگے گی۔

اس ذکر کی بڑی شرط یہ ہے کہ اپنی جمعیت وہمّت کو جمع کرے اور کلمہ کے معنیٰ کو سمجھے۔اور فضل الٰہی کا امید وار رہے۔ اور اگر اثر میں دیر ہو تو گھبرائے نہیں بلکہ استقامت کے ساتھ ذکر کرتا رہے کہ استقامت ہر فن میں اصل ہے۔

ذکر جلی کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے کھانے کو انتہائی کم کردے، اور کھانے میں چکنائی کا استعمال کرنا اس کے لئے زیادہ مفید ہے تاکہ خشکی کے سبب اس کا دماغ پریشان نہ ہو۔

بارہ(12)تسبیح

خاندانِ چشتیہ صابریہ میں شغل بارہ تسبیح کا اصل ہے، اور مبتدی سے لے کر منتہی تک سب کے لئے مفید ہے۔اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز تہجد کے اکیس(21) مرتبہ درود شریف پڑھے،اور پھر اکیس(21) مرتبہ توبہ واستغفار عجز وانکسار کے ساتھ کر کے ہاتھ اٹھا

کر تین مرتبہ، یا سات (7) مرتبہ یہ دعاء پڑھے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَيْرِكَ، وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اَبَداً يَا اَللّٰهُ، يَا اَللّٰهُ، يَا اَللّٰهُ.

اور چار زانو ہو کر بیٹھے۔ اور دائیں پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی سے رگِ کیماس کو (جو کے بائیں زانو کے اندر ہے) مضبوط پکڑے، اور کمر سیدھی رکھے، اپنے دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھے، اور خلوص نیت، دل جمعی، ہیبت، حرمت اور تعظیم کے ساتھ نہایت ہی خوش الحانی سے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٭بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

پڑھ کر تین بار پہلا کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰه" اور ایک بار کلمۂ شہادت:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ٭

پڑھے، اور پھر دو تسبیح (یعنی دو سو مرتبہ) نفی و اثبات یعنی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی اس طرح سے پڑھے کہ اپنے سَر کو اپنے دل کی طرف جھکا کر کلمہ "لا" کو قوت اور سختی کے ساتھ دل کے اندر سے کھینچ کر دائیں شانے کی طرف لے جائے، اور لفظ "اِلٰہ" کو دائیں کندھے سے نکالتے ہوئے اپنے سر کو پیچھے پشت کی طرف مائل کرتے ہوئے تصوّر کرے کہ میں نے غیر اللہ کو دل سے نکال کر پسِ پُشت ڈال دیا ہے۔

اور یہاں سانس چھوڑتے ہوئے لفظ "اِلَّا اللّٰهُ" کی ضرب سختی کے ساتھ اپنے دل پر لگائے۔ اور تصور کرے کہ میں نے نُورِ الٰہی اور اس کے عشق کو اپنے دل میں داخل کیا۔ اس

طرح (200) مرتبہ ذکر کرتا رہے۔اور ہر دسویں مرتبہ میں" مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ الله " کہے۔

اورآخر میں پھر (21) مرتبہ استغفار اور (21) مرتبہ درود شریف پڑھ کر تین مرتبہ کلمہ طیّبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت پڑھے۔اور تھوڑی دیر تک یہ مراقبہ کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آرہا ہے۔

طریقِ اثباتِ مجرّد

پھر دوزانو ہو کر بیٹھے اور چار تسبیح (یعنی چار سو مرتبہ) صرف اثبات یعنی" اِلَّا الله " کی کرے، اور سَر کو دائیں مونڈھے پر لے جا کر لفظ" اِلَّا الله " کی زور اور سختی کے ساتھ دل پر ضرب لگائے۔اور پھر حسب سابق تین مرتبہ کلمہ طیّبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت پڑھے۔اور تھوڑی دیر تک یہ مراقبہ کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آرہا ہے۔

طریقِ اسمِ ذات

اس کے بعد پھر چھ تسبیح (یعنی چھ سو مرتبہ) اسم ذات" اَللّٰهُ اَللّٰهْ " کی پہلے کو ضمہ اور دوسرے کو وقف کے یعنی جزم کے ساتھ آنکھیں بند کر کے اور سر کو دائیں کندھے پر لا کر لفظ" اَللّٰهُ اَللّٰهْ " کی دونوں ضرب جہر اور قوت کے ساتھ دل پر لگائے، اور ہر دس مرتبہ کے بعد:

اَللّٰهُ حَاضِرِیْ ، اَللّٰهُ نَاظِرِیْ ،اَللّٰهُ نَاصِرِیْ، اَللّٰهُ مَعِیْ۔

کو معنیٰ کے دھیان کے ساتھ کہتا رہے۔اس کے بعد پھر حسبِ سابق تین مرتبہ کلمہ طیّبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت پڑھے۔اور تھوڑی دیر تک یہ مراقبہ کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آرہا ہے۔

اور پھر ایک تسبیح (یعنی سو مرتبہ) خالی اسم ذات"الله" کی وقف کے ساتھ کہے، پیش پڑھنے کی ضرورت نہیں، اور دائیں مونڈھے سے دل پر ضرب لگاتا رہے۔اس کے بعد حسب

سابق تین مرتبہ کلمہ طیّبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت پڑھے اور گیارہ گیارہ مرتبہ استغفار اور درود شریف پڑھ کر دعاء مانگے ،اور مناجات کرے کہ الٰہی تو ہی مقصود ہے اور تیری رضا مطلوب ہے۔اور تھوڑی دیر تک یہ مراقبہ کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آ رہا ہے۔

☆ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مبتدی کے لئے ان بارہ تسبیحوں کے پڑھنے کا طریقہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

چالیس دنوں تک روزانہ دوسو(200) مرتبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله" کی تسبیح کی جائے۔

اور چالیس دن کا چلّہ گزرنے کے بعد اس کے ساتھ روزانہ چارسو(400) مرتبہ "اِلَّا الله" کا اضافہ کریں۔

پھر جب اس پر بھی چلّہ گزر جائے تو اس کے ساتھ روزانہ چھ سو(600) مرتبہ اسم ذات "اَللّٰهُ اَللّٰهُ" دوضربی کا اضافہ کریں۔

اور جب اس پر بھی ایک چلّہ گزر جائے تو "الله" ایک ضربی سو(100) بار اور "هُوْ" سو(100) بار اور بڑھائیں یہاں تک کہ اس پر بھی چلّہ گزر جائے۔

(مبادئی تصوّف:ص312)

بارہ(12)تسبیحوں کے ذکر کا دوسرا طریقہ

بارہ (12)تسبیحوں کے ذکر کا دوسرا طریقہ جو حضرات چشتیہ کے ہاں معمول ہے یہ ہے کہ: تہجد کی بارہ رکعتیں چھ سلاموں کے ساتھ یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں اور ہر رکعت میں تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ اور اس کے بعد نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ تین، یا پانچ، یا سات مرتبہ ہاتھ اٹھا کر یہ دعاء پڑھے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ عَنْ غَيْرِكَ، وَنَوِّرْ قَلْبِيْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اَبَداً يَا اَللّٰهُ، يَا اَللّٰهُ، يَا اَللّٰهُ.

اور اکیس (۲۱) مرتبہ یہ استغفار پڑھے:

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

اور تین مرتبہ درود شریف عروج ونزول کے طریقے پر پڑھے۔اور اس کے بعد نفی و اثبات کا ذکر مذکورہ بالا طریقے کے مطابق کرے۔

(ضیاءالقلوب:ص15)

ذکر اثبات مجرّد کا طریقہ

ذاکر کو چاہئے کہ وہ دوزانو قبلہ رُخ ہو کر اس طرح بیٹھے کہ اس کی کمر بالکل سیدھی ہو،اور پھر اپنے سَر کو دائیں شانے کی طرف لیجا کر "اِلَّا اللّٰہ" کی ضرب دل پر لگائے،اور چار سو(400) بار متواتر ضربیں لگاتا رہے۔اور پھر تین مرتبہ کلمہ طیبہ اور ایک مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد مراقبہ کرے۔اس ضرب کو اصطلاح صوفیاء میں یک ضربی کہتے ہیں۔

ذکر اسم ذات کا طریقہ

سالک "قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ" کے مطابق اسم ذات "اَللّٰہُ. اَللّٰہْ" کا ذکر اس طرح کرے کہ پہلے لفظِ "اللہ" کی ھا کو پیش اور دوسرے لفظِ "اللہ" کی ھا کو جزم دے،اور اپنی دونوں آنکھیں بند کر کے اپنے سَر کو اپنے داہنے شانے کی طرف لے جا کر پہلے لفظِ "اللہ" کی ضرب لطیفۂ روح پر اور دوسرے لفظ اللہ کی ضرب اپنے دل پر لگائے۔اور نو دفعہ "اَللّٰہُ. اَللّٰہْ" کی ضرب لگانے کے بعد دسویں مرتبہ:

اَللّٰہُ حَاضِرِیْ، اَللّٰہُ نَاظِرِیْ، اَللّٰہُ مَعِیْ

اللہ میرے پاس ہے، اللہ مجھے دیکھتا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے۔

میں سے کوئی ایک، ہر دس دفعہ کے بعد باری باری کہتا رہے۔(یعنی پہلے دس پر

"اَللّٰهُ حَاضِرِیْ" بیسویں مرتبہ پر، "اَللّٰهُ نَاظِرِیْ"، اور تیسویں مرتبہ، "اَللّٰهُ مَعِیْ" کہے۔) اور چھے سو(600) بار تک یہ ضربیں لگاتا رہے۔

اس ضرب کو اصطلاح میں ذکر اسم ذات دوضربی کہتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ کلمہ طیبہ اور ایک مرتبہ کلمۂ شہادت، اور گیارہ، گیارہ (11)(11) مرتبہ درود و استغفار پڑھنے کے بعد مشائخ سلسلہ کی ارواح پر ایصال ثواب کرے۔ اس کے بعد جتنی دیر چاہے مراقبہ کرے اور جس ذکر میں اسے لطف آئے اس کے اندر مشغول رہے۔

(ضیاءالقلوب:ص:18)

ہر طالب کو چاہئے کہ اسم ذات کا ورد ایک لاکھ پچیس ہزار (125000) مرتبہ روزانہ کر لیا کرے جو کہ انتہائی مرتبہ ہے۔ اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو چوبیس ہزار (24000) مرتبہ ورد کرے۔ اور اس کے اندر حکمت یہ ہے کہ آدمی دن میں چوبیس ہزار (24000) مرتبہ سانس لیتا ہے، تو اس طرح ہر سانس میں ایک ذکر ہو جائے گا، اور وہ قرآن کریم کی اس آیت کے زمرے میں داخل ہو جائے گا۔

وَالذّٰاکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰاکِرَاتِ.

اور کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔

اور یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم بارہ ہزار (12000) مرتبہ ضرور پڑھ لیا کرے، جو کہ ادنیٰ مرتبہ ہے۔ کثرت اسم ذات سے اوّل انوار اور ظہور اسرار کا بہت ہوتا ہے، اور آخر کو جذب۔ اس ذکر میں ذکر زبانی یقیناً ذکر قلبی کا وسیلہ ثابت ہو جائے گا۔

(ضیاءالقلوب:ص19)

اسم ذات "اللہ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ ذات پاک بیچوں و بیچگوں جو جامع بجمیع صفات کمال اور معبود حقیقی ہے۔ اور "ھوٗ" کا معنیٰ ہے کہ وہ ذات کہ جو پردۂ غیب جلال میں

چھپا ہے ،اور آنکھ ،وہم و خیال اور عقل وفہم اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔اور ”ھوٗ“ ضمیر غائب کی ہے جس سے چھپی ہوئی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(بیاضِ یعقوبی:ص ۵۵)

اسمِ ذات مع الضرب کا طریقہ

(1) اسم ذات کے ذکر کی چار صورتیں ہیں: یکؔ ضربی، دوؔ ضربی، سہؔ ضربی، چہارؔ ضربی۔ یکؔ ضربی، کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے اپنے سَر کو دائیں شانے کی طرف لے جا کر پوری قوت سے لفظِ ”اللہ“ کی ضرب دل پر لگائیں۔ دوؔ ضربی، یہ ہے کہ پہلی ضرب روح پر لگائے اور دوسری دل پر، سہؔ ضربی، یہ ہے کہ پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر لگائے، دوسری بائیں گھٹنے پر اور تیسری دل پر۔ چہارؔ ضربی یہ ہے کہ پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر لگائے، دوسری بائیں گھٹنے پر، تیسری روح پر اور چوتھی دل پر۔

(2) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رُو بیٹھ کر یک ضربی سے ہفت ضربی تک ذکر کریں۔ پہلی دو ضربیں تو مندرجہ بالا طریقے کے مطابق لگائیں، جبکہ تیسری ضرب پہلے دائیں طرف، دوسری بائیں طرف، اور تیسری دل پر لگائیں۔اور چہارضربی میں پہلے دائیں طرف ،دوسری بائیں طرف، تیسری سامنے، اور چوتھی دل پر لگائیں۔اور پانچ ضربی میں دائیں، بائیں، سامنے پیچھے اور دل پر لگائیں۔اور چھے ضربی میں دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر آسمان کی طرف اور دل پر۔اور ہفت ضربی میں پہلے دائیں، پھر بائیں، پھر آگے، پھر پیچھے، پھر نیچے، پھر اُوپر اور پھر دل پر بالترتیب لگائے۔اور ہر ضرب میں اس آیت کریمہ کا تصوّر کرے:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. (البقرۃ)

جدھر منہ پھیرو اُدھر ہی اللہ ہے۔

اس آیت کریمہ کے تصوّر کے ساتھ جب یہ ذکر پوری توجہ کے ساتھ کیا جائے تو استغراق اورمحویّت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور ہر شے سے ذکر کی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔

(3) ذکر چہارضربی کا ایک طریقہ یہ ہے کہ رُو بقبلہ ہوکر بیٹھے اورقرآن کریم، یا کسی بزرگ کی قبرکواپنے سامنےتصوّر میں رکھ کر پہلے دائیں طرف۔ پھر بائیں طرف، اور پھر سامنےقرآن کریم پر، یا قبر پر، اور پھر چوتھی ضرب دل پر لگائے۔اس طریقہ پرمعانی قرآنیہ کا انکشاف، اورکشف قبور حاصل ہوگا۔

ذکر جاروب کا طریقہ

دوزانو بیٹھ کر بائیں گھٹنے سے"لَآ اِلٰہَ " شروع کرے، اورسَرکو دائیں گھٹنے پر لاکر دائیں شانے کی طرف لے جائے ،اورتھوڑا سا کمر کی طرف جھکا کر" اِلَّا اللّٰہُ " کی ضرب بہت زور سے دل پر لگائے۔

ذکر حدّادی کا طریقہ

دو زانو بیٹھ کر بائیں گھٹنے سےسانس کو زور سے کھینچ کر"لَآ اِلٰہَ " کا وردشروع کرے، اورسَرکو دائیں گھٹنے پر لاکر دائیں شانے تک پہنچا کر دونوں گھٹنوں پر کھڑا ہو جائے اور دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے جس طرح لوہار ہتھوڑے کولوہے پر مارتا ہے اس طرح دونوں ہاتھوں کودل کی طرف حرکت دے اوردل پر" اِلَّا اللّٰہُ " کی ضرب لگائے۔

ذکر ارّہ کا طریقہ

(1) نفی واثبات کے ذکر میں سانس کوالٹا کر کے پوری طاقت سے"لَآ اِلٰہَ" کا ذکر دائیں شانے تک پہنچائے ، اورسر کو پیٹھ کی طرف تھوڑا سا جھکا کر دل پر"اِلَّا اللّٰه" کی

ضرب لگائے۔

(2) اسم ذات کے ذکر میں پہلے آنکھیں بند کر لے، اور زبان کو تالو سے لگا کر الٹی سانس میں پوری طاقت سے لفظِ "اللہ" کو ناف سے کھینچ کر دائیں شانے تک پہنچائے اور "ھُوْ" کی ضرب دل پر اس طرح لگائے جس طرح ترکھان لکڑی پر آرہ کھینچتا ہے، اور برابر اپنی سانس کو جاری رکھے، اور یہ خیال کرے کہ میں دل پر آرہ کھینچ رہا ہوں۔(اسی مناسبت سے اسے ذکر ارّہ کہتے ہیں)۔

اور دل پر "ھُوْ" کا آرہ چلاتے وقت یہ خیال کرے کہ جس طرح لکڑی کا ٹتے وقت اُس سے برادہ نکلتا ہے، اسی طرح میرے دل سے نُور کے ذرّات نکل رہے ہیں اور بدن میں پھیل رہے ہیں، اور پھر بدن سے نکل کر تمام عالم کو گھیر کر میرے اور تمام عالم کے وجود کو ڈھانپ رہے ہیں۔

اس ذکر میں اتنا مشغول ہو کہ محویّت کُل اور مشاہدۂ تمام حاصل ہو جائے۔ان تمام ذکروں سے ذکرِ دوامی مراد ہے کہ مرید ہمیشہ اپنے آپ کو ذاکر رکھے، تاکہ یہ ذکر اس کے دل اور روح کو تازگی بخشے۔

(ضیاءالقلوب:ص23)

ے کار کُن کار، بگذر از گفتار کاندریں راہ، کار دارد، کار

کام کر کام، باتوں کو چھوڑ کہ اس راستے میں کام ہی کام آتا ہے

ترکیب حبسِ دَم

ذکر میں حبسِ دم بہت مفید ہے، کیونکہ دھیان ایک طرف رہتا ہے، اور خطرات موقوف ہو جاتے ہیں۔حضرات چشتیہ و قادریہ نے اس کو اذکار میں شرط کیا ہے، حضرات نقشبندیہ اس کو شرط تو نہیں کرتے، لیکن اس کی اولویّت سے ان کو بھی انکار نہیں ہے۔

وہ رگیں جو انسانی قلب سے متعلق ہیں بہت چربی دار ہیں، اور اس چربی ہی کے ذریعہ سے شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

حبس دم کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے باطنی حرارت پیدا ہو جاتی ہے، اور اس حرارت کی وجہ سے وہ اندرونی چربی پگھل جاتی ہے، جس کی وجہ سے دل صاف ہو جاتا ہے، اور شیطان کی کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔

حبس دم کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل سانس کو ناف سے اوپر کھینچے، اور سینے میں لاکر سانس کو روک رکھے، اس طرح سے کہ سانس کو حرکت نہ ہو، اوراور زبان کو تالو سے لگا کر تصور کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے۔ زبان تمام تالو سے ملی رہے، اور منہ بھی بند رہے، اور آنکھیں بھی بند رکھنا بہتر ہے، جب سانس چھوڑے تب آنکھیں کھول دے۔

دوم: ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ذرا گردن داہنے مونڈھے کی طرف لاکر آہستگی کے ساتھ دل پر ضرب لگائے، ضرب تصوّر سے کرے، اور اس کو ایک شمار کرے۔

سوم: یہ عدد ہر روز ایک یا دو یا تین تک بڑھاتا رہے، اور تعداد انگلیوں پر یا تسبیح پر کرنی چاہیئے۔

چہارم: اسم ذات کا حبس کرتے وقت لفظ "اللہ" کی تشدید اور مد کا خیال رکھے۔ اور شدّ و مد کا یہ خیال بھی تصوّر ہی میں رکھے۔

پنجم: جب معیّن عدد پورا ہو جائے تو چھوڑ دے، چاہے سانس باقی ہو اور زیادہ کرنے کی طاقت معلوم ہوتی ہو۔

ششم: جب سانس چھوڑے تو اس طرح آہستگی کے ساتھ تھوڑی تھوڑی کر کے چھوڑے کے اگر ساتھ کوئی بیٹھا ہوا ہو تو اس کو معلوم نہ ہو۔ اور جب تک سانس اپنی اصلی

حالت پر نہیں آجاتی اس وقت تک مراقبے میں رہے اور دوسری بار شروع نہ کرے۔

ہفتم: حبسِ دم اور تمام اشغال کا بہتر وقت آخر شب کا ہے کہ اس وقت نہ تو بھوک ہوتی ہے اور نہ ہی پیٹ غذا سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اور نہ ہی کسی کام کی فکر ہوتی ہے۔ اگر آخر شب کا وقت میسّر نہ آئے تو بعد نماز فجر کے کرے۔ پیٹ اگر بھرا ہوا ہو تو حبسِ دم نہ کرے، اور زیادتی کی ہوس نہ کرے۔

ہشتم: ہر روز دس سانس کر لیا کرے، لیکن سات سانسوں سے کم ہرگز نہ کرے۔

نہم: زیادہ سردی اور گرمی سے اپنے آپ کو بچائے، یعنی عین وقت شغل ٹھنڈی ہوا میں نہ نکلے، اور نہ ایسی بند اور گرم جگہ میں حبس دم کرے جہاں ہوا نہ داخل ہوتی ہو۔ اور حبسِ دم کے وقت اگر طبیعت میں گھبراہٹ پیدا ہو، یا پیاس لگے تو پانی پینے اور ٹھنڈی ہوا کے لینے میں جلدی نہ کرے، بلکہ ذرا انتظار کرے، اسی طرح گرم غذا جیسے میٹھی وغیرہ کم کھائے۔

دہم: سانس کھینچتے اور چھوڑتے وقت اپنا منہ بند رکھے، اور ناک سے سانس لے، اور دونوں حالتوں میں آہستگی کا دھیان رکھے۔

(بیاضِ یعقوبی: ص131)

حبس دم کا ایک اور طریقہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حبس دم کا ایک اور طریقہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر آہستہ آہستہ سانس لے کر حبس دم کریں اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے دونوں کانوں میں، اور دونوں مسبِّحہ (یعنی کلمے کی انگلیاں) دونوں آنکھوں پر اس طرح کے اوپر کا پپوٹا کھچ کر بلا کسی تکلف کے ذرا نیچے کی جانب ہو جائے، اور دونوں وسطیٰ (یعنی درمیانی انگلیاں) ناک کے نتھنوں پر، اور دونوں بنصر (یعنی چھوٹی انگلی کے ساتھ والی) اُوپر والے ہونٹ پر، اور دونوں خنصر (یعنی چھوٹی انگلیاں) نیچے کے ہونٹ پر رہیں، اور زبان کو تالو سے لگا کر خیال

سے لفظ "اللہ" کہتے رہیں، جب تک سانس بلا تکلف رک سکے۔

اور جب سانس لینے کا تقاضا ہو تو صرف نتھنے پر سے انگلیاں اٹھا کر ناک سے آہستہ آہستہ سانس چھوڑ دیں، اور اور تین دفعہ سانس لے کر جب قرار آ جائے تو دوبارہ حبس دم کریں۔ اوّل روز دس سانسیں حبس کرنا چاہئے اور پھر آہستہ آہستہ ایک ایک سانس بڑھا کر قدر تحمل تک پہنچانا چاہئے۔

اور جب موسم گرما یا اور کسی وجہ سے گرمی بہت زیادہ محسوس ہونے لگے تو حبس دم کے بعد یہ شغل اس تصوّر کے ساتھ کرے کہ عرش سے باریک باریک پانی کی پھوار میرے قلب پر پڑ رہی ہے۔ اور کچھ وقت تک اسی طرح مراقبے میں رہے، اور اگر اس سے تسکین نہ ہو تو اپنے قلب پر لفظِ "اللہ" چاندی کے پانی سے لکھا ہوا تصور کرے۔

(مبادئی تصوّف: ص 5)

پاسِ انفاس

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ضیاء القلوب کے صفحہ نمبر 19 پر لکھتے ہیں کہ انسان کو ہر سانس پر ہوشیار اور بیدار رہنا چاہئے، اور بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے ہرگز صاف نہیں ہو سکتا۔ پاسِ انفاس اصطلاح صوفیہ میں اس کو کہتے ہیں کہ سانس لیتے اور سانس باہر کرتے وقت جہراً یا سرًّا ذکر کرے۔

سانس اندر کھینچتے وقت لفظ "اللہ" کو دل کی گہرائی تک ہر سانس میں لائے، اور سانس باہر نکالتے وقت لفظ "ھو" کو سانس کے ساتھ اس طرح خارج کرے کہ اس کی چوٹ دل پر یا اُس لطیفے پر پڑے جس پر ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سانس اندر کھینچتے وقت لفظ "لَا اِلٰهَ" کو دل کی گہرائی تک ہر سانس میں لائے، اور سانس باہر نکالتے وقت لفظ "اِلَّا اللّٰه" کو سانس کے ساتھ اس طرح

خارج کرے کہ بغیر ارادہ کے خود بخود اس کی چوٹ دل پر یا اُس لطیفے پر پڑے جس پر ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

جب پاس انفاس کرے تو سانس باہر کی طرف لاتے ہوئے "اِلَّا اللّٰہُ" کہے، اور اپنے خیال سے محبت ما سوا اللہ کو اپنے باطن سے باہر پھینک دے، اور جب سانس اندر جائے تو "لَا اِلٰہَ" کہتے ہوئے یہ خیال کرے کہ میں اپنے دل کے اندر اللہ کی محبت ڈال رہا ہوں۔

ذکر پاس انفاس میں مقصود دوام ذکر ہے کہ ذکر مثل طبیعت کے ہو جائے، اور بے ارادہ اور بے قصد جاری ہو۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر سرّی میں صرف سانس سے ذکر کرے، اور سانس لیتے اور نکالتے وقت ناف کو دیکھے، اور منہ بالکل بند رکھے، اور زبان کو ادنیٰ حرکت بھی نہ دے، اور اس قدر پابندی اور مستقل مزاجی کے ساتھ ذکر کرے کہ سانس ذکر کی عادی ہو جائے اور خود بخود بلا ارادہ ذکر کرنے لگے۔ اور حالت بیداری اور غفلت میں ذاکر رہے، اور ماسوائے اللہ سے قلب بالکل صاف ہو جائے۔

چونکہ یہ ذکر قلب کو کدورتوں سے بالکل پاک وصاف کر کے انوار الٰہی کا ضبط بنا دیتا ہے، اس وجہ سے اس کو اصطلاح صوفیہ میں جاروبِ قلب کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ القول الجمیل میں فرماتے ہیں کہ نفی خطرات اور وساوس کے دور کرنے میں اس ذکر کا بڑا اثر ہے۔

مولوی اسحاق علی صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں پاس انفاس شروع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس ذکر کو تا عمر نہ چھوڑو، (اس طرح کہ) حتی الوسع کوئی سانس خالی نہ جائے۔

اور جب تک یہ ذکر جاری نہیں ہو جاتا ابتداء میں اس ذکر کے لئے پندرہ منٹ یا

آدھا گھنٹہ مقرر کر کے اس کو کر لیا کرو۔خواہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے ساتھ یا اس کے سوا جو چاہو سو کیا کرو۔

فرماتے ہیں کہ حضرت نے مجھے خاص طور پر فرمایا تھا کہ آج کل چونکہ گرمی ہے اس لئے میں تم کو وہ پاسِ انفاس بتلاتا ہوں جس کی تاثیر سرد ہے تاکہ گرمی میں تکلیف نہ ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جب سانس اندر جائے تو "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ" اور جب باہر آئے تو "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ" زبان تالو سے لگا کر خیال سے کہا کرو۔

(مبادئی تصوّف:ص 314)

پاسِ انفاس کے طریقے

پاس انفاس کو مشائخ بہت طریقوں سے کرتے ہیں۔بعض:

"اَللّٰهُ هُوْ"، بعض "اَللّٰهْ اَللّٰهْ" بعض "هُوْ هُوْ"، بعض "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" بعض " هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ" بعض " يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ " بعض " حَقْ حَقْ"بعض " يَا هُوْ"

اور بعض ایک سانس میں چند بار "اَللّٰهُ" جلد جلد کہتے ہیں۔اتنا دھیان رکھنا مطلوب ہے کہ ذکر اللہ ہر دم ہو، وضع اور طریقہ چاہے کچھ بھی ہو، جس طرح بھی جی لگے اور آسانی معلوم ہو ذکر کریں۔

☆ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حافظ محمود حسین صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ضبطِ پاس انفاس اور حرکات لطائف جہاں تک ہو سکے کرتے رہو، اور جب غفلت آجائے تو گریہ وزاری و دعاء کرو کہ الٰہی تیرا بندہ ہوں تو مجھ کو اپنے ذکر سے غافل مت کر، اور غفلت پر استغفار اور ندامت کو لازم پکڑو۔

(پاس انفاس:ص 15)

☆ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد ایوب جان بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں کہ پاس انفاس کی مشق اس قدر کریں کہ طبیعت ثانیہ بن جائے ، اور بلا ارادہ و اختیار ہر وقت سانس اسی طرح جاری رہے ۔سانس میں کوئی آواز یا تیزی نہیں پیدا ہونی چاہئے ،حسب عادت جاری ہو،اور ہونٹوں کو حرکت نہ ہو۔

☆ حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پاسِ انفاس باطن میں عجیب اثر رکھتا ہے، ابتداء اَمر میں تو ذاکر اس کے شغل میں مجاہدہ کرتا ہے،لیکن اجراء کے بعد ذکر خود بخود قلبِ ذاکر پر اس طرح حاوی ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو نہیں چھوڑتا۔

(ملفوظاتِ مہریہ کے ملفوظ ۱۵۶، ۱۲۲)

مراقبہ چشتیہ

جب طالب کا باطن ذکر کے نور سے منوّر ہو جائے تو شیخ اس کو مراقبہ کا حکم کرتا ہے کہ وہ دل یا زبان سے:

" اَللّٰهُ حَاضِرِیْ ، اَللّٰهُ نَاظِرِیْ،اَللّٰهُ شَاهِدِیْ، اَللّٰهُ نَاصِرِیْ، اَللّٰهُ مَعِیْ "

کہتے ہوئے اس کا مراقبہ کرے کہ اللہ حاضر ہے میرے ساتھ،اللہ مجھے دیکھ رہا ہے،اللہ میرا مددگار ہے،اللہ میرے ساتھ ہے ۔ یا اس آیت کریمہ کا خیال دل میں لائے اور اس کا مراقبہ کرے:

اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ *

خبردار! اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور اس کی معیّت کا تصور کرے تا کہ اس تصوّر میں استغراق پیدا ہو۔

یا اللہ تعالیٰ کو اپنے اور قبلہ کے درمیان حاضر تصوّر کرتے ہوئے مراقبہ کرے، اور یہ تصوّر کرے کہ میں اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔

راہ سلوک کے موانع اور ان کا علاج

حدیث نفس، برے خیالات اور وساوس ہر سالک کی راہِ سلوک میں مانع ہوتے ہیں، اور یہ بہت سخت مرض ہے۔ بزرگوں نے اس کے کئی علاج تجویز کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ:

(1) جب کوئی برا خیال دل میں راسخ ہو جائے اور کسی طرح دفع نہ ہو تو اس کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ سانس کو ناف سے کھینچ کر قلب میں روکے، اور کلمہ "لَآ اِلٰہَ" کو دل سے نکالتے وقت یہ خیال کرے کہ شیطان جو دل پر اژدھے کی طرح بیٹھا ہے "لَآ اِلٰہَ" کی قینچی سے میں نے اس کی دُم پکڑ لی ہے، سانس کو کھینچ کر دائیں شانے تک لائے، پھر "اِلَّا اللّٰہ" کی قلب پر ضرب لگائے، اور خیال کرے کہ یہ ضرب شیطان کے سر پر پڑی ہے اور اُس کا سَر پاش پاش ہو گیا ہے، اور وہ دل سے باہر ہو گیا ہے۔

اسی طرح متواتر ضربیں لگاتا رہے، اگر اللہ عزوجل تعالیٰ نے چاہا تو بہت جلد یہ خیالات فاسدہ دور ہو جائیں گے، اور شیطان ہلاک ہو جائے گا۔ اور دل نورِ ذکر سے منوّر ہو جائے گا۔ اس ذکر میں ملاحظہ اور حبسِ دم کرنا شرط ہے۔

(2) اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر برے خیالات کی وجہ سے اشتغال اور نسبت قلبی میں کوئی خلل واقع ہو تو غسل کرے، نئے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، اور خلوت میں بیٹھ کر معوّذتین، اور "قل ھواللہ" تین تین مرتبہ پڑھے، اور پھر تین مرتبہ:

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ تَعَالٰی رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ.

پڑھے، اور تین بار "اَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھ کر بائیں شانے کی طرف پھونک دے، اور کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھے۔

اس کے بعد جتنی مرتبہ ہو سکے یہ دعاء پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنْ غَیْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اَبَدًا، یَا اَللہُ یَا اَللہُ یَا اَللہُ.

اس کے بعد بائیں طرف "یَا نُوْرُ" اور دائیں طرف "یَا نُوْرُ" اور دل میں "یَا نُوْرُ" کی ضرب بار بار لگائے۔ اگر طبیعت میں گھبراہٹ ہو تو فوراً وضو کر کے پھر اسی ذکر میں مشغول ہو جائے، اور اسی طرح یہ عمل کرتا رہے انشاء اللہ قلب کو تسکین ہو جائے گی۔

پھر نفی و اثبات کے ذکر میں

لَا فَاعِلَ اِلَّا اللہُ، وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہُ

کے تصور کے ساتھ مشغول ہو جائے، اور مدّ و شدّ اور خوش آوازی کا خیال رکھے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اشغالِ ذکر

شغلِ نفی واثبات

حبسِ نفی واثبات جس کو بعض لوگ شغلِ نفی واثبات کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ معدہ خالی ہونے کی صورت میں آنکھیں بند کرنے کے بعد زبان اپنے تالو سے لگائے اور سانس کو ناف سے کھینچتے ہوئے دل میں ٹھیرائے، اور کلمہ " اِلَّا اللّٰہ " کو بائیں زانو سے کھینچتے ہوئے دائیں زانو، اور پھر وہاں سے دائیں شانے پر لانے کے بعد پوری طاقت سے دل پر ضرب لگائے۔

پہلے دن میں دس سانسیں کھینچے اور ہر سانس میں تین مرتبہ اس طرح کرے۔ اس کے بعد ہر روز ایک ایک دم زیادہ کرتا رہے اور:

اَللّٰہُ وِتْرٌ وَ یُحِبُّ الْوِتْر.

اللہ طاق ہے اور طاق کو دوست رکھتا ہے

کا لحاظ رکھے، تا کہ اندرونی حرارت پیدا ہو، چربی پگھلے، اور شیطانی خطرات دور ہوں۔ جب اس طرح دم کشی کی عادت ہو جائے گی تو تمام جسم میں حرارت پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہر عضو خود بخود ذاکر ہو جائے گا، اور عشق الٰہی کی آگ دل میں روشن ہو جائے گی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تنہائی میں چار زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر لے، اور دائیں پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے پاس کی انگلی سے رگِ کیماس کو مضبوط پکڑے، اور دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھ کر دم (یعنی سانس) کو ناف سے کھینچ کر دل کی طرف لا کر امّ الدماغ میں ٹھیرائے۔ اور پھر بغیر زبان کو حرکت دیئے غور وفکر کے ساتھ لفظ " لا" کو ناف سے کھینچ کر

روح کی طرف لائے ، اور پھر وہاں سے لفظِ "اِلٰہَ" کو دماغ تک پہنچا کر باہر لائے ، اور دل پر" اِلَّا اللّٰہ " کی ضرب لگائے ۔اسی طرح ایک سانس میں پانچ یا سات مرتبہ کرے ، پھر آہستہ سے سانس باہر چھوڑے ، اور ہر بار سانس چھوڑتے وقت " مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ " صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصوّر کرے اور آنکھیں کھول کر " لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ " (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا تصور کرے۔اور سانس لیتے وقت آنکھیں بند کر لے اور " لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ " (کوئی موجود حقیقی سوائے اللہ کے نہیں) کا تصور کرے، اور آہستگی سے سانس روکے ۔

اور اسی طرح ہر دن دس سانسیں لے ، اور ہر روز ایک ایک بار زیادہ کرتا رہے ، یہاں تک کہ ایک سانس سے ایک سو اکیس (121) مرتبہ ذکر کر سکے ۔ اس وقت دل کا دروازہ کھل جائے گا ، اور مشاہدۂ نور سے دل منوّر ہو جائے گا۔

شغل سلطاناً نصیراً

شغل "سُلْطَانًا نَّصِیْرًا" کے بارے میں خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بہت سے فائدے ہیں ،خاص طور پر خطرات کے دور کرنے میں یہ شغل عجیب و غریب تاثیر رکھتا ہے ۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح و شام دو زانو رُو بقبلہ ہو کر بیٹھے اور اطمینان سے اپنی دونوں آنکھیں بند کر لے ، یا ایک آنکھ بند کر لے اور دوسری آنکھ سے ناک کے نتھنے پر نظر ڈالے ، اور بغیر پلک جھپکائے جس طرح چراغ یا ستارہ کی روشنی کو دیکھتا ہے ،اسی طرح غیر معین نُور کا تصور کرے اس طرح کے اس تصوّر میں ڈوب جائے ۔

ابتداء میں آنکھوں سے پانی بہے گا اور تکلیف ہوگی ،لیکن چند دنوں کے بعد عادت پڑ جانے کی وجہ سے تکلیف ختم ہو جائے گی ، اور اس کو اپنی صورت اس طرح نظر آئے گی جس طرح آئینہ میں نظر آتی ہے ، اور نورِ الٰہی سے منوّر ہو جائے گی ۔

شغل سلطاناً محمودا

"سُلْطَانًا نَصِيْرًا" کے شغل میں جس طرح نتھنوں پر نظر رکھتے ہیں اس طرح اس شغل میں دونوں بھوؤں کے درمیان نظر رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں ذاکر کو اپنا سر نظر آنے لگتا ہے، اور وہ عالمِ بالا کے حالات سے مطلع ہو جاتا ہے۔

شغل سلطان الاذکار

سالک کو چاہئے کہ تنگ و تاریک حجرے میں جہاں شور وغل کی آواز نہ آتی ہو داخل ہوکر درود و استغفار، اور تعوّذ و تسمیہ، پڑھ کر:

اَللّٰهُ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا.

اے اللہ ! مجھے نور عطا فرما، اور میرے واسطے نور کر دے، اور میرا نور بڑھا دے، اور خود مجھ کو نور کر دے۔

تین بار حضورِ قلب اور تصوّر سے کہے۔ اس کے بعد لیٹ کر، یا بیٹھ کر، یا کھڑے ہو کر اپنے بدن کو ہلکا کرے، اور مردہ تصوّر کرے، اور از سَر تا پا متوجہ اور باہمت ہو جائے، اور جب سانس اندر کو لے تو "اللہ" کا اور جب سانس باہر نکالے تو لفظِ "هُوَ" کا تصور کرے، اور یہ تصور کرے کہ سانس لیتے اور نکالتے وقت ہر ہر بال سے لفظ "هُوَ" نکل رہا ہے۔ اور ذکر میں اس طرح منہمک ہو جائے کہ اپنا خیال بھی نہ رہے، اور

هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

(اللہ زندہ اور قائم ہے) کا ہر وقت تصور قائم کرے، جس کا نتیجہ چند دنوں کے بعد یہ نکلے گا کہ جسم کے ہر ہر رُواں اور ہر ہر بال ذاکر ہو جائے گا، اور انوارِ تجلّی سے منوّر ہو جائے گا۔

مراقبات کا بیان

جب انوار جہریہ وسرّ یہ سے سالک منوّر ہو جاتا ہے، اور اس کے رگ و پے میں ذکر سرایت کر جاتا ہے اور اور بے خودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اُسے مراقبات کی تعلیم دی جاتی ہے ۔مراقبہ نام ہے مطلوب حقیقی تک پہنچانے والی چیز میں غور وفکر کرنے کا۔اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ:

مراقبہ کا طریقہ

التحیات کی شکل میں دو زانو ہو کر بیٹھیں اور اپنے سر کو گھٹنے پر رکھ کر دل کو غیر اللہ سے بالکل خالی کر کے اللہ کی درگاہ میں حاضر کریں، اور بعد:

" اَعُوْذُ بِا اللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّ حِيْمِ " کے

"اَللّٰهُ حَاضِرِیْ، اَللّٰهُ نَاظِرِیْ، اَللّٰهُ مَعِیْ"

کہہ کر مراقبہ کریں اور اس میں ان الفاظ کے معنیٰ پر غور وفکر کریں کہ" اللہ حاضر و ناظر ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور اللہ ہمیشہ میرے ساتھ ہے"۔

اور اس خیال میں اس قدر ڈُوب جائیں کہ غیرِ خدا کا یہاں تک کہ اپنے آپ کا خیال بھی دل سے نکل جائے ۔ ابتداء میں مراقبہ کے اندر زحمت ہوتی ہے لیکن عادت بن جانے پر پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی، لیکن اس مرتبہ تک رسائی تدریجاً اور آہستہ آہستہ ہوتی ہے اس لئے دل گرفتہ ہو کر اسے چھوڑنا نہیں چاہیئے ۔فرمایا کہ: ؎

همه کارے که همّت بسته گردد
اگر خارے بود گُلدسته گردد

جو کام بھی ہمت کے ساتھ کیا جائے
اس میں اگر کانٹے بھی ہوں گے تو گلدستہ ہو جائیں گے۔

مراقبہ کی اقسام

اس کی چند اقسام ہیں ۔جن امراض قلبی کی وجہ سے دل غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کے تین اسباب ہیں:

(1) حدیثِ نفس یعنی جلوت اور خلوت میں اپنے قصد وارادہ سے اپنے دل کے ساتھ باتیں کرنا۔

(2) ایسے خطرات اور وساوس جو بلا قصد وارادہ دل میں پیدا ہوں۔

(3) نظر بغیر ،یعنی بہت سی چیزوں کی واقفیت ۔ان امراض کا اصلی علاج شغل باطنی ہے کہ حدیثِ نفس کی صورت میں اسم ذات، اور دوسری صورت میں اسمائے صفات کا دل میں تصور کرے اور دل کی توجہ مرشد کی طرف رکھے۔

مراقبۂ رؤیت

اللہ عزوجل تعالیٰ کی رؤیت کا تصور کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت کے اندر اس قدر غور وفکر پر مواظبت کرے کہ اس کی صورت کے دیکھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے :

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى.

کیا اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے؟۔

مراقبۂ معیّت

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ.

جہاں کہیں تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

اس آیت کریمہ کے معنیٰ میں غور وفکر کے ساتھ اس طرح مستغرق ہو جائے کہ خلوت وجلوت، بیماری وصحت ،خوشی وغمی ہر حال میں اللہ عزوجل تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔

مراقبہ اقربیّت

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ.

اور ہم اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

اس آیت کریمہ کے معنیٰ میں غور وفکر اور اس خیال کے ساتھ اس طرح مستغرق ہو جائے کہ اللہ عزوجل تعالیٰ مجھ سے قریب ہے۔

مراقبۂ وحدت

هُوَ الْاَوَّلُ ، وَالْاٰخِرُ، اور همه اوست

ابتداء اور انتہاء میں وہی ہے، اور اس کا وجود ہر جگہ جلوہ فرما ہے۔زبان سے کہے، اور تصور کرے کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے،اور اسی خیال میں مستغرق ہو جائے۔

مراقبۂ فنا

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ * وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ *

اس زمین میں جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے، اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی ،فضل وکرم والی ذات باقی رہے گی۔

کے معنیٰ کے ساتھ خیال کرے کہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی ،اور ذاتِ باری جو بے عیب ہے ہمیشہ رہے گی،اور دل کی آنکھوں سے اس خیال میں محو ہو جائے تا کہ اس کے معنیٰ اور بھی منکشف ہو جائیں،اور اس کے وجود اور علم وعقل کو فنا حاصل ہو۔

مراقبۂ ہوا

تنگ و تاریک حجرے میں بیٹھ کر آنکھیں کھول کر ہوا میں ایک جگہ دیکھے، اس سے انوار الٰہی ظاہر ہوں گے اور وصال حق نصیب ہوگا۔

اسی طرح انوارِ الٰہیہ کے ظہور کے لئے بعض لوگ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، اور پلکیں نہ بند ہوں اس کی کوشش کرتے ہیں۔

فنا کے مراتب

فنا کے چند درجے ہیں، اور ہر ایک درجہ کی ایک معیّن حد ہے۔ لطائفِ خمسہ کی طرح فنا کے بھی پانچ درجے ہیں۔

(1) ذکرجسمی: غلبۂ ذکر ربانی کی وجہ سے اس مرتبہ میں برے اخلاق صفاتِ حمیدہ میں فنا ہو جاتے ہیں۔

(2) ذکرنفسی: اس مرتبہ میں ذکر وفکر کے غلبہ کی وجہ سے نفسانی خواہشیں امکانی خواہشوں میں فنا ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے احکام شرع کی پابندی، اور مکاشفہ و الہام کا طریقہ منکشف ہو جاتا ہے۔

(3) ذکرقلبی: اس مرتبہ میں ذکر قلبی کے غلبہ کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ اس کی وجہ سے موجودات کے اوصاف و افعال موجود مطلق (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ) کے اوصاف میں فنا ہو جانے کی وجہ سے ہر شے میں افعال حق کا جلوہ نظر آئے، اور اطمینان قلبی (جو کہ نفس مطمئنہ کا مقام ہے) حاصل ہو جائے۔

(4) ذکر روح: یہ مرتبہ مشاہدہ کا ہے۔ اس مرتبہ میں ذکر وفکر کے غلبہ کی وجہ سے اس بات کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے کہ کثرت خدا کی یکتائی میں فنا ہو جائے، اور

سالک کے مشاہدے میں ذاتِ مطلق کے مشاہدے کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

(5) ذکرِ سرّی کی زیادتی: اس مرتبہ میں سالک یہ چاہتا ہے کہ اپنے وجود کو کسی سبب سے اپنے میں نہ پائے اور ذاتِ مطلق میں فنا ہو جائے۔اس مقام میں سالک کا علم اور اس کی ذات وغیرہ کچھ باقی نہیں رہتی، وجودِ سالک بالکل فنا ہو جاتا ہے۔مگر یہ مرتبہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے،اور یہ عارف کی حالت پر مبنی ہے جیسی حالت ہوگی ویسی ہی فنائیت ہو گی، ہر شخص اس کو نہیں سمجھ سکتا۔

(ضیاءالقلوب:ص35)

انوار وآثار

دلِ سالک اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جانے کے بعد جب تمام اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے،اور غیر اللہ سے پاک وصاف ہو کر روحانیّت سے خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو انوارِ الٰہی ظاہر ہونے لگتے ہیں، جو کبھی تو خود میں دکھائی دیتے ہیں،اور کبھی اپنے باہر۔

ان میں سے اچھے انوار وہ ہیں جو دل، سینہ، سَر، یا دونوں طرف، یا کبھی تمام بدن میں پائے جائیں۔اور جو انوار کبھی دائیں، کبھی بائیں، کبھی سَر کے سامنے ظاہر ہوتے ہوں وہ بھی اچھے ہیں مگر ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔

اگر کسی رنگ کا نور دائیں شانے کے برابر ظاہر ہو تو وہ فرشتوں کا نور ہے، اور اگر سفید رنگ کا ہو تو وہ "كِرَامًا كَاتِبِيْن" کا ہے، اور اگر سبز پوش خوبصورت آدمی کی صورت میں یا کسی اور اچھی صورت میں ظاہر ہو تو وہ فرشتہ ہے، جو ذاکر کی حفاظت کے لئے آیا ہے، اور اگر دائیں شانے سے کچھ دُور یا آنکھ کے برابر ظاہر ہو تو وہ مرشد کا نور ہے، جو راستے کا رفیق ہے، اور اگر نور سامنے ظاہر ہو تو وہ نورِ محمدیؐ ہے جو سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اور اگر بائیں شانے سے دور ظاہر ہو تو وہ خواہ کسی رنگ میں ظاہر ہو تو وہ شیطان کا نور

ہے، اور بعض کے نزدیک دنیا کا نور ہے۔

اور اگر نور اوپر سے یا پیچھے سے آئے تو وہ حفاظت پر مامور فرشتوں کا ہے، اور اگر بلا کسی جہت کے ظاہر ہو، اور اس سے خوف پیدا ہو، اور باطنی حضور نہ ہوتو وہ شیطان کا نور ہے اس پر "لَاحَوْلَ" پڑھے۔ اور اگر بلا کسی جہت کے ظاہر ہو، اور اس کی وجہ سے باطنی لذّت، اشتیاق وطلب غالب رہے تو وہ وہی نور ہے جو کہ مطلوب ہے۔

اور اگر دھوئیں یا آگ کی شکل میں سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر ہوتو وہ خنّاس کا نور ہے، اس موقعہ پر "اَعُوْذُ بِاللهِ" پڑھنا چاہئے۔ اس کی باقی تفصیل اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ضیاء القلوب صفحہ 37-38 پر دیکھ سکتے ہیں۔

شرائطِ چلّہ نشینی

مشائخِ چشتیہ نے فرمایا جو شخص چلّے میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اُس کے لئے چند امور کی رعایت کرنا ضروری ہے مثلاً: ہمیشہ روزہ رکھنا اور نماز مغرب سے پہلے افطار کرنا۔ ہمیشہ شب بیداری یعنی قیام اللیل کرنا۔

کم بولنا اس لئے کہ خاموشی سے حکمت حاصل ہوتی ہے، اور بے کار گفتگو سے ذکر کا نور ضائع ہو جاتا ہے۔ کم کھانا اس قدر کہ معدہ کا ایک تہائی حصہ خالی رہے جس کی وجہ سے قلب کی رقّت، دل کی صفائی اور قوت ملکیہ زیادہ ہوتی ہے۔ کم سونا، اور لوگوں سے کم ملنا، ہمیشہ با وضو رہنا کہ اس سے انشراح طبیعت اور قلب کی نورانیّت بڑھتی ہے، اور جس وقت وضو ٹوٹ جائے تو فوراً نیا وضو کرنا۔ طہارت اور عبادت پر ہمیشگی کرنا، درود شریف پڑھنا، خطرات، وساوس اور خیالات چاہے اچھے ہوں یا برے ان کو دور کرنا کیونکہ ان کی وجہ سے قلب کے اندر تاریکی اور ذکر سے دوری پیدا ہوتی ہے۔

ہمیشہ اپنے مرشد کے ساتھ دل لگائے رکھنا تاکہ فیض کا دروازہ اس پر کھل جائے،

اور خدا تک رسائی حاصل ہو۔ ہمیشہ ذکر کرنا اس طرح کہ غفلت نہ آنے پائے ،اور ذکر کرتے وقت ربّ العالمین کے اس فرمان کا تصوّر کرنا کہ: "اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ" (جو مجھے یاد کرتا میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں) اور غفلت کو مثلِ حرام کے بالکل ترک کرنا۔

چلّہ کا طریقہ

مقصد حاصل ہونے کے لئے حضرات اہل طریقت نے چلّے مقرر کئے ہیں ،جن کے فائدے اور سندیں کتب سلوک میں موجود ہیں ۔ چلّہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب چلّے کا ارادہ کرے تو پہلے اپنی نیت درست کر لے ،اور چلّے سے اس کا مقصد اتباع سنت اور رضائے خداوندی ہو،اور پھر خلوت میں جائے ۔

خلوت کے لئے بہتر مقام جامع مسجد ہے جہاں اس کو جماعت اور جمعہ کی فضیلت حاصل ہو۔ پھرغسل کرے ،نئے اور صاف کپڑے پہنے ،خوشبو لگائے ۔پھر جب حجرے یا خلوت خانہ میں داخل ہوتو اوّل:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰه.

کہہ کر اپنا داہنا پاؤں اندر رکھے، اور

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اور :قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ *

کو تین بار پڑھے ۔اور جب بایاں پاؤں داخل کرے تو یہ دعاء پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ كُنْ لِيْ كَمَا كُنْتَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ، وَارْزُقْنِيْ مُحَبَّتَكَ، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ ، وَاشْغِلْنِيْ

بِجَمَالِكَ ، وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُخْلِصِيْن، اَللّٰهُمَّ امْحُ نَفْسِيْ بِجَذْبَاتِ ذَاتِكَ يَا اُنِيْسَ مَنْ لَّا اُنِيْسَ لَهٗ، رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ٭

اے اللہ ! تو ہی میرا کارساز ہے۔تو دنیا اور آخرت میں ،میرا مددگار ہو جا جیسا تو محمد ﷺ کا مددگار وکارساز تھا، اور مجھے اپنی محبت نصیب فرما۔اے اللہ! مجھے اپنی محبت نصیب فرما، اور مجھے اپنے جمال کے ساتھ مشغول فرما، اور مجھے اپنے مخلص بندوں میں سے بنادے۔اے اللہ! میرے نفس کو مٹادے اپنی ذات کی کششوں سے،اے وہ ذات! جو مددگار ہے اُس کی جس کا کوئی مددگار نہیں ، اے پروردگار! مجھے تنہا مت چھوڑیئے ،اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔

پھر مصلّٰی پر کھڑے ہوکر اکیس (21) مرتبہ یہ پڑھے:

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٭ (الانعام:۷۹)

میں نے تو پوری طرح یکسو ہوکر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

پھر دو رکعت نفل ما سوی اللہ سے جدا ہونے اور اللہ کی طرف لوٹنے کی نیت سے پڑھے،پہلی رکعت میں آیت الکرسی ،اور دوسری رکعت میں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ " والی آیت سے لے کر آخر تک پڑھے۔پھر لمبا سجدہ کرے اور سجدے میں خوب دعائیں مانگے۔

پھر قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے اور پانچ سو(500) بار"یَا فَتَّاحُ" کہے، اس کے بعد ذکر

جلی، ذکرخفی، پاس انفاس، اور مراقبات وغیرہ جو کچھ اس کو مرشد سے حاصل ہوا ہے اس میں مشغول ہوجائے۔

صَلوٰۃِ کُنۡ فَیَکُوۡن

سخت مشکل کے وقت حضرات چشتیہ کے ہاں صلوٰۃ "کُنۡ فَیَکُوۡن" کے پڑھنے کا معمول ہے جو بدھ، جمعرات اور جمعہ کو پڑھی جاتی ہے۔اور اس کو" صلوٰۃِ کُنۡ فَیَکُوۡن" اس لئے کہتے ہیں کہ مطلب برآری اور حاجت کے پورے ہونے میں اس کی تاثیرنہایت جلد اور قوی ہوتی ہے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی حاجت یا دشواری پیش آئے تو بدھ، جمعرات اور جمعہ کی راتوں میں پوری طہارت اور خلوص کے ساتھ دو رکعتیں اس طرح ادا کی جائیں کہ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد ایک سو پچیس (125) بار سورۃ اخلاص کی تلاوت کی جائے ، اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ سو (100) بار اور سورہ اخلاص ایک بار پڑھی جائے،سلام کے بعدسو (100) بار درود شریف پڑھے، اور پھر (100) سو بار کہے:

"اے آسان کنندہ دُشوار یہا، و اے روشن کنندہ تاریکہا"

اے دشواریوں کو آسان کرنے والے اور اے تاریکیوں کو روشن کرنے والے۔

پھر سو (100) مرتبہ استغفار کرے، اور حضور قلب سے اللہ سے دعاء کرے۔

اور تیسری رات میں اس عمل کو کرنے کے بعد اپنے سر سے پگڑی یا ٹوپی اتار کر یعنی برہنہ سَر ہو کر اپنی داہنی آستین نکال کر اپنی گردن میں ڈالے اور پھر روتے ہوئے (50) پچاس مرتبہ حق تعالٰی سے دعاء کرے تو انشاء اللہ ضرور اُس کی دعاء قبول ہوگی۔

(القول الجمیل:ص:88)

کشفِ قبور اور اہل قبور سے استفاضہ حاصل کرنا

مشائخ چشتیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کشف قبور اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ سالک جب قبرستان میں داخل ہو تو دو رکعت نوافل ادا کرے جن میں سورۃ فتح "اِنَّا فَتَحۡنَا" کی تلاوت کرے۔ پھر میت کی قبر کی طرف منہ کر کے اس طرح بیٹھے کہ اُس کی پشت قبلہ کی طرف ہو اور سورۃ الملک کی تلاوت کرے، اور "اَللّٰہُ اَکۡبَرۡ" اور "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہے۔ اور گیارہ بار سورۃ فاتحہ پڑھے، پھر میت سے قریب ہو جائے اور اکیس (21) مرتبہ "یاربّ یاربّ" کہے، پھر "یَا رُوۡحُ" کہتے ہوئے آسمان کی طرف ضرب لگائے، اور دوسری مرتبہ قبر پر "یَا رُوۡحُ" کی ضرب لگائے اور پھر "یَارُوۡحُ الرُّوۡحُ" کہتے ہوئے دل میں ضرب لگائے، اور اسی طرح ضربیں لگاتا رہے یہاں تک کہ کشائش اور نور پاوے، پھر صاحب قبر سے اپنے دل پر ہونے والے فیضان کا انتظار کرے۔

دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قبر کے پاس بیٹھ کر میّت پر فاتحہ پڑھے اور پھر آسمان کی طرف "اِکۡشِفۡ لِیۡ یَا نُوۡرُ" اور دل پر "اِکۡشِفۡ لِیۡ یَا نُوۡرُ" اور قبر پر "عَنۡ حَالِہٖ" کی ضرب لگائے، اور قلب کی طرف متوجہ ہو۔

(ضیاءالقلوب: ص 45)

وصول الی اللہ کا طریقہ

سلسلہ چشتیہ، صابریہ قادریہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں جو آپ نے منشی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا ہے اس میں آپ ان کو وصول الی اللہ کا طریقہ بتاتے ہوئے اس طرح ذکر کرنے کی ترغیب

دیتے ہیں کہ:

وصول کا خلاصہ خودی کو چھوڑنا ہے۔اور متأخرین کے نزدیک کثرت ذکر، اور کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، اور لوگوں سے کم ملنا ہے۔اور رات دن میں کم از کم ایک پہر یعنی شب وروز کا آٹھواں حصّہ ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک تہائی آرام کرے، ایک تہائی ذکر میں گزارے، اور ایک تہائی میں مخلوق کے حقوق جو اس کے ذمہ ہیں انہیں ادا کرے۔اور اگر اس کے ذمہ کوئی کام نہیں تو پھر وہ وقت بھی ذکراللہ میں گزارے۔

اور پھر اپنی اسی بات کی وضاحت منشی محمد قاسم صاحب رحمۃاللہ علیہ کے ایک اور خط کے جواب میں یوں فرماتے ہیں کہ کم کھانے کی مقدار نصف شکم متوسط ہے کہ آدھی بھوک کھائے اور آدھا پیٹ خالی رکھے، یعنی کھانے کی جتنی مقدار سے اس کا پیٹ بھرتا ہو اُس کا اندازہ لگا کر اس سے نصف یا نصف سے بھی کچھ کم یا کچھ زیادہ کھائے۔

فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کا حساب اس طرح لگایا ہے کہ چالیس متوسط لقموں سے انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے،اور چالیس کا نصف بیس (20) ہے، اور دو تہائی چھبیس (26)۔لیکن ضروری نہیں ہے کہ سب ایک ہی طرح کھاتے ہوں اس لئے ہر آدمی اپنی خوراک کا حساب لگالے کہ کتنی خوراک سے اُس کا پیٹ بھرتا ہے اور پھر اس کے حساب سے کم کرلے، اور یہ کمی بھی تدریجاً ہو یعنی ایک دو لقمے روزانہ کے حساب سے کم کرتا رہے ایک دم سے کم نہ کرے۔

اور لوگوں سے کم ملنے سے مراد یہ ہے کہ بغیر کسی سخت ضرورت کے کسی سے نہ ملے، اور والدین، اہل وعیال رشتہ داروں، دوستوں اور ایسے لوگوں سے ملنا جن سے ملنے کے بعد دین داری کی طرف متوجہ ہو یہ ضروریات میں داخل ہے، لیکن ان سے بھی اس قدر ملنا نہ ہو

کہ دنیاوی یا دینی کاموں کا حرج ہو۔اس کے علاوہ باقی لوگوں سے اور خاص طور پر ایسے لوگوں سے جن سے ملنے کے بعد دنیا کی طرف رغبت پیدا ہو اُن سے نہ ملنا بہتر ہے۔

اور کثرت ذکر سے مراد فرائض، نوافل، تلاوتِ قرآن، اور مسنون دعاؤں کا پڑھنا اور جہری اور خفی ذکر، پاس انفاس، ذکر خیالی سب کثرتِ ذکر میں داخل ہیں۔

اور رات و دن کو تہائیوں میں تقسیم کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ نصف شب کو اٹھے، اور جب رات کا چھٹا حصّہ باقی رہے تو پھر سو جائے، اور طلوعِ صبح صادق پر دوبارہ اٹھے، اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر وفکر میں مشغول رہے، پھر چاہے تو آرام کرے، یا کام کرے۔ یہ طریقہ نہایت ہی مشکل ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز عشاء کے فوراً سو جائے، اور جب رات کے دو پہر گزرنے کے بعد ایک پہر باقی رہ جائے تو جاگ جائے اور صبح طلوع آفتاب تک عبادت میں مشغول رہے، بعد طلوع آفتاب اپنے کام کاج کرے، اور پھر نماز عصر سے لیکر نماز عشاء تک ذکر واذکار میں مشغول رہے تو یہ حساب پورا ہو جاتا ہے۔

اور چھٹے حصّے کا حساب یوں ہے کہ جب چار گھڑی رات رہ جائے تو اٹھ جائے، اور چار گھڑی دن چڑھے تک مشغول رہے۔ اور اس کے بعد خواہ عصر سے مغرب تک، یا مغرب سے عشاء تک ذکر وفکر میں مشغول رہے۔

(بیاضِ یعقوبی: ص 94)

اور ذکر میں ابتداءً ذکر جہر لسانی کرے اور پھر ذکر خفی کرے۔ اور پھر مراقبہ کرے۔ اور ان سب امور میں اتباع شریعت، اور استقامت راہِ سنّت لازم ہے ورنہ سب باتیں بیکار ہیں۔ قبولیت کا راستہ اتباع سنت پر موقوف ہے، ظاہر میں، باطن میں، عقیدہ میں، عمل میں بدعات اور رسوم سے اعراض کرنا اور سنت کی اتباع کرنا لازم ہے۔

طالب کو چاہئے کہ اپنے ہر کام کو اللہ اور اس کے رسول اور علمائے حقانی کے اقوال پر جانچ لے، اور اس کے مطابق اس پر عمل پیرا ہو، اگر توفیق عمل کی ملے تو اس پر شکر بجالائے ورنہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے۔ عجز اور زاری میں عمر گزارے، اور ہرگز ہرگز تأویل کا راستہ نہ اپنائے، اور برے عمل کر کے اپنے آپ کو بھلا نہ بتائے کہ یہ شیطانی مکر ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ پوری دل لگی سے کثرت کے ساتھ اللہ کے کلام کی تلاوت کرے، اور اسم باری تعالیٰ "یا وَدُوۡدُ" کو بطور وظیفہ کے روزانہ ایک ہزار بار ضرور بالضرور پڑھنا چاہئے۔

اور "یَامُقَلِّبَ الْقُلُوۡب" کو ایک سو بہتر (172) مرتبہ اس کے ساتھ پڑھے۔

اور بارہ سو (۱۲۰۰) مرتبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله" دلجمعی کے ساتھ بآواز نرم وحزیں پڑھے۔

ایک مقررہ وقت میں ہو سکے تو بہت بہتر ورنہ رات دن میں کسی بھی فرصت کے وقت پڑھ لے، اور درود شریف کم از کم پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ روزانہ، اور اسی قدر استغفار ہر روز پڑھ لیا کرے۔ اور ہر وظیفہ کے اوّل وآخر میں درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ ضرور پڑھے۔

اور سوتے وقت آیت الکرسی عظیم تک اور درود شریف، اور الم نشرح سترہ (۱۷) بار، اور "سبحان اللہ، الحمد للہ، ۳۳، ۳۳، مرتبہ اور "اللہ اکبر" ۳۴، مرتبہ پڑھا کرے کہ اس کی برکت سے اچھے خواب نظر آئیں گے۔

(بیاضِ یعقوبی: ص36)

ایک خط میں فرماتے ہیں کہ اگر وظیفہ ایک وقت میں پورا نہ ہو سکے تو اس کو دوسرے وقت میں پورا کر لینا چاہئے۔ اور کلمہ شریف کے ذکر میں تقریباً ہر دس دفعہ کے بعد

ایک بار" مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللهِ " کہے۔

بندۂ مومن کے دل کی وسعت کے بارے میں فرمایا کہ:

* لَا يَسَعُنِىْ اَرْضِىْ وَلَا سَمَآئِىْ، وَلٰكِنْ يَسَعُنِىْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِن۔

نہیں وسعت رکھتا میرے لئے میری زمین اور میرا آسمان ،مگر وسعت رکھتا ہے میری بندۂ مؤمن کا دل۔ ؎

جس کو نہ سما سکا ہو یہ ارض وسماء — اس جائے میں کس طور سے وہ جائے سما

گمنام یہ بھید اور کچھ ہے ورنہ — اک مضغۂ گوشت کی حقیقت ہی کیا

(مولانا محمد یعقوب دیو بندی)

اور اسی بات کو کسی نے فارسی زبان میں کیا خوب کہا ہے ؎

پَرتو حسنت نه گنجد درزمین و آسمان

درحریمِ سینه حیرانم که چوں جا کردهٔ

تیرے حسن کا پرتو نہ سما سکا زمین وآسمان میں

میں حیران ہوں کہ سینۂ کائنات میں کس طرح اُس نے جگہ بنالی

☆☆☆

تلاوتِ قرآن اورادائیگیٔ نماز کی کیفیت

سلوک الی اللہ کے تین طریقے تعلیم ہوئے ہیں:

اوّل کلمہ طیبہ: "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ الرَّسُوۡلُ اللّٰہ "۔

دوم قرآن کریم کی تلاوت ، اورسوم نماز پڑھنا، اور باقی تمام اذکار جن کے فضائل قرآن کریم ، احادیث نبویہ اورآثارِصحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں ان میں شامل ہیں۔

اس واسطے سچے طالب کوکلمہ طیبہ کی فضیلت بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ایک قدم"لَآ اِلٰہَ" سے غیرِ خدا کی نفی پرر کھے، اور دوسرا"اِلَّا اللّٰہ " سے جناب الٰہی میں رکھ کر اللہ سے مل جائے۔

اورقرآن کریم کی فضیلت بھی جان لینی چاہئے کہ اس کے پڑھنے سے بارگاہِ الٰہی کی حضوری اور اُس سے ہم کلامی حاصل ہوتی ہے۔ اور نماز میں توکلمہ بھی ،قرآن بھی تمام عبادتیں ، دعائیں اورتسبیحات بھی موجود ہیں اس کے بے شمار فضائل کا بیان انسان کے بس کی بات نہیں۔اس لئے اختصار کے ساتھ طالبانِ حق کے طریقے پر تلاوت قرآن اورنماز پڑھنے کی کیفیت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تلاوت قرآن کا عام طریقہ

قرآن شریف پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت ہے،اور رب العالمین کی قربت کے لئے سوائے فرائض کی ادائیگی کے اس سے بہترکوئی چیزنہیں اس کی تلاوت کے آداب میں سے یہ ہے کہ:

☆ اس کی تعظیم وتوقیر اورتطہیر کے لئے پہلے مسواک کرے۔

☆ باوضوہو۔ ☆ پاک صاف ستھرالباس پہنے ☆ عمامہ باندھے

☆ پاک جگہ پڑھنے کے لئےمنتخب کرے ☆ قبلہ رُخ ہوکر مؤدبانہ بیٹھے۔

☆ سکون اور وقار کے ساتھ عاجزی سے سر جھکا کر خالصاً لوجہ اللہ حضورِ دل کے ساتھ پڑھے۔

☆ جس طرح اپنے استاد کے سامنے با ادب بیٹھتا ہے ،اُسی طرح تعظیم و حرمت کے ساتھ بیٹھ کر پڑھے ☆ تکیہ لگا کر اور لیٹ کر نہ پڑھے۔

☆ دیکھ کر پڑھے کہ اس میں دو ثواب ہیں ایک پڑھنے کا اور دوسرا آنکھوں سے دیکھنے کا۔ ☆ خوش الحانی کے ساتھ بطرز عرب بغیر بناوٹ کے پڑھے۔

☆ ریا کاری کا ڈر نہ ہوتو متوسط جہر کے ساتھ پڑھے۔

☆ خوش خبری کی آیتوں پر خوش ہو،اور خوف کی آیتوں پر ڈرے،اور روئے ، اور اگر رونا نہ آتا ہوتو رونے والوں کی شکل بنائے۔

☆ اگر قرآن کی جلد ہلکی ہوتو ناف سے اوپر ہاتھ میں لے کر پڑھے، اور اگر بھاری ہوتو کسی اونچی چیز تکیہ یا رحل وغیرہ پر رکھ کر پڑھے۔

☆ تلاوت شروع کرنے سے پہلے ”اعوذ باللہ، اور بسم اللہ“ پڑھ لے۔

☆ سلسلہ قرأت کا ٹوٹ جائے تو پھر شروع کرتے وقت اعوذ باللہ پڑھ لیا کرے

☆ ہر سورت کے شروع میں سوائے سورۃ توبہ کے بسم اللہ پڑھ لیا کرے۔

☆ جب کسی سورت کی تلاوت شروع کرے تو بغیر اس کو مکمل کئے ہوئے کسی دوسرے کام میں حتی الامکان مشغول نہ ہو سوائے سخت مجبوری کے۔

☆ جب کسی ضرورت کے لئے اٹھنا پڑھے تو قرآن کو بند کر کے اٹھے ،اُسے کھلا ہوا نہ چھوڑے کہ اس میں قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

☆ قرآن کو دائیں ہاتھ سے پکڑے بائیں ہاتھ سے نہیں۔

☆ بغیر طہارت کے قرآن کو نہ چھوئے ، اگر وضو نہ کر سکے تو تیمم ہی کر لے۔

☆ ترتیل اور تجوید کے ساتھ حتی الوسع حروف کو مخارج سے ادا کر کے صاف صاف تدبر اور غور وفکر کے ساتھ سمجھ کر پڑھے کہ اس سے سینہ کھلتا ہے، اور دل روشن ہوتا ہے۔

☆ ایسی جلدی اور تیزی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے کہ مخارج کا پتہ نہ لگے، اور سننے والے کو سمجھ نہ آئے کہ کیا پڑھتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسی تیزی کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں فرمایا ہے

" شَرُّ الْقِرَاءَةِ الْهَذْ رَمَةُ "

یعنی بڑا بُرا پڑھنا وہ ہے جو بڑی تیزی کے ساتھ پڑھا جائے۔

کیونکہ پڑھنے والے نے حق قرأت کو چوری کیا ہے جو سب چوریوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اسی کے بارے میں حدیث مبارکہ کے اندر وعید بیان فرمائی گئی ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے۔ یعنی وہ لوگ نہایت ہی بیبا کی کے ساتھ قرآن کو خراب کر کے پڑھتے ہیں، اور حروف کو ایسے لپیٹ کر پڑھتے ہیں کہ ایک حرف دوسرے حرف میں گھس جاتا ہے، اور ایک کلمہ دوسرے کلمہ میں چھپ جاتا ہے۔

☆ ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھے کہ ہر حرف علیٰحدہ علیٰحدہ اپنے مخرج سے نکلے، اور یہ تصور کرے کہ خدا کی باتیں کر رہا ہوں، اور اُسے دیکھ رہا ہوں، اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو یہ جانے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ تلاوت قرآن کے عام آداب ہیں، اور تلاوت قرآن کا عام طریقہ ہے۔

تلاوتِ قرآن کا خاص طریقہ

اور تلاوتِ قرآن کا خاص طریقہ یہ ہے کہ ان تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے خلوت اور تنہائی میں دو رکعتیں نفل کی ادا کرے۔ اور قرآن کریم سامنے رکھ کر اللہ کے کلام کی

بڑائی اور اپنی ذلّت کا تصور کرے، اور اپنے دل کو تمام خیالات سے صاف کر کے قرآن کریم کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو، اور اس مراقبہ میں تھوڑی دیر ٹھرے تا کہ اطمینان حاصل ہو اور حضورحق (جیسے شاگرد کو استاد کے سامنے ہوتا ہے) حقیقی طریقے سے حاصل ہو جائے۔

☆ پھر تعوّذ اور تسمیہ کے بعد ترتیل اور تجوید کے ساتھ اس تصور کے ساتھ تلاوت کرے کہ منہ کی زبان اور دل صنوبری کی زبان برابر پڑھ رہی ہے۔ اور اس خیال سے غافل نہ ہو۔ اور اگر غفلت ہو جائے تو فوراً "اعوذ باللہ" پڑھ کر قلب کو حاضر کرے۔

☆ جب اس مشق سے اطمینانِ خاطر اور حضوریِ حق حاصل ہو جائے تو خیال کرے کہ ہر ہر رونگٹا جسم کا قرآن کریم پڑھ رہا ہے، اور جسم کے ہر حصّہ سے الفاظ نکل رہے ہیں، اور تمام جسم موسوی درخت کا حکم رکھتا ہے۔ عین پڑھنے کی حالت میں اس میں مستغرق ہو۔

☆ جب اس میں ملکہ پیدا ہو جائے تو خیال کرے کہ خدا میری زبان سے پڑھ رہا ہے، اور سن رہا ہے، اور خیال کرے کہ سالک پڑھتا ہے، اور خدا سالک کے کانوں سے سنتا ہے۔

☆ اور جب اس میں ملکہ پیدا ہو جائے تو اپنے پڑھنے میں خیال کرے کہ خدا خود پڑھتا ہے، اور خود ہی سنتا ہے۔ نہ تو سالک کا وجود ہے، اور نہ ہی دنیا کی دوسری موجودات کا، بلکہ ایک آواز ہے جو ہر طرف سے آتی ہے۔ اور سالک اس میں محو ہے۔

اور جب اس مرتبہ میں بھی کمال ہو جائے گا تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ حقیقی معنیٰ اور قرآن شریف کے بھید اس پر ظاہر ہو جائیں، اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

سالک کو چاہئے کہ ہر عمل میں اور بالخصوص نماز میں نماز کی روح اور مغز کی حفاظت کرے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نماز کی ایک خیالی صورت کا تصوّر کرے کہ اس کا ایک جسم ہے، دل ہے، روح ہے، اعضائے رئیسہ ہیں۔ نماز کا جسم، قیام، رکوع و سجود وغیرہ ہیں اس کا دل خالص نیّت ہے، اس کی روح، حضور قلب ہے، اور اس کے اعضائے رئیسہ ارکان و حواس، ٹھیر ٹھیر کر پڑھنا اور قرأت کی درستگی ہے۔ جب تک ان میں سے ایک بھی نہ ہوگا اہل اللہ کے نزدیک نماز نہ ہوگی۔

نماز کے لئے پوری پاکی کی بھی شرط ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اور اس پاکی سے مراد ظاہر کے ساتھ ساتھ باطنی پاکی ہے کہ دل کو غیرِ خدا سے پاک کرے اس لئے کہ اس کی نظر عنایت اور قبولیت دل پر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ اَعْمَالِكُمْ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مال کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

تو جب دل ناپاک ہے تو جسم کس طرح پاک ہوسکتا ہے، کیونکہ جسم دل کے تابع ہے، اس لئے دل کا غیر خدا سے پاک ہونا ضروری ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو بزرگی اور تعظیم کے قابل نہ سمجھے تاکہ "اللہ اکبر" کہنا درست ہو۔ نماز پڑھتے وقت قلب کے منہ کو حقیقت کعبہ کی طرف (جو موجودیت خدا کی صفت ہے) کرے۔ اور

إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .الخ
کہتے وقت قلب کا منہ ہمت سے اللہ کی طرف کرے۔

اور جب تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھائے تو خیال کرے کہ میں دونوں جہانوں سے دست بردار ہو کر ربّ العالمین کی طرف پھر گیا ہوں۔ اور "اللہ اکبر" کہتے وقت یہ خیال کرے کہ میں نے اپنے نفس کو تکبیر سے ذبح کر کے فنا کر دیا ہے۔

اور "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" اور "اَلْحَمْدُ" پڑھتے وقت خیال کرے کہ کائنات میں کوئی تعریف کے قابل نہیں ہے، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بندہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" کہتا ہے تو رب العالمین فرماتے ہیں "حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ" میرے بندے نے میری تعریف کی۔

اور جب " اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " کہتا ہے تو ربّ العالمین فرماتے ہیں: "مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ" میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی۔ تو "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہتے وقت اُس کی عنایت اور رحم کی امید کو اپنے دل میں راسخ کرے۔

اور "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کہتے وقت قیامت کے دن کے خوف کا خیال کرے، اور "اَلْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ" قیامت کے دن صرف اللہ کا حکم ہوگا) کا یقین کرے۔

"اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کہے تو "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا الله" کا یقین کرے۔

اور "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہے تو "لَا فَاعِلَ اِلَّا الله" کا تصور کرے۔

اور "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کہے تو اُس راستے کا تصور کرے جو اللہ تک پہنچا دے۔ اور "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" میں انبیاء و اولیاء کا راستہ طلب کرے۔

اور "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" سے اللہ کے غضب، غصہ اور اپنی گمراہی سے پناہ مانگے۔

اور جب قرأت شروع کرے تو اس میں خدا کی قبولیت کا تصوّر کرے۔

اور قیام کی حالت میں شریعت اور طریقت پر استقامت کی آرزو کرے۔

اور رکوع میں اپنے پاؤں کی پیٹھ پر نظر رکھے، اور رب کی کبریائی اور بڑائی اور اپنی حقارت کا تصور کرے۔

اور سجدے کی حالت میں ناک کے نتھنے پر نظر رکھے، اور رب العالمین کی بلندی، اثبات اور بقا اور اپنی حقارت، خاکساری اور فنا کا تصور کرے۔

اور تشہد کی حالت میں اپنے سینہ پر نظر رکھے، التحیات کے معنیٰ اور اپنی محویت کا خیال کرے۔ اور یہ تصور کرے کہ میں اللہ عزوجل تعالیٰ کے سامنے انبیاء علیہم السلام کی مجلس میں داخل ہو گیا ہوں۔ ہر نماز میں:

"اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ"

اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو

کا تصور کرے۔ اور اگر کوئی خیال دل میں آئے تو اس کو

" لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ"

(نہیں ہے نماز مگر حضورِ دل کے ساتھ) کے تصور سے دور کرے۔ اور جہری نمازوں کے علاوہ دیگر نمازوں میں اتنی آواز سے پڑھے کہ خود سن سکے۔ اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ نماز میں جو کچھ پڑھیں اس کو اپنے اوپر صادق کریں، اور حضور و خلوص میں کوشش کریں۔ اگر نماز میں حضورِ قلب نہ ہو اور کچھ کمی ہو تو اسے پھر لوٹائیں۔ جب چند بار اس طرح نماز پڑھنے کی مشق کریں گے تو انشاءاللہ نماز کی حقیقت اور حضور و خلوص کی دولت حاصل ہو جائے گی، اور معرفتیں ظاہر ہوں گی۔

اوقات نماز کے مصالح

آفتاب جس وقت آسمان کے وتد میں ہوتا ہے، اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ زوال کے وقت جو نماز مقرر کی گئی ہے اس کی وجہ یہی ہے۔ اور اسی کے بعد مسلسل نمازوں کے اوقات یکے بعد دیگرے آنے لگتے ہیں۔

پھر آفتاب جب مغربی افق میں پہنچ جاتا ہے، تو اس وقت وہ ساری چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہو جاتی ہیں، مغرب کی نماز اس وقت اِسی مصلحت سے مقرر کی گئی ہے۔

اور آفتاب جب زمین کے وتد پر پہنچ جاتا ہے، تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نچلے آسمان پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں، تہجد کی نماز کا یہی وقت مقرر کیا گیا ہے، اس کی مصلحت یہی ہے۔ اسی طرح جب آفتاب مشرقی افق سے قریب ہو جاتا ہے، تب فرشتے نازل ہوتے ہیں، اور بندوں کی طاعات کا حق تعالیٰ کی طرف عروج بھی اسی وقت میں ہوتا ہے:

قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ⁕ (بنی اسرائیل:78)

صبح کی پڑھائی (فجر کی تلاوت) کے وقت فرشتے حاضر کئے جاتے ہیں۔

اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(عبقات:ص233)

☆ نماز پنجگانہ کو بہ جمعیت (یعنی خشوع وخضوع کے ساتھ) جماعت وتعدیلِ ارکان ادا کیجئے۔ نماز تہجد ترک نہ کیجئے، اور صبح کے استغفار کو رائیگان نہ کیجئے۔

☆☆☆

مختلف اذکار واعمال

کلمۂ طیبہ

★ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ ★

طریقت ، حقیقت اور شریعت کا جامع ہے ۔ جب تک سالک مقام نفی میں ہے طریقت میں ہے ۔ اور جب وہ اس سے فارغ ہو جاتا ہے ،یعنی تمام ماسوٰی اللہ کی نفی اُسے حاصل ہو جاتی ہے تو معاملۂ طریقت ختم ہو جاتا ہے اور وہ مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے ۔

اور نفی کے بعد جب وہ مقام اثبات میں آتا ہے ، اور سلوک سے جذبہ کی طرف راغب ہوتا ہے تو یہ مرتبۂ حقیقت کے ساتھ متحقق اور بقا کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے ۔

یہی نفی و اثبات ، طریقت و حقیقت ، فنا و بقاء ،سلوک و جذبہ مصداق ولایت ہیں ۔ اور یہیں پر نفس امّارہ پن چھوڑ کر مطمئن ہو جاتا ہے ، اور پاک وصاف ہو جاتا ہے ۔ گویا اس کلمہ طیبہ کے جزوِاوّل کے ساتھ جو نفی و اثبات ہے ،اس سے کمالات ولایت وابستہ ہیں ۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کا دوسرا جز مجھے دریائے نا پیدا کنار دکھائی دیا یعنی ایسا دریا جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے ، اور اس کے مقابلے میں پہلا جزء قطرہ کی طرح نظر آیا۔

ذکر جس طرح کا بھی ہو یعنی نفی و اثبات یا تکرار اسمِ ذات کا ، مراد اُس سے غفلت کا دور کرنا ، اور اوامر کا بجالانا اور نواہی سے باز رہنا ہے۔

کلمہ طیبہ "سبحان اللہ وبحمدہٖ"

کلمہ طیبہ " سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ " بہت اچھی طرح اُن شرور و نقائص اور اُن امور

سے جو حق عزوجل تعالیٰ کے لائق نہیں ہیں ،حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال تنزیہ وتقدیس ظاہر کرتا ہے ۔اور حق تعالیٰ کی صفات وافعال جمیلہ اور اُس کے انعامات واحسانات جزیلہ پر حمد کے پیرایہ میں جو ہر شکر کی اصل ہے،ادائے شکر کرتا ہے۔

اسی سبب سے حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ جو کوئی اس کلمہ طیبہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" کو دن میں یا رات میں سو(100)بار کہے تو رات اور دن کا کوئی عمل اس کے برابر نہیں ہوتا۔

(مکتوبات دفتر اوّل مجدد الف ثانی:ص243)

ترقیٔ رزق کے لئے اعمال

پہلا عمل

اوّل گیارہ مرتبہ درود شریف ، پھر سات بار استغفار، پھر "اعوذ باللہ" اور بسم اللہ پڑھ کر سورۃ یٰسین کو شروع کریں اور اوّل "مبین" کو پڑھنے کے بعد اس کو سات بار مزید پڑھیں۔پھر بسم اللہ پڑھ کر دوبارہ سورۃ کو شروع کریں ، اور دوسرے "مبین" تک پڑھیں، اور سات مرتبہ اس کو بھی دھرائیں۔

پھر اسی طرح تیسرے ، چوتھے، ہر "مبین" پر پہنچنے کے بعد سات مرتبہ اس کو دھرائیں اور بسم اللہ کے ساتھ شروع سورت سے پڑھتے رہیں یہاں تک کہ ساتوں "مبین" اسی طرح پڑھیں۔اور پھر آٹھویں مرتبہ سورت کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھ لیں۔

سورت ختم کرنے کے بعد سات مرتبہ "سبحان اللہ" سات بار "استغفر اللہ" اور گیارہ بار درود شریف پڑھ کر فراخی رزق کے لئے دعاء کریں۔

چالیس دنوں تک مسلسل بغیر ناغہ کے یہ عمل کریں۔

دوسرا عمل

بعد نماز مغرب یا عشاء سورۃ واقعہ پڑھیں۔

تیسرا عمل

اسی طرح ترقی رزق کے لئے بعد نماز عشاء تنہا بیٹھ کر "یَا وَهَّابُ" چودہ سو چودہ (1414) بار پڑھیں اور بعد اس کے یہ دعاء سو(100) بار پڑھیں:

يَا وَهَّابُ هَبْ لِيْ مِنْ نِعْمَةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ.

چوتھا عمل

بعد نماز فجر 21 مرتبہ سورۃ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ" پڑھیں اور اوّل وآخر درود شریف 21 مرتبہ پڑھیں۔

اور بعد نماز ظہر 22 مرتبہ سورۃ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ" اور 22 مرتبہ درود شریف اوّل وآخر، بعد نماز عصر 23 مرتبہ، بعد نماز مغرب 24 مرتبہ اور بعد نماز عشاء 25 مرتبہ یہی سورت پڑھیں اور اوّل وآخر درود شریف اسی تعداد کے برابر پڑھیں۔

پانچواں عمل

بعد نماز فجر گیارہ سو(1100) مرتبہ "یَا مُغْنِیُ" اور گیارہ (11) مرتبہ سورۃ المزّمل پڑھیں، انشاء اللہ رزق واسع ملے گا۔

(بیاض یعقوبی: ص ۵۰)

چھٹا عمل

" اَلْكَرِيْمُ ، اَلْوَهَّابُ ، ذُوالطَّوْل "روزانہ جتنا پڑھ سکیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ کشادگی فرمادیں گے۔

خوابوں کو دیکھنے کے لئے

سورۃ "الم نشرح" سترہ (۱۷) مرتبہ سوتے وقت پڑھ کر سینہ پر دم کر لینا اور ذکر کے دھیان کے ساتھ سونا بہت نافع ہے۔

حاجات کے لئے

مشائخ رحمہم اللہ کے معمول میں سے ہے کہ بارہ (۱۲) رکعت پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد تین بار (۳) سورۂ اخلاص کی تلاوت کریں۔ اور رکعات کی تعداد چار سے کم اور بارہ سے زیادہ نہ ہو۔

ہر مشکل و تکلیف کے لئے

(۱) قرآن کریم کا قلب سورۃ یٰسین ہے، اور سورۃ یٰسین کا قلب آیت کریمہ:

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ ۞

ہے اس کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ پاک کپڑے پہن کر اوّل و آخر درود شریف گیارہ گیارہ بار پڑھیں، اس کے بعد قلب سورۃ یٰسین یعنی

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ ۞

سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) مرتبہ پڑھیں اور ہر ہزار پر دو رکعت نماز نفل تین دنوں تک برائے ہر مطلب پڑھیں۔ انشاء اللہ ہر مراد پوری ہوگی۔

(احوال العارفین ص:۴۵۴)

دفع اعداء کے واسطے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔

ہرنماز کے بعد تین بار پڑھ لیا کریں۔ اورسورۃ قریش ستر(70) بار ہر رات کو پڑھیں۔ اورآیت کریمہ:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ *

کاختم چندآدمی مل کرسوالاکھ(125000)بار پڑھیں تو بہت نافع ہے۔

ہر دینی اور دنیوی حاجت کے لئے

ہر حاجت کے لئے چاہے وہ دینی حاجت ہو، یا دنیوی ، برکت کے لئے ہو، یا اعانت اورحفاظت کے لئے سورۃ فاتحہ بسم اللہ کے ساتھ ملاکر پڑھیں ، اوراس کے ساتھ ساتھ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ " اور " يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِيْث"، اور " يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْن"

ہمیشہ پڑھتے رہیں۔

برائے ہر حاجت و ہر مراد و ہر مشکل تعویذ اسمِ ذات یہ ہے

۷۸۶

۲۵	۱۸	۲۳
۲۰	۲۲	۲۴
۲۱	۲۶	۱۹

نگاہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی امان شاید ملے اللہ ھُو میں

(بال جبرائیل: ص83)

مناصب
و اقسامِ
اولیاء اللّٰہ

مناصب واقسامِ اولیاء اللہ

ربّ العالمین نے اپنے کلام پاک میں اپنے مقبول بندوں کا متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے ۔کہیں تو اولیاء اللہ کے الفاظ سے ، اور کہیں صادقون، مقرّ بون، سابقون، اور ابرار کے الفاظ سے کہ لوگوں میں سے اللہ کے دوست بھی ہیں اور شیطان کے دوست بھی ، اور اولیاء الرحمٰن اور اولیاء شیطان کے مابین جو فرق ہے وہ بھی ظاہر کر دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ "ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ خود ہے۔" یہ آیت ان کی اپنے رب سے دوستی پر مشتمل ہے، بایں طور کہ وہ اپنے رب سے محبت رکھتے ہیں، پس اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس کے پیاروں سے محبت کرتے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں، اللہ نے بھی ان پر لطف و کرم اور احسان فرماتے ہوئے انہیں کفر، معاصی اور جہل کے اندھیروں سے نکالا اور ایمان، نیکی اور علم کی روشنی میں پہنچا دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ قبر، حشر اور قیامت کے اندھیروں سے محفوظ رہ کر دائمی نعمت، راحت اور سرور والی

جنت میں پہنچ گئے۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ﴾

"اور کافروں کے اولیاء شیطان ہیں۔"

پس انہوں نے شیطان سے اور اس کی پارٹی سے دوستی کی۔ اپنے مالک اور آقا کی دوستی چھوڑ دی۔ اس کی سزا کے طور پر اللہ نے ان پر شیطانوں کو مسلط کر دیا، جو انہیں گناہوں کی طرف ہانکتے اور برائی پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس طرح انہیں ایمان، علم اور نیکی کے نور سے ہٹا کر کفر، معاصی اور جہالت کے اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ ان کے نتیجے میں وہ نیکیوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور نعمت اور خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ حسرت کے جہان (جہنم) میں بھی شیطان کی جماعت اور اس کے دوست ہی شمار ہوں گے۔ اس لئے اللہ نے فرمایا:

﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

"یہ لوگ جہنمی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے۔"

اللہ تعالیٰ سورۃ یونس میں فرماتے ہیں:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (64)

خبردار! اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن پر نہ خوف ہوتا ہے اور نہ حزن وملال۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں فرق نہیں آتا، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اولیاء ولی کی جمع ہے جس کے معنیٰ عربی زبان میں قریب، دوست اور محبّ کے

آتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کا ایک تو عام درجہ ہے جس سے کوئی بھی انسان، کوئی بھی جاندار یہاں تک کہ کوئی بھی مخلوق مستثنیٰ نہیں ہے ۔لیکن اولیاء اللہ میں یہ عام درجہ مراد نہیں بلکہ محبت اور قرب کا وہ درجہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے جن لوگوں کو یہ قربِ خاص حاصل ہو وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔

جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

يَقُوْلُ اللهُ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْمُحَارَبَةِ ، (اَوْ قَالَ: فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ،) وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِمِثْلِ اَوَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ ، وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ ، فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلُهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا ، فَبِيْ يَسْمَعُ ، وَبِيْ يُبْصِرُ ،وَبِيْ يَبْطِشُ، وَبِيْ يَمْشِيْ ، وَلَئِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِيْ لَاُعِيْذَنَّهٗ،وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْئٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِيْ عَنْ قَبْضِ نَفْسِ عَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَكْرَهُ مَسَارَتَهٗ وَلَابُدَّلَهٗ مِنْهُ۔ (رواہ البخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! جس نے میرے دوست سے دشمنی کی اس نے مجھ سے جنگ ٹھان لی (یا فرمایا کہ میں نے اُس سے جنگ کا اعلان کر دیا)۔اور جو کچھ میں اپنے بندے پر فرض کر دوں اور وہ اسے ادا کر کے میرا قرب حاصل کر لے۔

اور پھر میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں

بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں ، اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اُس کا کان بن جاتا ہوں ، وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے ، میں ہی اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں ، وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے ، میں ہی اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے ، اور اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ، چنانچہ وہ مجھ ہی سے سنتا ، مجھ ہی سے دیکھتا ، مجھ ہی سے پکڑتا ، اور مجھ ہی سے چلتا ہے ۔ (یعنی وہ جو کچھ کرتا ہے مجھ ہی سے کرتا ہے ، مطلب یہ کہ اس کی کوئی حرکت وسکون وکام میری رضا اور میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا ۔)

اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور دیتا ہوں ، اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اُسے پناہ دیتا ہوں ، میں نے کبھی کسی ایسے فعل سے جسے کہ مجھ کو کرنا ہو اس درجہ تردد نہیں کیا جتنا کہ اپنے اس بندے کی روح قبض کرنے سے تردّد کرتا ہوں جسے موت ناپسند ہو ، اور مجھے اس کو تکلیف دینا ناپسند ہو ، حالانکہ موت سے اسے چھٹکارا بھی نہیں ۔

(معارف القرآن، ج۴، ص۵۴۸)

یہ حدیث اُن سب حدیثوں میں سب سے زیادہ صحیح ہے جو اولیاء کے بارے میں آئی ہیں ، جس میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ جس نے میرے دوست سے دشمنی کی اُس نے مجھ سے اعلان جنگ کردیا ۔

اہل اللہ کو اذیت پہنچانا

اور ایک حدیث میں ہے کہ :

وَاِنِّیْ لَاَثَارُ لِاَوْلِیَآئِیْ کَمَا یَثَارُ اللَّیْثُ الْحَرِبُ۔

میں اپنے دوستوں کا بدلہ اس طرح لیتا ہوں جس طرح ایک غضبناک شیر بدلہ لیتا ہے ۔

یعنی جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے، اس سے میں ان کا بدلہ اس طرح لیتا ہوں جس طرح غضبناک شیر اپنا بدلہ لیتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء وہ ہوتے ہیں جو اُس پر ایمان لاتے ہیں، اُس سے دوستی کرتے ہیں، اُسی بات کو پسند کرتے ہیں جسے وہ پسند کرے، اور اس بات کو ناپسند کرتے ہیں جو اُسے ناپسند ہو، جس چیز سے وہ راضی ہو اس سے وہ بھی راضی ہوتے ہیں اور جس پر وہ ناراض ہو اس پر وہ بھی ناراض ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ترمذی کی روایت ہے کہ:

اَوْثَقُ الْعُرٰی فِی الْاِیْمَانِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ ، وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ ۔

ایمان کی سب سے زیادہ مضبوط رسی اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا، اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ناراض ہونا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ اٰذٰی وَلِیًّا فَقَدْ اسْتَحَلَّ مَحَارِبَتِیْ

جس نے میرے ولی کو ایذا دی اس سے میرا لڑنا حلال ہو گیا۔ یعنی اس نے مجھے جنگ کا موقعہ دے دیا، اور بعض روایات میں "بَارَزَنِیْ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی اس نے مجھے جنگ کا چیلنج کر دیا۔

کتنا خطرناک معاملہ ہے ربّ العالمین سے جس کی لڑائی ہو اس کو کہاں ٹھکانہ مل سکتا ہے۔ ائمہ کرام نے فرمایا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں جس کے کرنے والے کو اللہ عزّوجلّ تعالیٰ نے اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہو بجز دو گناہوں کے ایک سود خوری اور دوسرے اللہ کے اولیاء کے ساتھ دشمنی رکھنے والا، ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر فرمایا ہے، معلوم ہوا یہ دونوں بہت بڑے گناہ ہیں اور ان گناہوں کے مرتکب کا سوء خاتمہ کا سخت

اندیشہ ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَعِبَادٌ يَّغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ۔

بلاشبہ بندگانِ خدا میں سے کچھ بندے ایسے ہیں جن پر انبیاء وشہداء غبطہ (رشک) کرتے ہیں۔صحابہ نے عرض کیا

" يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ"

یارسول اللہ! ﷺ ہمیں ان کی پہچان بتایئے تاکہ ہم ان سے محبت قائم رکھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:

قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ اَمْوَالٍ وَ اِكْتِسَابٍ ، وُجُوْ هُهُمْ نُوْرٌ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ ، لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ ، وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ، ثُمَّ تَلَا :

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ★ (یونس:٦٢)

یہ وہ لوگ ہیں جو مال ومحنت کے بغیر صرف ذات الٰہی سے محبت رکھتے ہیں،ان کے چہرے نور کے مناروں پر روشن وتاباں ہیں۔لوگوں کے خوف کے وقت یہ بے خوف اوران کے غموں کے وقت یہ بے غم ہیں۔پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ بے شک اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن پر نہ خوف ہے اور نہ حزن وملال۔

حضرات اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف وغم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف وغم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں مثلاً دنیاوی مقاصد،عزت و

دولت، آرام اور راحت میں کمی کا ڈر۔

اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ان کی نظر میں ان فانی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔اور نہ ہی یہاں کی محنت وکلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہوتا ہے جس کی مدافعت میں پریشان ہوں، بلکہ اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ؎

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے

بہ پیش ہمت ما ہر چہ آمد بود مہمانے

نہ تو خوشی نے کوئی سامان دیا اور نہ غم نے کوئی نقصان پہنچایا۔

میری ہمت کے سامنے جو بھی آیا مہمان بن کر آیا

اللہ جل شانہٗ کی عظمت ومحبت اور خوف وخشیت ان حضرات پر ایسی چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ اُس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج و راحت، سود و زیاں، پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، بقولِ بعض: ؎

یہ ننگِ عاشقی ہیں سُود وحاصل دیکھنے والے

یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

(معارف القرآن: ج۴، ص۵۴۸)

درجہ ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ

جب تک نفس کے رذائل جیسے حسد، کینہ، غرور، ریا، اور غیبت وغیرہ پوری طرح زائل نہ ہوجائیں تقویٰ کا کمال حاصل نہیں ہوتا، اور ولایت بغیر تقویٰ کے نہیں ملتی۔اسی طرح جب تک حق تعالیٰ شانہٗ کی محبوبیت ہر غیر پر غالب نہ آجائے، اور غیر کی محبت کے لئے ادنیٰ گنجائش بھی باقی نہ رہ جائے، ایمان اور تقویٰ کا کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔

اور یہ بات فنائے قلب سے متعلق ہے جسے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلاحِ قلب سے تعبیر فرمایا ہے۔ صحیحین (بخاری ومسلم) کی روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے والد، اس کی اولاد، اور تمام انسانوں سے (زیادہ اس کے نزدیک) محبوب تر نہ ہوجاؤں۔

اور ایک روایت میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

تین شخص ایمان کی حلاوت ولذّت پاتے ہیں، ایک تو وہ جس کے نزدیک خدا اور رسول تمام دوسری تمام چیزوں سے محبوب تر ہوں، اور دوسرا وہ جو کسی سے محبت رکھے تو محض اللہ کی خاطر محبت رکھے، اور تیسرا وہ جس کے لئے ایمان سے نکل کر کفر میں جانا دوزخ میں جانے سے زیادہ ناگوار ہو۔ دوزخ سے بھی زیادہ برا جانتا ہو۔

یعنی یہ شخص اللہ کی عبادت نہ دوزخ کے ڈر سے کرتا ہے، اور نہ ہی جنت کی لالچ میں بلکہ محض اللہ کی محبت کی بنا پر کرتا ہے۔

(ارشادالطالبین:ص ۲۸)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ امّت کے افراد کو یہ درجۂ ولایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضِ صحبت سے حاصل ہوسکتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ امت کے اولیاء کو ملتا ہے۔ پھر یہ فیضِ صحبت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے اُن کا درجۂ ولایت تمام امت کے اولیاء واقطاب سے بالا تر تھا۔ اسی لئے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَكْرِمُوْا اَصْحَابِیْ" میرے صحابہ کی عزت کرو۔

اور حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ.

تم میں سے زیادہ معزّز وہ شخص ہے جو زیادہ متقی ہے۔

اور اس بات پر امت کا اجماع قائم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ مخلوق میں سب سے زیادہ معزز اور سب سے زیادہ متقی ہیں۔اور یہ فضیلت ان کو اس لئے ملی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کے شرف صحبت کی وجہ سے وہ مقام ولایت میں سب پر سبقت لے جا چکے ہیں۔

بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے۔جتنے وسائط بڑھتے جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق پڑتا جاتا ہے۔

یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، آپ کی سنّت کی پیرو ہوں، ایسے لوگوں کی کثرت مجالست اور صحبت جبکہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو۔

یہی نسخہ ہے درجۂ ولایت حاصل کرنے کا، جو تین چیزوں سے مرکب ہے، کسی ولی اللہ کی صحبت، اس کی اطاعت، اور ذکر اللہ کی کثرت، بشرطیکہ یہ کثرتِ ذکر مسنون طریقہ پر ہو، کیونکہ کثرت ذکر سے آئینۂ قلب کو جِلا ہوتی ہےتو وہ نورِ ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے۔حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئےصیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہے، قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے۔اسی کو بیہقی نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پیارے پیغمبر ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجے تک نہیں پہنچتا؟

پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت وصحبت

انسان کے لئے حصولِ ولایت کا ذریعہ ہے۔

(مظھری:معارف القرآن:ص ۵۵۰)

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۞ (حمٓ السجدۃ:۳۱)

ہم تمہاری دنیاوی اور اخروی زندگی میں مددگار ہیں۔

اور ارشاد ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۞

ایمان داروں کا مددگار اللہ ہی ہے۔

کتاب وسنت کے ان دلائل سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی دوستی وولایت سے مخصوص کر کے اپنے ملک کا والی بنایا ہے، اور ان کے احوال کو برگزیدہ کر کے اپنے فعل و اظہار کا مرکز بنایا ہے، اور متعدد کرامتوں سے سرفراز کر کے ان کو طبع کی آفتوں اور نفس وہوا کی پیروی سے پاک ومنزہ فرمایا ہے تاکہ ان کے تمام ارادے خدا کے لئے ہی ہوں اور ان کی محبت اسی سے ہو۔

اولیاء اللہ اور خاصان خدا کا موجود ہونا

زمانہ ماضی میں ہم سے پہلے بھی اولیاء اللہ گزرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام گزشتہ امتوں پر شرافت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اور ضمانت دی ہے کہ میں شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کی ہمیشہ حفاظت فرماؤں گا۔ اس پر دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ علماء کے درمیان آج بھی موجود ہیں اور غیبی دلائل بھی کہ اولیاء اللہ اور خاصان خدا کا موجود ہونا ضروری ہے۔

(کشف المحجوب 343)

ولایت کسبی چیز ہے

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان میں ولی بننے کی صلاحیت موجود ہے۔اس لئے کہ ولایت کسبی چیز ہے ،اور نبوت وہبی۔نبوت کسب اور محنت سے نہیں ملتی بلکہ اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں ، اور نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ آقائے نامدار سرورِ کائنات جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا ہے۔لیکن ولایت کسبی چیز ہے جسے محنت کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اور وہ محنت کیا ہے؟ کہ انسان ربّ العالمین کی نا فرمانی کو ترک کر دے، خلافِ شریعت کاموں سے بچے ،گناہوں سے باز آ جائے ،خوشی و غمی ہر حال میں اللہ کے سامنے جھک جائے ، اور تہیّہ کر لے کہ آج کے بعد میں نے جان بوجھ کر کوئی گناہ نہیں کرنا ، یہ شخص ولی ہے۔چاہے اُس کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو۔ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

جو متقی ہوتے ہیں وہی اللہ کے ولی ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہوں ،جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہوگا ،اُسی درجہ کی ولایت ہوگی

نبی اور ولی میں فرق

کوئی ولی کبھی کسی نبی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ نبی میں سب کمالات ولایت ثابت ہوتے ہیں،جس قدر مراتب قرب ہیں،ان سب میں سب سے اعلیٰ درجہ نبوّت کا ہوتا ہے،جس کو نہ صدیق پہنچتا ہے، نہ شہید اور نہ ہی صالح ۔اُن کے نفوس سب سے زیادہ کامل ہوتے ہیں ۔اور نبی کو منجانب اللہ نبوّت دوسروں کی تکمیل کے لئے دی جاتی ہے نہ تو

اُسے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے، اور نہ اس کو نبوت سے معزول کیا جاتا ہے۔ جبکہ ولی پہلے درجے میں ہوتا ہے، اس کے لئے سب احتمالات باقی رہتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان

تفسیر مظہری نے ایک حدیث قدسی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں، اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں۔ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ:

قَالَ قَالَ رَجُلٌ ، يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَنْ اَوْلِيَآءَ الله ؟ قال: " اَلَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَاللهُ"

ایک شخص نے پیارے پیغمبر ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ اولیاء کون ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ جنہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔

اور ابن ماجہ نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتلائی:

" اَلَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَاللهُ"

یعنی جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

گویا اولیاء اللہ کے اعمال اس درجہ شریعت کے حکموں کے مطابق ہوتے ہیں، اور ان کا ظاہر و باطن تعلق مع اللہ میں اس قدر سچا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فوراً پہچان لیتا ہے کہ یہ شخص اللہ والا ہے۔

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں کہ زیادہ بیدار رہنے کی وجہ سے ان کے چہرے پیلے پڑ چکے ہوں، اور زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی

آنکھیں چندھیا گئی ہوں، اور زیادہ بھوک رہنے کی وجہ سے ان کے پیٹ دبلے رہتے ہوں اور ہونٹ خشکی سے مرجھائے ہوئے ہوں۔

☆ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اولیاء کی کیا علامات ہیں؟ تو انہوں فرمایا کہ تین چیزیں: (1) ان کے افکار اللہ کے لئے ہوتے ہیں (2) ان کی محنت اللہ کی اطاعت میں ہوتی ہے، (3) اور ان کی طلب اور دوڑ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت اس کے ولی ہونے کی ہے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ اگر تم بھی اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جن کے ساتھ بیٹھ کر اللہ کے ذکر کی توفیق ہو، دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو، اور دنیاوی فکروں میں کمی محسوس ہو۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ عوام نے جو اولیاء اللہ کی علامت کشف و کرامت، یا غیب کی چیزیں معلوم ہونے کو سمجھ رکھا ہے، یہ غلط اور دھوکہ ہے، ہزاروں اولیاء اللہ ایسے ہیں جن سے ایسی کوئی چیز ثابت نہیں، اور اس کے بر خلاف ایسے لوگوں سے بھی کشف اور غیب کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں۔

(معاف القرآن: ص ۱ ۵ ۵)

ولی کبھی مشہور ہو جاتا ہے

ولی ہمیشہ اپنے حالات کو پوشیدہ رکھتا ہے، مگر کائنات اُس کی ولایت پر شہادت دیتی ہے، اللہ عزوجل تعالیٰ کی طرف سے اس کی ولایت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ شہرت اللہ کی طرف سے اُس پر اور اس کے متعلقین پر بطورِ برکت کے ہوتی ہے، اس کی وجہ سے وہ اللہ کی طرف سے اپنی توجہ نہیں ہٹاتا۔ ولی نہ تو ریاء و ظاہرداری کرتا ہے، اور نہ ہی نفاق۔ اولیاء اللہ کی قدر شناسی وہی کر سکتا ہے جو خود رب العالمین کے ہاں قدر والا ہو۔

حضرت سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی کبھی مشہور تو ہو جاتا ہے لیکن شہرت سے فتنہ میں نہیں پڑتا۔اور وہ ولی جس کی شہرت اسے یادِ خداوندی سے ہٹا دے ایسا شخص مفتون کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے سب کی حفاظت فرمائے۔

(حقیقت تصوّف و سلوک:ص ۲۳۵)

مناصب و اقسامِ اولیاء اللہ

نقباء، نجباء، ابدال، اخیار، قطب، غوث، قیوم وغیرہ اولیاء اللہ کی خاص اصطلاحات ہیں۔ان کے متعلق بزرگان دین اور صوفیائے کرام کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ یہ کوئی مافوق الفطرت متصرف، خودمختار، نافع و ضارّ عالم الغیب، حاضر و ناظر یا مسجودِ خلائق ہستیاں ہیں جن کو غائبانہ فریادرسی کے لئے پکارنا جائز ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْخَلْقِ ثَلَاثَ مِأَةَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ آدَمَ ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ اَرْبَعُوْنَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ مُوْسٰى، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ سَبْعَةَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ خَمْسَةَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ جِبْرَائِيْلَ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ ثَلَاثَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ مِيْكَائِيْلَ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ وَاحِدُ قَلْبُهٗ عَلٰى قَلْبِ اِسْرَافِيْلَ۔

(الخبر الدال سیوطی:۱۵)

اللہ رب العزت کی مخلوقات میں سے تین سو مخلوق ایسی ہیں جن کے قلوب حضرت آدم کے قلب کے مانند ہیں۔ چالیس ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب کے مانند ہیں، سات ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب

کے مانند ہیں، پانچ ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قلب کے مانند ہیں، تین ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب کے مانند ہیں، اور ایک ایسا بندہ ہے جس کا قلب اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے۔

خطیب نے بذریعہ ابوبکر ابن ابی شیبہ حدیث کا اخراج کیا ہے کہ میں نے کنانی سے سنا ہے کہ: نقباء تین سو ہیں، اور نجباء ستر ہیں، ابدال چالیس ہیں، اخیار سات ہیں، قطب چار ہیں اور غوث ایک ہے۔

حضرت حضر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تین سو اولیاء اور ستر نجیب ہیں، اور زمین میں چالیس اوتاد، دس نقیب، سات عارف، اور تین مختار ہیں، اور ان میں ایک غوث ہے۔

نقباء کا مسکن مغرب، نجباء کا مصر، ابدال کا شام ہے۔ اخیار سیاح ہوتے ہیں، قطب زمین کے گوشوں میں ہوتے ہیں۔ جب مخلوق کو عمومی مصیبت آجائے تو دعاء کے لئے نقباء ہاتھ اٹھاتے ہیں، اگر قبول نہ ہو تو نجباء، پھر اخیار، پھر قطب، اگر پھر بھی قبول نہ ہو تو غوث دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی دعاء قبول ہو جاتی ہے۔

(الخیر الدال:23, دلائل السلوک)

جو اولیاء حق تعالیٰ کی بارگاہ کے لشکری اور مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے ہیں، ان کی تعداد تین سو ہے جن کو اخیار کہا جاتا ہے۔ اور چالیس (40) وہ ہیں جن کو ابدال کہا جاتا ہے۔

(کشف المحجوب ص 344)

ابدال

ابدال وہ لوگ ہیں جو سخت ریاضتوں کے بعد ملائکہ سفلیہ کی سی ایک حالت پیدا کر لیتے ہیں، بعض کو الہام ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ سفلیہ کی طرح لوگوں کے امور میں دخل اندازی

کریں۔بعض کو الہام تونہیں ہوتا لیکن ان سے کشف، سچّے خواب، غیبی آوازوں کی سماعت، تھوڑے وقت میں لمبی مسافت طے کرنے، اور پانی پر چلنے جیسے امور کا صدور ہوتا ہے۔
(الطاف القدس ص 50)

☆ ابدال کا اوڑھنا بچھونا، خاموشی، تنہائی اور شب بیداری ہو جاتا ہے، جو ضرورت سے زیادہ نہ کھاتے ہیں، اور نہ سوتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں چالیس ابدال ہیں۔ان میں سے بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں ہیں۔ان میں سے جب ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو قائم مقام بناتا ہے، اور جب قیامت آجائے گی تو سب فوت ہو جائیں گے۔

سات وہ ہیں جن کو ابرار کہا جاتا ہے۔چار وہ ہیں جن کو اوتاد، تین وہ ہیں جن کو نقباء اور ایک وہ ہے جسے قطب اور غوث کہا جاتا ہے۔یہ اولیاء وہ ہیں جنہیں ایک دوسرے پہنچانتے ہیں اور امور اور معاملات میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہوتے ہیں، اس پر مروی صحیح حدیثیں ناطق ہیں اور اہل سنت والجماعت کا ان کی صحت پر اجماع ہے۔
(کشف ص 344)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابدال شام میں ہیں، نجیب مصر میں، عصائب عراق میں، نقیب خراسان میں، اور اوتاد تمام زمین میں ہیں۔اور یہ لوگ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔راوی حدیث فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یہ لوگ کیوں عقلمند ہوں گے؟ تو فرمایا کہ ان لوگوں کی تمام ہمت اور سعی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔اور ان کی تمام کوششوں کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہوتی ہے۔یہ لوگ دنیا اور ان کی فضولیات، اور ریاستوں اور عیش وعشرت سے بے رغبت ہوتے ہیں، اور یہ لوگ سردار اور

امیر ہوتے ہیں۔

مخفی اولیاء اللہ کی تعداد

اولیاء اللہ میں سے چار ہزار تو وہ ہیں جو پوشیدہ رہتے ہیں وہ نہ تو ایک دوسرے کو پہنچانتے ہیں اور نہ اپنے حال کی خوبی و جمال کو جانتے ہیں ،ان کی حالت خود اپنے سے اور تمام لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے ۔اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں اور اولیاء کرام کے اقوال اس پر شاہد و ناطق ہیں ۔

(کشف المحجوب ص 344)

☆ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طلب اور محبت کے سوا کسی اور کی طلب اور محبت نہیں ہے وہ مبارک ہے۔☆ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان یہ جہاں حجاب نہیں ہے، بلکہ خود اس کا نفس حجاب ہے ۔

☆ مقرّبین میں سے بعض لوگ جنت اس لئے طلب کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے ، نہ کہ اپنے نفس کے سرور اور فائدے کے لئے ۔ اور دوزخ سے اس لئے پناہ نہیں مانگتے کہ وہ رنج و الم سے دور رہیں، بلکہ اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ اُس کے غضب کا مقام ہے ۔ کیونکہ یہ حضرات نفسوں کی غلامی سے آزاد ہوکر خالص اللہ تعالیٰ کے ہو گئے ہیں ۔مقربین کے لئے یہ رتبہ نہایت اعلیٰ ہے ،اور ان مرتبہ والوں کو ولایت خاصہ کے مرتبہ سے متصف ہونے کے بعد مقامِ نبوت کے کمالات سے کامل حصہ حاصل ہوتا ہے۔

(مجدّد158)

☆ روح، سر، خفی اور اخفیٰ کے تمام کمالات حضرت سید المرسلین ﷺ کی تابعداری پر وابستہ ہیں ۔ پیارے پیغمبر ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین ہادیین، مہدیین کی پیروی لازم جانیں۔

صوفیہ کی بزرگ ترین خصلت ان کے اخلاق ہیں

صوفیہ کی بزرگ ترین خصلت ان کے اخلاق ہیں

امّ المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائیشہ صدیقہ ؓ سے پیارے پیغمبر ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنْ۔

آپ کے تمام اخلاق قرآن پر مبنی تھے۔

ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْن*

ایسے اخلاق اختیار کرو جو سہل اور آسان ہوں ، اور نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں سے روگردانی کرو۔

پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلَا أُخْبِرُكُمْ بِاَحَبِّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبُكُمْ مِّنِّيْ مَجْلِساً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قَالُوْا: بَلیٰ، قَالَ: اَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقاً اَلْمُوَ طِّئُوْنَ أَ كْنَافاً الَّذِيْنَ يَأْ لِفُوْنَ وَ يُؤْ لَفُوْن۔

کیا میں تم کو خبر نہ دوں کہ کون تم میں میرا زیادہ دوست ، اور قیامت کے دن میری مجلس میں میرے نزدیک تر ہوگا؟ لوگوں نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے، جو دوسروں کے لئے ماڈل ہوں گے، جو ملنسار ہوں گے، اور میل جول کرنے والے ہوں گے۔

پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بد خلقی بدبختی ہے، اور تم میں بد بخت وہ

ہے جس کے اخلاق برے ہوں۔

☆ حضرت ابو بکر کنانی رحمۃ اللہ علیہ (جن کو ان کی کثرت عبادت کی وجہ سے سراج الحرم کہا جاتا تھا، اور انہوں نے حضرت جنید، خذار، اور نوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اٹھائی تھی وہ) فرماتے تھے کہ تصوّف تمام تر اخلاق ہی کا نام ہے ۔جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے، اُس کا تصوّف زیادہ ہوگا۔

صوفیوں کے اخلاق میں حلم، تواضع، نصیحت، شفقت، برداشت، موافقت، احسان مدارات، ایثار، خدمت، اُلفت، بشاشت، کرم، مروّت، تلطّف، سکون، وقار، مسلمانوں کے لئے، اور اپنے پر زیادتی کرنے والوں کے لئے دعاء کرنا، ان کی تعریف کرنا، اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا، اور اپنے نفس کو چھوٹا سمجھنا، بھائیوں کی توقیر کرنا، اور مشائخ کی تعظیم، چھوٹوں پر ترحم، بڑوں کی تعظیم، اگر کسی کو کچھ دیں تو اس کو کم سمجھنا چاہے بہت ہو، اور اگر کسی سے لیں تو اس کو زیادہ سمجھنا اگر چہ تھوڑا ہو یہ سب باتیں اور صفات داخل ہیں۔

حضرت سہیل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ (جو ذو النون رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے، اور اکابر صوفیاء میں ان کا شمار کیا جاتا ہے اُن) سے حسنِ خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: ادنیٰ ترین اخلاق تحمل اور ترک مکافات، اور ظالم پر رحم، اور اس کے لئے دعاء کرنا ہے۔

یہ اخلاق متصوّفین کے ہیں نہ کہ نام نہاد صوفیوں کے جو طمع کو زیارت، اور بے ادبی کو اخلاص، اور حق سے خروج کو شطح، اور مذموم چیزوں سے لذّت حاصل کرنے کو تطبیب (یعنی اچھی چیزوں سے نفع حاصل کرنا) اور خواہشات نفس کی پیروی کو آزمائش، اور دنیا کی طرف رجوع کو وصول، اور بد خلقی کو اندازہ کیا جانا، اور بخل کو احتیاط اور بد زبانی کو ملامت کہتے ہیں، حالانکہ یہ صوفیاء کا طریقہ نہیں ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی آداب شریعت کی پاسداری

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا نام صفۃ الصفوہ میں طیفور بن عیسیٰ بن فروشان ذکر کیا گیا ہے، اور بایزید بسطامی کے نام سے مشہور ہیں) نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ آؤ آج فلاں شخص سے ملاقات کرنے کے لئے چلتے ہیں جس نے اپنے آپ کو زاہد مشہور کر رکھا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جا رہے ہیں، اور جاتے ہوئے انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنی ناک صاف کی حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس شخص نے آداب شریعت کو ملحوظ نہیں رکھا تو مقامات ولایت کے متعلق جو اس کا دعویٰ ہے اس میں اس کو کیونکر مامون سمجھا جائے گا، یہ کہہ کر ان سے ملاقات کئے بغیر وہیں سے واپس لوٹ آئے۔

(آداب المریدین: عربی ص 20، اردو: ص 35)

اہل اللہ کے اخلاق

یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ولی اللہ زمین میں ایک خوشبودار گھاس ہے، سو جب مرید اس کو سونگھتے ہیں، اور اس کی بو ان کے قلوب تک پہنچتی ہے، تو اپنے پروردگار کے دیدار کے مشتاق ہو جاتے ہیں۔ اب اے میاں! تم اپنی حالت پر غور کرو، (اور سوچو کہ) آیا اللہ تعالیٰ کے لئے تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے تم نے کبھی کسی سے عداوت کی ہے؟ یا سب سے خواہش نفس ہی کے سبب سے محبت کرتے رہے، اور نفس ہی کے لئے عداوت کرتے رہے۔ یہ سوچو، اور اپنے اوپر رو، اور دن رات بکثرت استغفار کرتے رہو۔

☆ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کم ہنستے ہیں، اور دنیا کی کسی چیز سے خوش نہیں ہوتے، بلکہ دنیا کا جو ساز و سامان بھی اُن کو حاصل ہوتا ہے، خواہ

کپڑے ہوں، یا سواریاں، یا بیویاں، یا مناصب وعہدے، وہ اہل دنیا کے طرز کے خلاف اس سے منقبض ہوتے ہیں، اس اندیشہ سے کہ شاید وہ آخرت کی وہ نعمت ہو جو ان کو (ان کے اعمال کے معاوضہ میں) دنیا ہی میں دے دی گئی ہے۔اور اس لئے وہ اس کے سبب آخرت کی نعمت سے محروم ہو جائیں۔

(احوال الصادقین:ص 63)

اللہ والے اللہ سے بے حد ڈرتے ہیں

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات اپنی ابتدائی حالت میں اور (منازل سلوک طے کرنے کے بعد) انتہائی حالت میں، دونوں حالتوں میں اللہ رب العزت سے بے حد ڈرتے رہتے ہیں۔مگر دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ ابتدائی حالت میں تو گناہوں اور عذاب کی وجہ سے ڈرتے ہیں ، اور انتہائی حالت میں عظمت و جلالِ خداوندی کی وجہ سے ڈرتے ہیں، کیونکہ جب ان کو عظمت و جلالِ خداوندی کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس کے مقابلے میں وہ اپنی طاعات کو ہیچ اور اپنے کو سراپا تقصیروار سمجھتے ہیں، (اور اس سبب سے ڈرتے ہیں)۔

☆ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے ہیں ، کہ مبادا خدا ان گناہوں پر عذاب دے جن کا انہوں نے اپنے نفس پر زیادتیاں کر کے یا دوسروں کی حق تلفیاں کر کے ارتکاب کیا ہے ۔ اگر چہ اس حق تلفی کا تعلق ایک خلال کے تنکے یا ایک سینے کی سوئی سے ہو۔

بالخصوص اگر ان میں کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی نظر میں اس کے اعمال صالحہ بہت کم ہوتے ہیں ،تو اس کو اور بھی زیادہ خوف اور بے چینی ہوتی ہے ، کیونکہ (اس کی نظر میں) اس کے پاس نیکیاں بھی نہیں ہوتیں، جن کو قیامت میں مدّعیوں کو دیدے۔

☆ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ قیامت کے ہولناک واقعات یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے ہیں، اور جب قرآن اور ذکر اللہ سنتے ہیں تو ان پر غشّی اور بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے ایک روز اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا (12) وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا (13)

یقین جانو ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں ہیں، اور دہکتی ہوئی آگ ہے۔ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے، اور دُکھ دینے والا عذاب ہے۔

اس وقت آپ ﷺ کے آگے حمران بن اعین تھے، اس آیت کریمہ کو سن کر ان کی روح پرواز کر گئی، اور مردہ ہو کر گر پڑے۔ اب ہمیں بھی سلف صالحین کے احوال میں غور کر کے یہ سوچنا چاہئے کہ آیا پروردگار کا کلام سن کر کبھی ہماری بھی حالت بدلی؟۔

لوگوں کی خیر خواہی

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے بچاتے ہیں کہ وہ ان کے (اُن) برے افعال کا اتباع کریں (جو ان سے سہو یا غفلت کی وجہ سے بعض اوقات صادر ہو جاتے ہیں) اور اس سے مقصود ان کا لوگوں کی خیر خواہی ہوتی ہے زندگی میں بھی، (کہ وہ میرے افعال سے بچیں) اور مرنے کے بعد بھی، (کہ ان کے برے نتائج سے بچیں)۔

نیز اس میں خود ان حضرات کی ایک غرض ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ان لوگوں کے سبب سے جنہوں نے ان حضرات کا ان بری باتوں میں اتباع کیا تھا، جو اُن سے بوجہ غفلت یا سہواً بعض اوقات صادر ہو جاتی تھیں، خود یہ حضرات بھی گناہ گار نہ ہوں۔

جو پیدا ہوا ہے، وہ ضرور فنا ہوگا

سکندر ذوالقرنین کے زمانہ میں سیلاب کے ذریعہ سے ایک سونے کی قبر ظاہر ہوئی، جس کا طول وعرض دس دس ہاتھ تھا۔ لوگوں نے اس قبر کو کھولا تو دیکھا کہ ایک شخص ایسے تخت پر سو رہا ہے جس کے پائے سونے کے ہیں، اور ریشمی چادر اوڑھے ہوئے ہے۔ اور اس کے گلے میں زبرجد کی ایک تختی پڑی ہوئی ہے۔ جس میں لکھا ہے "بِاِسْمِ وَاجِبِ الْوُجُوْدِ وَعِلَّةِ الْعِلَلْ" (یہ بسم اللہ کی جگہ پر تھا) اور اس کے بعد لکھا ہوا تھا کہ:

جس چیز کی ابتداء ہے اس کی انتہاء بھی ہے۔ چنانچہ میں ایک ہزار برس تک دنیا کے ربع مسکوں کا مالک رہا۔ اور میرے ملک کی روزانہ کی آمدنی اس قدر سونا تھی، جس قدر میری قبر میں لگا ہوا ہے۔ آفتاب و ماہتاب، اور تمام آسمان میرے تابع تھے۔ ہوا، پانی، آگ، اور لوہا یہ سب میرے فرماں بردار تھے۔ یہ سب کچھ تھا مگر پھر بھی میں عالم بالا کو چلا گیا، اور تمہارے درمیان اپنا یہ جسم چھوڑ گیا، جو کہ کسی وقت فنا ہو جائے گا، تاکہ میرے بعد آنے والی نسلیں اس سے سبق لیں۔

☆ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ داؤد علیہ السلام بیت المقدس کے ایک غار میں داخل ہوئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک تخت رکھا ہوا ہے، جس پر ایک مردہ پڑا ہے اور اس کے سرہانے ایک تختی رکھی ہوئی ہے۔ جس میں یہ لکھا ہے:

میں فلاں بادشاہ ہوں، میں نے ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی، اور ایک ہزار دوشیزہ لڑکیوں سے شادی کی، اور ہزار شہر بسائے، اور ایک ہزار لشکروں کو شکست دی۔ اور میں یہاں مردہ پڑا ہوں۔ سو! اے اہل دنیا! میری حالت سے عبرت حاصل کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو پیدا ہوا ہے، وہ ضرور فنا ہوگا۔ باقی رہنے والی ذات صرف اللہ عزوجل تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا! دنیا میں مشغول ہو کر موت سے غافل نہ ہوں۔

☆ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص ان کو مار کر، یا ان کا مال لے کر، ان کی آبرو پر حملہ کر کے، یا ایسے ہی کسی اور طریق سے ان کو تکلیف دے تو وہ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آراستہ ہونے کی وجہ سے اس کو معاف کر دیتے ہیں، اور اس سے درگزر کرتے ہیں۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے تھے بلکہ اس وقت انتقام لیتے تھے، جب اللہ تعالیٰ کی قابل احترام اشیاء کی (چاہے وہ احکام ہوں یا شعائر) تحقیر کی جائے۔

حرمت مسلمین کی تعظیم

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حرمت مسلمین کی بہت عظمت کرتے ہیں، کیونکہ وہ ان شعائر اللہ میں سے ہے جن کی بے توقیری حرام ہے۔ نیز وہ مسلمانوں کی بہتری کو پسند کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے، کیونکہ معمولی درجہ کا مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ میں بڑا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہمنشین کی عزت کرنا اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ نیز وہ کعبہ کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے کہ اے کعبہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے محترم ومشرف اور مکرّم بنایا ہے، مگر مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرمت میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خبردار! کسی عالم کو نہ ستانا، کیونکہ جو کسی عالم کو ستائے گا، وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچائے گا۔ کیونکہ علماء پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث اور ان کے جانشین ہیں، اور ان کی تکلیف سے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہونا لازمی ہے۔ مگر یہ اُس وقت ہے جبکہ ایذاء عالم ناحق ہو۔ اور اگر جائز طور پر ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔

☆ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کا خاتمہ برا نہ کردے، اور دوزخ میں جا کر اس سے محجوب ہو جائیں۔اور ان میں سے بعض کی تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ فکر وغم میں اس قدر مستغرق ہوتے تھے کہ اُن کو یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ ان کے پاس کون لوگ بیٹھے ہیں۔

تہجد پر دوام

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ گرمی ہو یا سردی، ہر حال میں قیام اللیل پر مداومت کرتے ہیں، اور بمنزلہ فرض کے اس کو اپنے اوپر مؤکد سمجھتے ہیں، اور اس میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو سالک بلا ناغہ نیند کے رات کو سوتا ہے، اس سے طریق میں کچھ ہونے والا نہیں ہے۔

مگر آج کل اس خلق کو بہت سے صوفیوں نے چھوڑ رکھا ہے، اور وہ عوام و اہل دنیا کی طرح بے تکلف رات کو بستروں پر سوتے ہیں، اور قیام اللیل کا خیال تک بھی نہیں آتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم قیام لیل کا التزام کرو، کیونکہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تقربِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔ تیسرے اس سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ چوتھے یہ کہ وہ گناہوں سے روکتی ہے۔ اور پانچویں یہ کہ وہ جسم سے بیماری کو دفع کرتا ہے۔

سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی والدہ نے ان سے فرمایا کہ بیٹا رات کو نہ سویا کرو، کیونکہ جو رات کو سوئے گا قیامت میں نیکیوں سے خالی ہاتھ آئے گا۔

اور حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے بذریعہ وحی کے فرمایا کہ اے داؤد! جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے، اور جب رات ہو تو مجھ سے غافل ہو کر سوئے، وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ عاشق ایسے وقت کے منتظر ہوتے ہیں جس میں دلجمعی کے ساتھ محبوب کے ساتھ عرض و

معروض کی جا سکے، اور یہ ایسے وقت کو قصداً کھوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ جھوٹا ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ذریعہ سے ملائکہ پر فخر کرتے ہیں، جبکہ وہ سردی کی رات میں تہجد پڑھتا ہے۔ اور (رب العالمین فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ میرے بندہ کو دیکھو کہ میری خاطر اس نے اپنے آرام کو اور اپنی خوبصورت بیوی کو چھوڑ دیا، اور لحاف میں سے نکل کر مجھ سے میرے کلام (قران شریف) کے ذریعہ باتیں کرتا ہے۔ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول تھا کہ وہ رات کو اٹھتے، اور فرماتے نافع کیا صبح ہو گئی؟ وہ فرماتے کہ نہیں۔ اس پر آپ نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے، اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو پوچھتے نافع کیا صبح ہو گئی؟ وہ کہتے کہ جی ہاں۔ تب بیٹھ کر استغفار کرتے رہتے، یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت آ جاتا۔ اس وقت آپ نماز پڑھتے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب تہجد میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے کوئی آیتِ وعید آ جاتی تو بیہوش ہو کر گر جاتے۔ اور کئی دنوں تک ان کی یوں عیادت کی جاتی جیسے بیمار کی کرتے ہیں۔ اپنے زمانۂ خلافت میں نہ رات کو سوتے تھے، نہ دن کو۔ بلکہ کبھی بیٹھے بیٹھے ٹول جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر میں رات کو سوتا ہوں تو اپنے کو کھوتا ہوں، (کیونکہ قیام لیل ترک ہوتا ہے)۔ اور اگر دن کو سوتا ہوں تو رعیت کو کھوتا ہوں، اور مجھ سے ان کی نسبت بھی باز پرس ہوگی۔ (اس لئے نہ دن کو سوتے تھے اور نہ رات کو)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب سب لوگ سو رہتے تو آپ تہجد کے لئے اٹھتے، اور صبح تک آپ کے اندر سے ایسی آواز سنائی دیتی تھی جیسے مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ (یعنی بہت آہستہ آواز میں قرآن پڑھتے، تا کہ سونے والوں کو تکلیف نہ ہو)۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب اتفاق سے اپنے نفس کی طرف سے غافل ہو جاتے

اور زیادہ کھا لیتے تو ساری رات نماز پڑھتے ، اور فرماتے کہ جب گدھے کو چارہ زیادہ دیا جاتا ہے تو اس سے محنت کے کام لے کر اُس کو تھکایا بھی زیادہ جاتا ہے۔

عبد العزیز ابی داؤد کے لئے بستر بچھایا جاتا ، تو وہ اس پر ہاتھ رکھتے ، اور کہتے ، اے بستر ! تو نہایت ہی نرم ہے ، مگر میاں جنت کے بستر تجھ سے زیادہ نرم ہیں (میں تجھ پر سو کر انہیں کھونا نہیں چاہتا)۔ یہ کہہ کر نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے ، اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔

لوگوں نے ایک مرتبہ حضرت بشر خافی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ رات کو تھوڑی دیر تو آرام فرما لیا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ صاحبو! پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر قیام لیل فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک ورم کر جاتے تھے ، اور ان میں سے خون ٹپکنے لگتا تھا ، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جا چکے تھے ، تو پھر میں کیسے سو سکتا ہوں ، جب کہ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ میرا ایک بھی گناہ معاف ہوا ہے یا نہیں۔

ابو الاخوص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے پہلے علماء و عباد کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ رات بھر نہ سوتے تھے۔ اور میں رات کے وقت جس گھر یا مسجد کا چکر لگاتا تھا ، اس میں سے شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنتا تھا۔ مگر نہیں معلوم ہمارے زمانہ کے لوگوں کو کیا ہوا کہ جس چیز سے وہ لوگ ڈرتے تھے ، اور اس سے ڈر کر اس قدر تکلیف برداشت کرتے تھے ، اس سے یہ لوگ بے خطر کیوں کر ہو گئے ہیں ؟۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں قیام اللیل نہیں کر سکتا ، آپ مجھے کوئی دوا بتلا دیجئے (جس سے میں قیام اللّیل کر سکوں)۔ آپ نے فرمایا کہ میاں دن میں گناہ چھوڑ دو ، جب تم دن میں گناہ نہیں کرو گے تو حق سبحانہٗ عزوجل تعالیٰ رات کو تمہیں اپنے سامنے کھڑا کر لیں گے۔

اور راز اس میں یہ ہے کہ رات میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا بہت بڑی عزت ہے، اور نافرمان اس شرف کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ (پس تم نافرمانی ترک کردو)۔

رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کا معمول تھا کہ جب رات ہوتی تو آپ وضو کرتیں، اور بدن میں خوشبو لگاتیں، اور اپنے شوہر سے کہتیں کہ آپ کو میری ضرورت ہے؟ اگر وہ کہہ دیتے کہ نہیں تو پھر صبح تک نماز میں کھڑی رہتیں۔ اور اوّل شب میں فرماتیں کہ اے اللہ! لوگ سو گئے، اور ستارے چھپ گئے، اور شاہانِ دنیا نے اپنے دوزارے بند کر لئے مگر ایک آپ کا دروازہ ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔ پس آپ مجھے معاف فرمادیجئے۔

پھر نماز کے لئے قدم برابر کرتیں، اور فرماتیں کہ آپ کی عزت وجلال کی قسم جب تک میں زندہ رہوں گی، ہر شب صبح تک آپ کے سامنے یوں ہی کھڑی رہوں گی۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کھانا کم کھانے کا التزام کرو۔ تم کو قیامِ لیل پر قابو حاصل ہوجائے گا۔

ابوالجویریہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں چھ مہینہ تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس طرح رہا کہ ایک دن کے لئے بھی جدا نہیں ہوا۔ مگر میں نے اس عرصہ میں کبھی انہیں نہیں دیکھا کہ کسی رات سونے کے لئے انہوں نے زمین سے پیٹھ لگائی ہو۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عبادت کرنے والا نہ کوئی دیکھا، اور نہ ان سے زیادہ دنیا سے بے رغبت کسی کو دیکھا، اور نہ ان سے زیادہ کوئی پرہیزگار۔

(احوال الصادقین: ص148)

کسرِ نفسی اور تواضع

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نہایت ہی کسرِ نفسی کرتے ہیں،

یہاں تک کہ ان میں کے بعض حضرات اپنے شاگردوں سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ (ان کی دنیاوی عزت کا یہ حال ہوتا ہے کہ) ان کو دوسرے لوگ پالکی وغیرہ میں اٹھاتے ہیں۔مگر ان کی اس عزت پر نظر نہیں ہوتی کہ وہ اپنے شاگردوں سے زیادہ عالم ہیں، یا عمل میں اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔اور یہ تمام باتیں حد شرعی کے اندر ہوتی ہیں،اور اس وقت ہوتی ہیں کہ جب کہ اس شاگرد کے فتنہ، عجب وکبر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

☆ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اپنے قاصد کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ آپ عنقریب ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہونے والے ہیں،مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آپ اس سے سلامتی دین کے ساتھ نجات پائیں گے۔

ان کا مقصد اس سے اس مسئلہ کی طرف اشارہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ تو جب قاصد نے انہیں یہ پیغام پہنچایا تو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے آنے کی خوشی میں اپنا پیراہن مبارک اتار کر اس کے حوالہ کر دیا۔جب قاصد یہ کرتہ لے کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، اور اُن کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کرتے کے نیچے تو کچھ نہیں پہن رکھا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بوسہ دیا، اور اپنی آنکھوں سے لگایا، اور ایک برتن میں پانی ڈال کر اس میں اس کو دھویا،اور پھر اسے نچوڑ کر اس کی دھوون کو ایک شیشی میں بند کر کے اپنے پاس رکھا۔اس کے بعد ان کا معمول یہ تھا کہ جب ان کا کوئی متعلق بیمار ہوتا، تو وہ اس پانی میں سے کچھ اس کے پاس بھیجتے، اور وہ اس کو اپنے بدن پر ملتا، اور فوراً شفایاب ہو جاتا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے لیکن اس کے باوجود امام صاحب کا ان کے ساتھ کس قدر متواضعانہ برتاؤ تھا۔

اور یہ حضرات باوجود اپنے اعمال صالحہ کی کثرت کے اپنے آپ کو کسی مسلمان سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔

ادب استاد

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص ان کو بچپن میں قرآن کی ایک سورۃ یا ایک آیت یا علم کا ایک باب پڑھا دیتا ہے تو اس کی وہ اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ اس کے پاس سوار ہو کر نہیں نکلتے۔ ان کی مطلقہ بیوی سے نکاح نہیں کرتے۔ اور حسب مقدور ان کو ہدایا دیتے رہتے ہیں۔

مہمان نوازی

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مہمان پر سخت تاکید کرتے ہیں کہ وہ کھانا کہیں اور نہ کھائے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ ان کے یہاں کھائے گا، اپنے مقدر کا کھائے گا، اور اس میں ان کا کچھ نقصان نہیں۔ اس لئے مہمان سے کبھی تنگ دل نہیں ہونا چاہئے۔

بوقت ضرورت مال کا جمع کرنا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ابتداء سلوک میں درہم و دینار نہیں رکھتے، مگر انتہاء میں خرچ کے لئے ان کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ مبتدی ہوتے ہیں تو ان کی حالت دودھ پیتے بچے کی سی ہوتی ہے۔ کہ جب بچے کو دودھ چھڑانے کا وقت آتا ہے تو ماں اپنی چھاتیوں پر ایلوا وغیرہ لگا کر بچے کو دودھ سے متنفر کرتی ہے، اور پھر اس کی نفرت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ نہ صرف دودھ پینا چھوڑ دیتا ہے بلکہ اسے دودھ ہی سے نفرت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سالک کے لئے ابتداء میں دنیا سے نفرت پیدا کرنے کے لئے اُسے روپیہ پیسہ سے دور رکھنے کی تدبیر کی جاتی ہے، مگر انتہائی حالت میں جب اس کے دل میں یہ نفرت راسخ ہو جاتی ہے، اور دراہم و دنانیر کا رکھنا اس کے لئے مضر نہیں رہتا تو اس کے لئے اس وقت یہی کمال ہوتا ہے کہ وہ اپنے پاس روپیہ پیسہ رکھے، تاکہ ایک طرف وہ لوگوں سے سوال کرنے سے بچے، اور دوسری طرف اسے راہ خدا میں خرچ بھی کر سکے۔

خیر خواہی مرید

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مرید کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنی خدمت پر مقدم رکھنے کو پسند کرتے ہیں، اور اس بناء پر جب وہ اپنے کسی مرید کو بلائیں، اور وہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ آسکے، تو شیخ کو ناگواری نہیں ہوتی۔

کیونکہ طاعت خداوندی ان کے نزدیک ان کی ضرورتوں جیسے آٹا پیسنا، روٹی پکانا، کپڑے دھونے وغیرہ سے زیادہ مقدم ہوتی ہے۔ اور یہ وہ خلق ہے جس پر وہ لوگ عمل پیرا ہوتے ہیں جن میں رعونت نہیں ہوتی ہے۔اور جو حق تعالیٰ شانہٗ کی خوشی کو اپنی تمام تر خواہشات پر مقدم رکھتے ہیں۔

ترجیح دین بر دنیا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ آخرت کے کاموں کو دنیا کے کاموں پر مقدم رکھتے ہیں، اور اسی بنا پر وہ اپنے صبح کے معمولات کو اپنی دوسری ضروریات پر مقدم رکھتے ہیں۔جس طرح کہ وہ سردی کی رات میں تہجد کو لحاف میں سونے پر مقدم رکھتے ہیں۔اور سلف صالحین کا یہی معمول رہا ہے۔

ذکراللہ کی کثرت

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس مجلس میں بیٹھتے ہیں ، ذکراللہ اور درودشریف سے غافل نہیں ہوتے ۔ وہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ جولوگ کوئی ایسی نشست کریں جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو، اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ بھیجیں ، وہ نشست ان کے لئے قیامت میں ضرور موجب مواخذہ و انتقام ہوگی ۔اوراسی طرح وہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہیں کہ اہل جنت کوکسی چیز پرحسرت نہ ہوگی ،سوائے اس گھڑی کے جوان پر بغیر ذکراللہ کے گزری ہوگی۔

مخلوق پرشفقت

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں پرخواہ نیک ہوں یا بد، اورتمام جانوروں پرشفقت کرتے ہیں۔اوراس طرز پرکام کرتے ہیں کہ ان کے سبب سے کسی کے دین میں کوئی خرابی واقع نہ ہو۔اور یہ ان کا ایک نہایت ہی اعلیٰ خلق ہے جس سے وہی انسان نوازا جاتا ہےجس کی بصیرت کواللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہو۔وہ بحکم وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں پران کےنفسوں سے زیادہ شفیق ہوتے ہے۔

اوران کے انہی اخلاق کی وجہ سے لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں ۔اور اپنے عزیزوں کی طرح ایسے لوگوں کے پڑوس میں اپنا مکان خریدنے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں چاہےانہیں اس کے لئے زیادہ رقم ہی خرچ کرنی پڑے۔

قناعت

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ موجود پرقناعت کرتے ہیں ، اورکھانے ، پینے ،لباس،سواری ، نکاح ، مکان وغیرہ میں زیادتی کےمتلاشی نہیں ہوتے ۔

ترک وقعت دنیا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا ان کے نزدیک محض بے وقعت ہوتی ہے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے کہ دنیا کے بھی بیٹے ہیں اور آخرت کے بھی۔ پس تم آخرت کے بیٹے بنو۔ دنیا کو یکسر چھوڑ دیتے ہیں۔

مصائب پر صبر کرنا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ سختی اور مصیبت کو خوش عیشی اور فراخی پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اس کے ذریعہ سے ان کو اللہ رب العزت کی طرف توجہ رہتی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے گا وہ اس حالت کو پسند کرے گا جو اس سے تقرب پیدا کرتی ہو، اور جس کے سبب وہ اس کو یاد کرتا ہو۔

(احوال الصادقین: ص 230)

احترام معاصرین

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ان سے کوئی شخص اپنی کسی ضرورت میں دعاء وغیرہ کی درخواست کرتا ہے، اور وہ کسی ایسے علاقے کا رہنے والا ہے جہاں اس کے ہم عصر مشائخ میں سے کوئی شخص رہتا ہے تو وہ اس صاحب حاجت کی اس کے علاقے اور شہر کے مشائخ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، کہ تم اپنے محلے یا شہر کے شیخ کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے علاقے میں اسی لئے رکھا ہے کہ وہ اہل علاقہ کی ضروریات کو پورا کر سکے۔

اور اس کے اعتقاد کو اس شیخ کے ساتھ درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس حاجت مند کی حاجت کو خود پورا کر دیں، اور اس علاقے کے شیخ کے پاس نہ لوٹائیں تو انہوں نے اس شیخ کے ساتھ بدتہذیبی کا ارتکاب کیا۔

ترکِ اسراف

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات حلال مال کو بے احتیاطی کے ساتھ خرچ نہیں کرتے، بلکہ پوری احتیاط کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ حلال ہر زمانہ میں کمیاب ہوتا ہے۔

سلف کا معمول تھا کہ وہ حلال کمانے کو تمام ضروریات پر مقدم رکھتے تھے۔ اس لئے کہ یہ بات مسلّم ہے کہ جو لوگ حرام یا مشتبہ مال کھاتے ہیں، ان سے باوجود کوشش کے بھی اعمال صالحہ صادر نہیں ہوتے۔ حرام کھانے سے حرام افعال صادر ہوتے ہیں، اور مشتبہ مال کھانے سے مشتبہ افعال صادر ہوتے ہیں۔

حق کی وصیّت و نصیحت کرنا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیتیں کرتے ہیں، اور نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں۔ اور نصیحت کرنے والے کا احسان مانتے ہیں۔ اور نصیحت کرنے والے کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کرنے کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ ان سے نصیحت کرنے والے کا حقِ واجب ادا نہیں ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نصیحت کا تعلق امور اخرویہ سے ہے جس کا معاوضہ اغراض دنیویہ سے ادا نہیں ہوسکتا۔

شرطِ تواصی

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نصیحت ووصیت انہی کو کرتے ہیں جن کے متعلق انہیں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی نصیحتوں اور وصیتوں کو قبول کریں گے۔ اور جن کے متعلق انہیں یہ علم ہو کہ وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے، تو بہتر یہی ہے کہ ان کو نصیحت نہ کی جائے، بلکہ اس کو اس وقت تک مؤخر کیا جائے جب تک کہ نصیحت

کرنے کا کوئی مشروع طریقہ نہ مل جائے ،جس سے وہ اس کو نصیحت کرسکیں۔
مثلاً کوئی وعظ کی ایسی مجلس جس میں وہ شخص بھی موجود ہو جس کو نصیحت کرنا مقصود ہے، اور پھر خطاب عام کے طور پر اُسے نصیحت کی جائے۔
حامد لفاف رحمۃاللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم اسی کو نصیحت کرو جس سے تم کو قبول کی توقع ہو، ورنہ ممکن ہے کہ اس نصیحت کا نتیجہ ایسا ضرر رساں ہو جس کے تم متحمّل نہ ہوسکو۔
اور خبردار اس زمانہ میں تم کسی پر افسری نہ اختیار کرنا ، کیونکہ آج کل ہر ایک اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اور ماتحتی سے اس کو عار آتی ہے۔
اور ہر شخص کی پیروی بھی نہ کرنا ، کیونکہ خواہشات نفسانیہ کی گرم بازاری ہے، اور خلوص وللّٰہیّت بہت کم رہ گئی ہے۔ اس لئے ہر شخص پر اعتماد ٹھیک نہیں۔
اور اس کا خیال رکھنا کہ تمہارا راز کسی پر ظاہر نہ ہو، کیونکہ آج کل امانت اٹھ گئی ہے اور لوگوں میں راز داری کی قابلیت نہیں رہی۔

(احوال الصادقین:ص،47)

علم پر عمل کی ضرورت

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو اس بات کا بہت خوف رہتا ہے کہ خدانخواستہ ان کے علم اور عمل سے کوئی ایسی بات پیدا نہ ہو جائے جو اللہ کی مخلوق کے دین کو برباد کردے۔(مثلاً حبّ جاہ اور حبّ مال وغیرہ)۔ اسی لئے وہ فتویٰ دینے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ اور جب ان کی یہ حالت ہوتی ہے تو پھر ان کے متعلق کسی کو یہ گمان بھی نہیں کرنا چاہئے کہ وہ دنیا کے کسی کام میں سردار بننا چاہتے ہیں۔
عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃاللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ کرامؓ کو دیکھا جن کی یہ حالت تھی کہ نہ تو ان میں سے کوئی محدّث بننے کا متمنّی تھا اور نہ مفتی ، بلکہ ان میں

سے جو محدث ہوتا اس کی خواہش ہوتی تھی کہ کاش حدیث بیان کرنے کا کام کوئی اور اپنے ذمّہ لے لے اور میں سبکدوش ہو جاؤں ۔ اور جو مفتی ہوتا تو وہ اس کا متمنی ہوتا کہ کاش فتویٰ کوئی اور اپنے ذمّہ لے لے اور میں اس سے بچ جاؤں ۔

وہ عجب اور کبر سے بچنے کے لئے اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی خادمانہ طور پر ان کے ساتھ ساتھ چلے ،اس لئے کہ ایسی صورت میں عجب و کبر سے بچنا ہر ایک کا کام نہیں ۔ایک روز سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ جارہے ہیں اور لوگ ان کے گرد ہیں ۔تو آپ درّہ لے کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مارنے چڑھ گئے ، اور فرمایا کہ اس میں متبوع کے دین کی خرابی اور تابع کی ذلت ہے ۔

اکبرالرذائل

باطنی رذائل میں تمام رذائل کی جڑ جسے امّ الرّذائل بھی کہا جا سکتا ہے وہ کبر ہے ۔ کبر نام ہے اپنے آپ کو با ختیار خود کسی دنیوی یا دینی صفات و کمال میں دوسروں سے بڑھ کر سمجھنے کا ، اور یہی شیطان کا بھی دعویٰ تھا کہ " اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ " (کہ میں تو اس سے بڑھ کر ہوں)۔اور حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جو دراصل قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ، وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿ (الاعراف،40)

بیشک ! جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے ، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے ، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے ، اور وہ جنت میں اس

وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا، (یعنی جس طرح ایک اونٹ سوئی کے ناکے میں کبھی داخل نہیں ہوسکتا، اسی طرح یہ لوگ کبھی جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے) اور اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

تکبّر ہی قبولِ حق کے راستے میں سب سے بڑا مانع ہے، اسی وجہ سے یہودی پیارے پیغمبر ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے، اگر چہ وہ جانتے تھے کہ آپ پیغمبر حق ہیں۔اسی طرح رؤساء ملّہ بھی یہ کہتے تھے کہ:

وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ *

(الزخرف: ۳۱)

اور کہنے لگے کہ: یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا۔تو ان کو قبولِ حق سے یہی تکبّر مانع تھا۔اسی تکبّر نے شیطان کو جس نے آٹھ لاکھ برس عبادت کی تھی ایک پل میں مردود بنا دیا۔ اور اسی تکبر ہی کی وجہ سے اس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور ملعون ہوا۔

(الرفیق:۸۵، تجدید تصوّف و سلوک:ص ۲۵۹)

اور تکبر کے علاوہ جتنے بھی چھوٹے بڑے رذائل ہیں، اُن کا تعلق بھی تکبّر ہی سے ہے مثلاً عُجبؔ ہے جس میں انسان کسی کمال کو اللہ کی عطا کے بجائے خود اپنا کمال سمجھتا ہے، ریاؔ، لوگوں کی نظروں میں اپنی بڑائی چاہنا۔حبِّ جاہ، لوگوں سے اپنی تعظیم چاہنا، حبِّ مال، کا منشاء بھی اپنی بڑائی کا سامان جمع کرنا ہے، بُغضؔ، وحسدؔ، کا منشاء بھی اپنی بڑائی چاہنا ہوتا ہے۔ تو یہ تمام بیماریاں تکبّر ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔اور تصوّف نام ہے ان تمام بیماریوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مٹانے اور فنا کرنے کا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ کافر فرنگ سے بھی اپنے آپ کو بدتر نہ سمجھے۔اس لئے زندگی میں کسی سے اپنے آپ کو اچھا سمجھنے کا حق کسی کو نہیں، ہاں مرتے وقت اگر خاتمہ اسلام پر ہو گیا تو جو کچھ چاہے سمجھ لے۔

اللہ کے سامنے اپنی خودی کو مٹانا اور فنا کرنا یہی سارے تصوّف کی جان اور اکابر صوفیہ کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔

ہمارا رات دن سبق یہی ہے کہ ہم ایسے ہیں ہم ویسے ہیں، اور فلاں ایسا، ویسا ہے، اپنے عیبوں کو نہیں دیکھتے، اور دوسرے کے عیبوں پر نظر رہتی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں، اور ایک دوسرے شخص کے بدن پر ایک مکھی بیٹھی ہے تُو اس کو مکھّی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے، لیکن اپنے سانپ بچھوؤں کی تجھے خبر نہیں۔

عہدۂ قضاء سے بچنا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معتقدین میں سے کسی کو عہدۂ قضاء یا اور کسی امانت کے کام کو اپنے ذمّہ نہیں لینے دیتے جن میں اکثر گناہوں وغیرہ سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر بقاعدہ شرعی اس کام کے لئے وہ لوگ متعین ہو جائیں تو مجبوری ہے۔ اور وجہ ممانعت یہ ہے کہ احادیث میں ایسے امور سے بچنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

☆☆☆

کشف الہام

اور

کرامت

کشف اورالہام

خرقِ عادات کی چند قسمیں ہیں، منجملہ ان کے ایک کشف ہے۔کشف اکابرِ سلوک کے نزدیک سلوک کا مدار نہیں، لیکن شریعت مطہرہ کے خلاف بھی نہیں۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو قبروں پر گزرنا اور اُن سے عذابِ قبر کی آواز کا سننا جو پیشاب اور چغل خوری کی وجہ سے ہو رہا تھا مشہور حدیث ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کشف قبر کے متعلق تھا۔اور کشف دو طرح کا ہے۔

(1) ایک "کشف کونی" ہے جس میں موجودات کے وہ احوال جو نظروں سے پوشیدہ ہیں، خواہ ان کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے، یا حال سے، صاحب کشف پر ظاہر ہو جائیں۔جیسے سیرت کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بحالت خطبۂ جمعہ، جنگ کے ایک افسر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو جب وہ نہاوند میں لڑ رہے تھے، مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "يَا سَارِيَة، اَلْجَبَلْ" اے ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی سمت سے ہوشیار ہو جاؤ۔

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر بنا کر جہاد کے لئے بھیجا تھا، پہاڑ میں کافر چھپے بیٹھے تھے، جو کشف کے ذریعے کوسوں دور مدینہ منورہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نظر آ گئے، اور آپ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ان سے باخبر فرمایا۔حالانکہ حضرت ساریہ اُس وقت مدینہ منورہ سے کوسوں دور کفار کے لشکر سے برسر پیکار تھے۔اور اللہ نے آپ کی آواز اُن تک پہنچا دی۔

اسی طرح کچھ لوگ قبیلہ مذحج سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اُن میں ایک شخص اشتر نخعی بھی تھا، آپ نے بہت غور سے اُسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا کہ یہ کون ہے

لوگوں نے بتایا کہ یہ مالک بن حارث ہے۔ فرمایا! اللہ تعالیٰ اسے قتل کردے! اس کی وجہ سے میں مسلمانوں پر بہت پریشانی دیکھتا ہوں۔

(یہ شخص قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیڈروں میں سے تھا)۔

(2) دوسرا "کشف الٰہی" ہے جو عبارت ہے طریقت کے راستہ میں اپنے اور دوسرے سالکوں کے احوال معلوم کرنے، اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہر ایک کے مرتبۂ قرب کو معلوم کرنے سے اور ان علوم کے جاننے سے بھی جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہوں، بشرطیکہ وہ یہ باتیں کشف کی نظر سے عالم مثال میں دیکھ رہا ہو، نہ کہ محض عقل و قیاس سے معلوم کر رہا ہو۔

(ارشادالسالکین:ص ۳۲)

کشفی نظر سے عالم مثال میں دیکھنا بھی کشف کی ایک قسم ہے، اور اسے الہام کہتے ہیں۔ الہام اور وسوسے میں فرق یہ ہے کہ صوفی کا قلب سلیم الہام سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اولیاء کا کشف یا الہام علم غیبی ہے۔ دو شخصوں کا کوئی کشف باہم متفق ہو جائے تو اُس کا شمار ظن غالب میں ہوتا ہے۔ اور اولیاء کے کشف میں خطا بھی ہوتی ہے۔ وہی کشف مقبول ہونے کے لائق ہے جو شرع کے مخالف نہ ہو۔

صاحب صحو کا کشف، صاحب سکر کے کشف سے بہتر ہے، خرقِ عادات ولایت کے لئے لازم نہیں ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہیں جن سے خرق عادت مروی نہیں ہے، لیکن ادنیٰ صحابیِ رسول بھی ان اولیاء سے افضل ہے جن سے بہت سے خوارق مروی ہوں۔

ثواب کا تعلق صرف عبادت اور قرب الٰہی سے ہے۔ اسی لئے محدثین نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامات کا ذکر ان کے مناقب میں نہیں کیا ہے۔

تصوّف اور سلوک میں کشف مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود بالذات رضائے

الٰہی کا حصول ہے۔صحیح اسلامی تصوّف تو محبت الٰہی اور اتباع سنت کا نام ہے اور اس کی ابتداء اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا ہے اور اس کی انتہاء اسباب سے نظر اٹھالینا اور تمام امور کو اللہ کے سپرد کرنا ہے۔

منجملہ کرامات کے ایک چیز الہام ہے،جس میں حق تعالیٰ کوئی علم ملہم یا صوفی کے قلب میں ڈال دیتے ہیں ، اور ہاتف غیبی کا کلام بھی اسی قبیل میں سے ہے ۔کشف ،الہام اور وجد تلّقی روحانی کی ہی مختلف صورتیں ہیں ۔ وحی جلّی کے سوا تلّقی عن الغیب کی تمام اقسام کا نام کشف و الہام رکھا گیا ہے ۔وحی جلّی کا سلسلہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گیا ہے تو اب تلّقی عن الغیب کی صرف ایک شکل کشف والہام کی باقی رہ گئی ہے ۔

کشف کے لئے شرائط

کشف کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ کشف و الہام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہو کیونکہ قلب سلیم کے باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں جس کے ذریعے وہ باطنی علوم کا ادراک کرتا ہے ۔

اور اس کی دوسری شرط شریعت حقہ کا کامل اتباع ہے ،جس کے اندر یہ دو شرائط پائی جائیں گی اس کو کشف اور الہام سے نوازا جائے گا۔ پھر اس کشف اور الہام کو کتاب وسنت کے سامنے پیش کیا جائے گا اگر وہ وحی قطعی سے متصادم ہو تو مردود ہے ، اور اگر کتاب وسنت کے مطابق ہے تو یہ منجانب اللہ ہوگا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکاشفات کا دروازہ اللہ کے ان خاص بندوں پر کھلتا ہے جن کو شیخ کامل میسر آجائے ،طلب صادق اور عزم و استعداد ہو تو اللہ تعالیٰ انہیں اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشف کا دروازہ اس کے لئے کھلتا ہے جو تقویٰ کے

وصف کے ساتھ ذکر الٰہی پر مواظبت کرے۔

(احیاءالعلوم ج3)

کشف اور الہام میں فرق یہ ہے کہ کشف حسیات کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور الہام وجدانیات کے زیادہ قریب ہوتا ہے، اور الہام بمقابلہ کشف زیادہ اقرب الی الصواب ہوتا ہے۔الہام دل میں کسی مضمون کے القاء کا نام ہے جب کہ کشف نام ہے حجاب کے اٹھنے کا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا

پھر اللہ نے اس کے فجور اور تقویٰ کا اس کو الہام فرمایا۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لئے فرمایا تا کہ نفس اس پر عمل کرے۔اور فجور کا الہام اس لئے فرمایا تا کہ اس سے پرہیز کرے۔

اور ارشاد باری ہے:

وَاَوْحَيْنَا اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ.

اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

الہام کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہ راست قلب پر القاء ہوتا ہے، اس کو علم لدنی کہتے ہیں۔جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا.

اور ہم نے سکھلایا اس کو اپنی طرف سے ایک علم۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔علم لدنی بمنزلہ روشنی کے ہے کہ جو سراج غیب سے قلب صاف وشفاف پر واقع ہوتی ہے۔

اور کبھی ملاء اعلیٰ اور ملک الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القاء کی جاتی ہے جس کو "اِلْقَاء فِي الْقَلْب اور نَفَثٌ فِي الرَّوْع " کہتے ہیں ۔ اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہو کر کلام کرتا ہے ۔ جیسے سیدہ مریم سلام اللہ علیہا سے کیا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ ...الخ

اور جس وقت کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ تعالیٰ نے تجھ کو پسند کیا ہے ۔۔الخ

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے الہام میں فرق

حافظ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ المعتمد میں فرماتے ہیں کہ الہامِ انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق ظاہر ہے، انبیاء کا الہام قطعی ہوتا ہے، اور جس طرح وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے، بخلاف اولیاء کے کہ ان کا الہام ظنّی ہوتا ہے، اور خطاء سے معصوم نہیں ہوتا۔

(حقیقت تصوّف و سلوک)

کشف اور الہام پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس صحیح کے خلاف نہ ہو

اولیاء کا کشف اور الہام "علم ظنّی" کے درجہ کی چیز ہے ۔ اگر دو آدمیوں کے کشف متفق ہو جائیں تو اس کشف کا درجہ ظن غالب کا ہوگا۔ ابو داوٗد، ترمذی، ابن ماجہ، اور دارمی نے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی غرض سے ناقوس طلب فرمایا۔

(روای فرماتے ہیں کہ) میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ناقوس ہے، میں نے اُس سے کہا کہ اے بندۂ خدا! ناقوس بیچے گا؟ اُس نے کہا تم کیا

کرو گے؟ میں نے کہا لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کی خاطر چاہیئے ، اُس نے کہا کہ میں اس سے بہتر چیز تمہیں سکھاتا ہوں کہو" اَللّٰہُ اَکۡبَرُ.اَللّٰہُ اَکۡبَرُ۔۔ الخ" اور اس نے اس طرح پوری اذان سکھلائی۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، انشاء اللہ یہ خواب بالکل سچا ہے، اٹھو اور اذان کے یہ کلمات بلال رضی اللہ عنہ کو سکھا دو۔ پس میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھا دیئے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اس وقعہ سے معلوم ہوا کہ کشف اور الہام پر عمل کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ قرآن ، حدیث، اجماع، اور قیاس صحیح کے خلاف نہ ہو۔

اسی طرح بیہقی نے امّ المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائیشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر جب صحابہ کرام ؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے والے تھے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے اتار دیئے جائیں ، یا اسی لباس میں غسل دیا جائے ؟۔ اور اس بارے میں ان میں اختلافِ رائے ہو گیا کہ اچانک اللہ نے ان پر نیند طاری کر دی ، اور سب غنودگی میں چلے گئے ، اور سب نے اس غنودگی کی حالت میں آواز سنی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے پیراہن ہی میں غسل دیا جائے ، پس سب اٹھ گئے اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے پیراہن ہی میں غسل دیا اور قمیص کے اوپر ہی سے جسم اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا۔

(ارشاد الطالبین: ص ۳۳)

تاریک مقام میں ذکر

اولیاء اللہ بیداری کی حالت میں اندھیرے کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں ، آنکھیں

بند کر لیتے ہیں، اور خیالات کو ہر طرف سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس یکسوئی کی حالت میں ان پر حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اَلظُّلْمَةُ فِي الْمَكَانِ اَجَلّٰى الْقُلُوْب فِي ذِكْرِا لله ۔

مکان میں تاریکی ذکر کے دوران دلوں کو بہت جلا بخشنے والی ہے۔

(دلائل السلوک)

کشف صحیح کی حقیقت

اور جاننا چاہئے کہ جو باتیں اولیاء کرام سے بطریق کشف کے ایسی منقول ہوں جن میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اور اس کے آداب اور انبیاء علیہم السلام کے آداب مذکور ہوں ہم ان کو مانتے اور ان کا اتباع کرتے ہیں۔کیونکہ اس امت کے لئے اسرار کی تعلیم بذریعہ کشف کے باقی ہے۔ہاں احکام کا مشروع کرنا باقی نہیں ہے، اس لئے کہ تشریع کا دروازہ تو وحی کے منقطع ہوجانے کے بعد بند ہوگیا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ احکام شرعیہ اپنی عزت وعظمت کی وجہ سے بطریق کشف کے ثابت نہیں ہوتے، اور اس وجہ سے بھی کہ اگر یہ دروازہ کھولا گیا تو احکام میں باہم بہت زیادہ اختلاف واقع ہوگا، اور مدعیان کشف کی کثرت سے شریعت کا انتظام بگڑ جائے گا، اور آئے دن ہر شخص اپنے کشف کا دعویٰ کرے گا، اور نئے نئے احکام بیان کرے گا۔

پس کشف صحیح جس کو اللہ کی طرف سے مانا جا سکتا ہے وہ وہی ہے جو شریعت کے موافق ہو، ورنہ اس کو پھینک دیتے ہیں، کیونکہ وہ کشف جو کہ خلاف شریعت ہو محض جہالت ہے، اور جہالت کوئی چیز نہیں جس کا کچھ بھی اعتبار کیا جائے۔

(آداب العبو دیة:ص 106)

☆ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "التنبیہ الطربی صفحہ ۸" پر شیخ محی

الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ:

وَاعْلَمْ اَنَّ تَقْدِيْم الْكَشْفِ عَلَى النَّصِّ لَيْسَ بِشَيْئٍ عِنْدَنَا لِكَثْرَةِ اللُّبْس عَلٰى اَهْلِيْه ، وَاِلَّا فَالْكَشْفُ الصَّحِيْح لَا يَأْتِىْ قَطُّ اِلَّا موَافِقاً لِظَاهِرِ الشَّرِيْعَة۔ الخ

جاننا چاہئے کہ کشف کو نص پر مقدم کرنے کی ہماری نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے (بلکہ ایسا کرنا محض باطل ہے) کیونکہ اہل کشف کو کثرت سے اشتباہ ہو جاتا ہے، ورنہ کشف صحیح (جو شبہات سے خالی ہو وہ) تو ہمیشہ ظاہر شریعت کے موافق ہوتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ شریعت مقدم ہے کشف پر اور کشف ہمیشہ شریعت کے تابع ہے۔ جو اپنے کشف کو شریعت پر مقدم کرے اُسے اللہ والوں کی جماعت میں سے نکال دیا جاتا ہے، اور وہ اُن لوگوں میں شامل ہوگا جو اعمال کے اعتبار سے سراسر نقصان میں ہیں۔

☆ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا کشف کتاب وسنت کے خلاف ہو، تو کتاب وسنت کی تابعداری کرو، اور کشف کو چھوڑ دو، اور اپنے نفس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے میرا ذمّہ لیا ہے کہ کتاب وسنت کی تابعداری میں گمراہی سے محفوظ رہوں۔ اس کی ذمہ داری نہیں لی کہ کشف والہام یا مشاہدے کی تابعداری میں میں محفوظ رہ سکوں گا۔

☆ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک نہایت ہی اہم اور ضروری اصول کی جانب تنبیہ فرمائی ہے، اور کشف کا درجہ بتلایا ہے کہ یہ شریعت کے تابع ہے، اور شریعت اس پر مقدم ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ کشف میں صاحب کشف کو اکثر وبیشتر اشتباہ ہو جاتا ہے اس لئے مدار کار شرع ہوئی نہ کہ عقل اور کشف وغیرہ۔

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کشف رحمانی ہے یا شیطانی اس لئے کہ ظاہر صورت دونوں کی یکساں ہوتی ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اوراس کی مثال علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الیواقیت والجواہر میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے ہی کلام سے نقل فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

يَقُوْلُ شَيْخ عَبْدِ الْقَادِرْ جِيْلَانِىْ رَحِمَهُ اللهُ ترَائِى لِىْ نُوْرٌ عَظِيْمٌ مِلأَ الْأُفُق ، ثُمَّ تَدَلّٰى فِيْهِ صُوْرَة تُنَادِيْنِىْ يَا عَبْدُ الْقَادِرْ اَنَا رَبُّکَ ، وَقَدْ حَلَّلْتُ لَکَ الْمُحَرَّمَاتْ، فَقُلْتُ اِخْسَأْ يَا لَعِيْن، فَاِذَا ذَالِکَ النُّوْر ظَلَّام ، وَتِلْکَ الصُّوْرَةُ دُخَان، ثُمَّ خَاطَبَنِىْ ،يَا عَبْدِ الْقَادِرْ ، نَجَوْتَ مِنِّىْ بِعِلْمِکَ بِأَ مْرِ رَ بِّکَ ، وَفِقْهِکَ فِىْ اَحْوَالِ مِنَّا زِلَّاتِکَ، وَلَقَدْ اَضْلَلْتُ بِمِثْلِ هٰذِ هِ الْوَاقِعَةِ سَبْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ الطَّرِيْق، فَقُلْتُ لِلّٰهِ الْفَضْل۔ فَقِيْلَ لَهٗ كَيْفَ عَلِمْتَ اَنَّهٗ شَيْطَانٌ ، قَالَ ، بِقَوْلِهٖ قَدْ حَلَّلْتُ لَکَ الْمُحَرَّمَات۔ (الطبقات الكبرى :ص ١٠٩)

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اُس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اُس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا:

”اے عبد القادر! میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لئے سب محرّمات حلال کر دیئے ہیں، اب اگر تم چاہو تو میری عبادت کرو، اور نہ چاہو تو نہ کرو اور چھوڑ دو“۔

اس پر میں نے کہا دُور ہو مردود! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی ، اور وہ صورت دھواں بن گئی ، اور ایک آواز آئی کہ عبد القادر! خدا نے تم کو تمہارے علم وتفقہ کی وجہ سے بچا لیا، ورنہ میں اس طرح ستّر (70) صوفیوں (شیوخ طریقت) کو گمراہ کر چکا ہوں ، میں نے کہا کہ اللہ ہی کی مہربانی ہے۔

کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا کہ اُس کے یہ کہنے سے کہ "میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لئے حلال کر دیا ہے"۔اور یہ قرینہ اس لئے ہوا کہ رب العالمین کی یہ عادت نہیں ہے کہ اپنے رسول ﷺ کی زبانِ اطہر سے علی الاعلان کسی چیز کو حرام فرمادیں، اور پھر چپکے سے اُس کو کسی کے لئے حلال فرمادیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی کو بھی اس شیطان لعین نے فریب دینے کی پوری کوشش کی،اور اپنے فریب کو کشف کی صورت میں ظاہر کیا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے فریب سے محفوظ رکھا۔اور انہوں نے اپنے کشف کو معیار شریعت کی کسوٹی پر پرکھا،اور یہ جانا کہ جس چیز کو اللہ نے اپنے رسول کی زبان پر حرام فرما دیا ہو اب وہ کسی کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے؟اس اصول کے علم کی وجہ سے قطعی طور پر سمجھ گئے کہ یہ کشفِ رحمانی نہیں بلکہ شیطانی ہے،اور یہ فرمایا کہ دُور ہو مردود۔

اس سے معلوم ہوا کہ نسبت اور بزرگی کے تحفظ کا ذریعہ بھی صرف تمسک بالشریعت ہی ہے،اور اسی کے ذریعے انسان ان فتنوں سے بچ سکتا ہے، ورنہ اس کے بغیر بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(حقیقتِ کشف:ص6)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر حدود الٰہی (یعنی احکام شریعت) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو، اور شیطان تم سے کھیل رہا

ہے، اس لئے فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو، اور اُس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، نفس کی خواہشات کو جواب دو۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جس کی شریعت تائید نہیں کرتی وہ باطل ہے۔
(تذکرہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ ص ۱۴)

حدیث احاد اور قیاس کو کشف والہام پر ترجیح حاصل ہے

مسئلہ: اگر کشف والہام، حدیثِ احاد یا ایسے قیاس کے مخالف ہو جس میں قیاس کی تمام شرطیں پوری ہوتی ہوں تو ایسے موقع پر حدیث اور قیاس کو ترجیح دینی ہوگی، اور کشف پر غلطی کا حکم لگانا ہوگا، اور اس مسئلہ پر متقدمین ومتأخرین سب کا اتفاق ہے۔ کیونکہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حجّتِ قطعی ہے۔

☆ جب دو کشف ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو جس کشف کو شریعت کی تائید حاصل ہوگی وہی قبولیت کے زیادہ قابل ہوگا، اور اگر شریعت اس مسئلہ میں خاموش ہو تو ایسی صورت میں اگر صاحبِ کشف ایک ہی ہو تو اس کے بعد والے کشف کو، کشفِ اولیٰ پر ترجیح حاصل ہوگی، کیونکہ صوفی ہمیشہ ترقی پر ہے۔

اور اگر صاحبِ کشف دو اشخاص ہوں، اور ان کے کشف میں اختلاف ہو تو صاحبِ سُکر یعنی مجذوب یا مغلوب کے مقابلے میں صاحبِ صحو، یعنی صحت اور ہوش وحواس والے کے کشف کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ اہلِ سُکر کے کلام میں غلطی کا احتمال زیادہ ہے۔ اور الہام کا بھی وہی حکم ہے جو کشف کا ہے۔

(ارشاد الطالبین: ص ۳۵)

خوارق وکشف

ولایتِ فنا وبقا میں خوارق وکشف کم ہوں یا زیادہ لوازم ولایت سے ہے، لیکن یہ نہیں ہے کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا

ہوتا ہے کہ خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں، مگر ولایت اکمل ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جس قدر کوئی اوپر جاتا ہے، اُسی قدر نیچے آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اوپر گئے، اور نزول کے وقت سب سے نیچے آ گئے (یعنی سب سے آخر میں آپ کو نبوّت ملی)،اسی وجہ سے آپ کی دعوت بھی اکمل واتم ہوئی، اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام خلق کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔کیونکہ انتہائی نزول کی وجہ سے آپ نے سب کے ساتھ مناسبت پیدا کی، اور افادہ کا راستہ کامل تر ہو گیا۔

جس طرح نفس ولایت کے حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا مشروط نہیں ہے، اسی طرح اسے اپنے خوارق کے وجود کا علم ہونا بھی مشروط نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے خوارق نقل کرتے ہیں، اور اُس ولی کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی۔

(سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی سرھندی: ص202)

خوارق کی ضرورت انبیاء علیہم السلام کو ہے اولیاء کو نہیں

خوارق (یعنی معجزات) کی ضرورت بطور خاص انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے کہ جو مخلوق کو اللہ کی طرف بحیثیت نبی بلانے پر مامور ہوتے ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی نبوت مخلوق پر ظاہر کریں، اور بطور ثبوت کے معجزات دکھائیں۔

جب کہ اولیاء اپنی ذات کی طرف نہیں بلکہ محض اپنے پیغمبر کی شریعت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، علماء اور فقہاء شریعت کے ظاہری پہلو کی طرف بلاتے ہیں، اور اولیاء کرام اپنے مریدوں کو ظاہر شریعت کی پابندی کے ساتھ ساتھ ذکر کی تعلیم بھی دیتے ہیں اور اپنے اوقات کو یاد الٰہی کے ساتھ معمور رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ظاہر ہے اس دعوت اصلاح نفس کے لئے کسی کرامت کی ضرورت نہیں ہے۔

کرامت

•••••••••

کرامت کی تعریف

کرامت اس خرق عادت کا نام ہے جو متبع السنۃ کامل التقویٰ مؤمن سے صادر ہو،اور قانونِ عادت سے خارج ہو۔اگر وہ امر خلاف عادت نہیں تو کرامت نہیں ۔اسی طرح اگر وہ آدمی کسی نبی کا متبع نہیں تو بھی کرامت نہیں ،جیسے جوگیوں اور ساحروں وغیرہ سے ایسے امور صادر ہوجاتے ہیں ۔ایسے ہی اگر اہل بدعت اور فاسق و فاجر وغیرہ سے بھی ایسا امر صادر ہو جائے تو وہ بھی کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے ۔کرامت صرف وہ کہلائے گی جس کا صدور متبع کامل التقویٰ سے ہو۔

کرامت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس ولی کو جو مظہر کرامت بنا ہے،اس کا علم بھی ہو،اور نہ یہ لازم ہے کہ قصد و ارادہ اس کے ساتھ متعلق ہو۔بلکہ کبھی تو صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا علم بھی ہوتا ہے اور اس کا قصد بھی۔اور کبھی صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا علم بھی نہیں ہوتا اور قصد بھی نہیں ہوتا،اور کبھی علم ہوتا ہے،قصد نہیں ہوتا۔

(دکان عشق،ص ۱۱۲)

اولیائے کرام رحمہم اللہ اجمعین کی کرامات کا حق ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے جس کی چند ایک مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

(1) جب سیدہ مریم علیہا السلام ایک کھجور کے تنے کے نیچے تشریف فرما تھیں،اور دردِزہ شروع ہوا تو آپ دردِزہ کی حالت میں کہنے لگیں:

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا(23) فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (24) وَهُزِّىٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (25) (مریم)

پھر دردزہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی ۔ پھر فرشتے نے اُن کے نیچے ایک جگہ سے اُنہیں آواز دی کہ غم نہ کرو، تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے ۔ اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی ۔

چنانچہ مفسرین کے ایک قول کے مطابق وہ تنا خشک سے سرسبز ہوا، اور اُس سے تروتازہ کھجوریں غیر موسم میں گریں، یہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کی کرامت تھی ۔

(2) حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں آصف بن برخیا نے کہا کہ: ملکہ بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں اس طرح فرمایا:

قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ (النمل 40)

جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا: میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آتا ہوں ۔

چنانچہ وہ یمن سے تختِ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھ جھپکنے سے پہلے فلسطین لے آیا، یہ بھی اس کی کرامت تھی ۔

(3) حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کی، تو دوران پرورش جب وہ ان کے کمرے میں جاتے تو بے موسے پھل پاتے ۔ اس کا ذکر

ربّ العالمین نے قرآن کریم کے اندر اس طرح فرمایا:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط (آل عمران:37)

جب بھی زکریا اُن کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے ، اُن کے پاس کوئی رزق پاتے ۔ انہوں نے پوچھا: مریم ! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں ؟ وہ بولیں: اللہ کے پاس سے! اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔

یہ بھی کرامت تھی سیدہ مریم علیہا السلام کی ۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے شمار کرامتیں ذکر کی گئی ہیں ۔

☆ شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ جن کا تعلق خراسان کے نواح سے تھا، اور ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے تصوّف کی تعلیم پائی اور عبد الرحمٰن سلمی کے خلیفہ تھے ۔ ان کے بارے میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے ۔

آپ نے فرمایا کہ انسان کے لئے اس میں کیا کمال کی بات ہے، مرغانِ آبی بھی تو پانی پر چلتے ہیں ۔ پھر کسی نے کہا کہ فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے ، فرمایا کہ یہ کوئی خاص بات نہیں ، حقیر مکھی ، چیل اور کوّے بھی تو ہوا میں اڑتے ہیں ۔

پھر کسی نے کہا کہ فلاں شخص ایک لمحہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچ جاتا ہے فرمایا شیطان بھی ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب جا پہنچتا ہے ۔

پھر فرمایا کہ تصوّف میں ایسی باتوں کی زیادہ قدر نہیں ۔ مرد تو وہ ہے کہ لوگوں میں بیٹھے بیٹھے ، معاملات دنیا کو ادا کرے ، شادی بیاہ کرے ، معاشرے میں حقوق و فرائض ادا کرے ، اور اس کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو ۔

کیفیات

حالات

نصائح

وہدایات

کیفیات، حالات، نصائح وہدایات

نسبت باطنی کی علامت

نسبتِ باطنی کے حاصل ہونے کی دو علامتیں ہیں :

ایک یہ کہ اللہ عزوجل تعالیٰ کی یاد دل میں ایسی جم جائے کہ کسی دم دل سے دُور نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ اللہ عزوجل تعالیٰ کے حکموں پر چلنے کی طرف رغبت پیدا ہو۔

چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں ، چاہے وہ احکام ہوں جن میں بندوں کو آپس میں معاملات کرنے کے طریقے بتلائے ہیں، یا نشست و برخاست اور دیگر تمام کاموں کے طریقے بتلائے ہیں ۔

ان سب حکموں کی طرف ایسی رغبت ہو جائے جیسی کہ ان چیزوں کی طرف رغبت ہوتی ہے جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں ۔

اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی اُن چیزوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے جی کو بری معلوم ہوتی ہیں، اور اُس کی سب عادتیں قرآن شریف کے مطابق ہو جائیں ۔

مدارجِ اتباعِ سنت

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت جو دین و دنیا کی کامیابی وسعادت کی باعث ہے، کئی قسم کی ہے۔

(1) شرعی احکامات کا بجالانا اور سنت مطہّرہ کی پیروی کرنا۔

(2) پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن اقوال و اعمال کا اتباع کرنا جو باطن سے تعلق

رکھتے ہیں، اور مقام طریقت کے متعلق ہیں، مثلاً تہذیبِ اخلاق وغیرہ۔

(3) پیارے پیغمبر ﷺ کے اُن احوال کا اتباع کرنا جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ اُن اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب، یا سالک مجذوب ہیں۔

(4) اتباع حقیقتِ سنت، اتباع درجہ سوم کے بعد مرتبۂ ولایت ختم ہو جاتا ہے تو نفس مطمئن ہو جاتا ہے، اور اس وقت جو متابعت ہوتی ہے وہ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے۔

اوّل درجہ میں جس متابعت کی صورت تھی اس کی حقیقت اس چوتھے درجہ میں ہے یہ چوتھا درجہ اُن علماءِ راسخ کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی دولت سے بھی مشرف ہیں۔ یہ درجہ کبھی فناءِ سلوک اور جذبہ کے وسیلے کے بعد حاصل ہوتا ہے، اور کبھی احوال، مواجید، تجلیات اور ظہورات میں سے کچھ بھی درمیان میں نہیں آتا، اور یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن ولایت کے راستہ سے اس دولت تک پہنچنا آسان اور اقرب ہے۔

اور دوسرا راستہ فقیر (یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک سنت مطہرہ کی متابعت، اور بدعت کے اسم ورسم سے اجتناب کرنا ہے۔ جب تک بدعت حسنہ سے بھی بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کیا جائے گا، اس دولت کی بو دماغ تک نہیں پہنچے گی۔

اس زمانہ میں یہ امر دشوار اور مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ تمام جہان بدعت کے دریا میں غرق ہے، اور بدعت کی تاریکی میں پھنسا ہوا ہے۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ بدعت کو ختم کرنے اور احیاءِ سنت (سنت کو زندہ کرنے) کا دعویٰ کرے۔

(5) پیارے پیغمبر ﷺ کے اُن کمالات کا اتباع، جن کے حاصل ہونے میں علم اور عمل کو دخل نہیں ہے، بلکہ وہ محض ربّ العالمین کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے۔

(6) پیارے پیغمبر ﷺ کے اُن کمالات کا اتباع جو آپ ﷺ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

(نوٹ) یہ پانچ درجات یعنی نمبر دو(2) سے چھے (6) تک مقام عروج سے تعلق رکھتے ہیں۔

(7) پیارے پیغمبر ﷺ کا اتباع اُن باتوں میں جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتی ہیں۔اور یہ ساتواں درجہ دیگر تمام درجات کا جامع ہے۔

کامل وہ انسان ہے جو ان ساتوں درجات سے آراستہ ہو۔جبکہ علماء ظاہر، پہلے ہی درجہ میں خوش ہیں۔

(سوانح عمری مجدد الف ثانی: ص 264)

صوفیہ کا طریقہ کتاب وسنت کے موافق ہے

جاننا چاہئے کہ صوفیاء کا طریقہ کتاب وسنت کے بالکل موافق ہے، جو صوفی کتاب وسنت کی مخالفت کرتا ہو وہ سیدھے راستے سے یقیناً باہر ہے۔جیسا کہ سید الطائفہ حضرت ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تم یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ حضرات صوفیاء کرام کی وہ حالت آج کل کے مدعیان تصوّف جیسی تھی۔ بلکہ وہ حضرات اسرار شریعت کے جاننے والے، روزہ رکھنے والے، راتوں کو جاگنے والے، زاہد، متقی، اللہ سے خوف وخشیت رکھنے والے تھے۔ جیسا کہ ان کی سوانح اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

اور جو لوگ صوفیوں پر انکار کرتے ہیں، وہ ان لوگوں پر انکار کر رہے ہیں جو کہ چھٹے درجہ میں ان صوفیائے کاملین کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اور ابھی تک پوری مشابہت انہیں حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ ہر قرن وزمانہ کو جب اس سے پہلے قرن کے ساتھ نسبت کر کے دیکھا جائے تو دونوں کی حالت میں زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا، جس کی وجہ سے اس پر

انکار کرنا صحیح ہے۔ جب کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں بہمہ وجوہ پہلے قرن کے طریق پر ہوں، کیونکہ یہ دعویٰ کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہے، اس لئے کہ لوگ ہمیشہ ہر زمانہ میں پہلی حالت سے پیچھے ہی ہٹتے رہتے ہیں۔ اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْ نَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْ نَهُمْ۔

کہ زمانوں میں بہترین زمانہ میرا ہے، پھر اس سے ملا ہوا، پھر اُس سے ملا ہوا۔

(فتح الباری، ج۷ص ٦)

اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ تمام جماعتوں سے بہتر میری جماعت ہے، یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (یعنی تابعینؒ) پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعینؒ)۔

چنانچہ حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے شیخ نے یہ فرمایا تھا کہ: برخوردار! اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں اللہ عزوجل تعالیٰ کے سوا کسی غیر کا خطرہ بھی آئے تو پھر ہمارے پاس نہ آنا، کیونکہ اس حالت میں تم سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ تم سچے مرید بن سکو گے۔

غور فرمائیں، جن لوگوں کے مریدوں کا یہ حال تھا تو خود ان مشائخ کی حالت کیا کچھ ہوگی۔ آپ اُس مرید کی اور آج کل کے مشائخ کی حالت میں غور کریں تو آپ کو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔

اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو عابد نہیں دیکھا کہ ان کی اٹھانوے سال کی عمر ہوگئی تھی، مگر مرض الموت کے علاوہ کبھی ان کو کسی نے لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور اس پر بھی وہ ہم سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میری طرح عاجز و ناتواں ہو جانے سے پہلے کچھ کوشش کر لو۔ حالانکہ ہم ان کے مجاہدات کا اُس وقت بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، باوجودیکہ ہم نوجوان تھے، اور وہ نہایت درجہ بوڑھے تھے۔ یہ لوگ تھے

جنہوں نے واقعی مجاہدہ کا حق ادا کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شخص عارف باللہ کے ہاتھ تربیت پائے گا، وہ حقیقی طور پر عبدیت کا درجہ حاصل کرے گا، اور ان کے آداب کو بخوبی پہچان لے گا۔

توبہ

گناہوں سے بچنا ہر شخص پر فرض وواجب ہے، کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، جب انبیاء علیہم السلام توبہ سے مستغنی نہیں تھے تو کسی اور کا کیا ذکر؟ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔

میرے دل پر (بعض اوقات) پردہ آجاتا ہے، اس لئے رات اور دن میں ستر (70) بار میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔

گناہ اگر ایسے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ جیسے زنا، شراب نوشی، بنظر شہوت غیر محرم کی طرف دیکھنا، بغیر وضو کے قرآن کریم کو ہاتھ لگانا وغیرہ وغیرہ تو ان کی توبہ ندامت، استغفار اور افسوس کا اظہار کرنا ہے۔ فرائض عین میں سے کچھ ترک ہوا ہو تو توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ ان فرائض کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔

اور اگر گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو ان سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ جس کی حق تلفی ہو اُس کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اُس سے معافی بھی مانگی جائے۔ اور اگر مالکِ مال و اسباب مرگیا ہو تو توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ مال اُس کے وارث کو واپس کیا جائے۔ اور اگر وارث معلوم نہ ہو تو صاحب مال کی طرف سے نیت کر کے اس کے مال کو صدقہ و خیرات میں دے دیا جائے۔ ربّ العالمین کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِاللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا *

جوشخص برائی کرے یا اپنی جان پرظلم کرے، اور پھراللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

اور حدیث مبارکہ میں پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ اَذْنَبَ ذَنْبًا ثُمَّ نَدِمَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ"

جوشخص گناہ کرنے کے بعد نادم ہوا تو ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

گناہ پر اصرار

ندامت توبہ کی شاخ ہے،جس انسان کو خلاف شرع عمل کرنے پر ندامت نہ ہو بلکہ لذت اور سرور حاصل ہو تو اُسے اللہ سے پناہ مانگنی چاہیئے۔گناہ پر لذت کا حاصل کرنا گناہ پر اصرار کرنا ہے، اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا انسان کو گناہ کبیرہ تک پہنچاتا ہے۔اور گناہ کبیرہ پر اصرار کرنا کفر کی دہلیز ہے۔

(مکتوبات دفتر دوم:ص263)

سالک کو سنت کے چھوٹنے پر بھی توبہ کرنی چاہیئے

جوشخص عارفین کے طریقہ پر چلنا چاہے تو اُس کو مناسب یہ ہے کہ ایک سنت کے چھوٹنے پر بھی ویسی ہی توبہ کرے جیسی کہ واجب کے چھوٹنے سے کرتا ہے۔اور عارفین کے اس مذاق کے صحیح ہونے پر پیارے پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضْ، وَ فَرَضْتُ فَرَائِضْ۔ (المغنی للعراقی،ج۱،ص۷۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں اور کچھ فرائض میں نے مقرر کئے ہیں۔

اس حدیث میں پیارے پیغمبر ﷺ نے اپنی مقرر کی ہوئی سنتوں کو فرائض کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔اور پیارے پیغمبر ﷺ کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْ حىٰ * (النجم)

کہ آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ (احکام بیان) فرماتے ہیں وہ سراسر وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

یہ بھی عارفین کے اس مذاق کی دلیل ہے، کیونکہ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس قدر سنتیں وغیرہ آپ نے مقرر فرمائی ہیں، وہ درحقیقت حق تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں۔

(آداب بندگی، ص 61)

ورع و پرہیز گاری

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام کا ایک پیسہ واپس کر دینا سو پیسوں کی خیرات سے افضل ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تَكُنْ وَرْعًا، تَكُنْ اَعْبُدَ النَّاس۔

تو پرہیز گار بن تو تو بڑا مرد عابد ہو جائے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مثقال ورع پر ہیز گاری، ہزار مثقال نماز و روزہ سے بہتر ہے۔

بعض علماء کا ارشاد ہے کہ دس چیزوں کو اپنے اوپر لازم کئے بغیر ورع کا حصول ناممکن ہے۔ (1) زبان کو غیبت سے بچانا (2) بدظنی سے بچنا (3) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرنا۔ (4) حرام سے آنکھیں بند رکھنا (5) سچ بولنا۔ (6) ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا

(7) راہِ حق میں مال خرچ کرنا اور راہ باطل میں نہ خرچ کرنا

(8) اپنے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرنا

(9) نماز کی محافظت اور پابندی کرنا

(10) سنت و جماعت پر استقامت اختیار کرنا۔

مقام قرب

تقویٰ سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔تقویٰ یہ ہے کہ عقائد اور اخلاق میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف واقع نہ ہو۔تقویٰ کا تعلق نوافل کی کثرت سے نہیں، بلکہ تقویٰ نام ہے واجبات پر عمل، اور ممنوعات سے پرہیز کرنے کا۔

بغیر ولایت کے کمال کے تقویٰ کا حصول ممکن نہیں ہے۔ایک انسان قرب الٰہی کے مراتب میں جتنی زیادہ ترقی کرتا ہے، اُتنا ہی خشیت اور اللہ کا خوف اُس پر طاری ہوتا ہے، اور اسی تناسب سے وہ تقویٰ میں بڑھتا جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ *

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تقویٰ میں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

پس جب تقویٰ کی کوئی انتہا نہیں تو مقامات قرب الٰہی اور تقویٰ کے حصول میں مرتے دم تک کوشش واجب ہوگئی۔اسی لئے طلب طریقت، اور حصول کمالات باطنی کے لئے کوشش کرنا واجب ہے، اور علم باطنی میں اضافہ چاہنا فرض ہے۔اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا *

اے محمد! تو کہہ اپنے پروردگار سے کہ اے پروردگار تو میرا علم بڑھا دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مراتب قرب پر قناعت کرنا، جس طرح ناقصین پر حرام ہے،

اسی طرح کاملین پر بھی حرام ہے۔حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

در راہِ خدا جملہ ادب باید بود

تا جاں باقی است در طلب باید بود

دریا دریا اگر بکامت ریزند

کم باید کرد و خشک لب باید بود

یعنی اللہ کے راستے پر چلنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر بات میں ادب الٰہی کا خیال رکھیں

اور جب تک دم میں دم ہے قرب الٰہی کی ترقی کی طلب میں لگے رہیں

اور ہمت ایسی بلند ہو کہ دریا کے دریا بھی اگر پلا دیئے جائیں تو ان کو ایک دو گھونٹ سے زیادہ نہ سمجھیں

اور ہونٹ پھر بھی خشک ہی رہیں کہ ابھی پیاس باقی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس راستے میں قناعت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست

ہر چہ بروے می رسی ، بروے مایست

اے بھائی قرب الٰہی لا متناہی، میں جس درجہ تک بھی ترقی کر جاؤں اس سے اوپر اور درجات باقی ہی رہیں گے۔

(ارشادالطالبین:ص44)

پیر کامل کی تلاش

جب کمالات باطن کا طلب کرنا واجبات سے ہوا تو ایسے پیر کا تلاش کرنا ضروری ہوا جو کامل ہو، اور کامل بنا دینے والا ہو۔کیونکہ کامل و مکمل پیر کے بغیر خدا تک رسائی بہت ہی نادر ہے۔مولانا روم رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں ۔؎

نفس را نکشد بغیر از ظل پیر

دامنِ آں نفس کُش محکم بگیر

نفس پیر کامل کے سایہ اور تربیت کے بغیر نہیں مرسکتا

اس لئے ایسے نفس کُش پیر کا دامن خوب مضبوطی سے پکڑو۔

نفع محسوس نہ ہونے کی صورت میں دوسرا شیخ تلاش کرنا

اگر کوئی شخص ایک شیخ کی خدمت میں مدت تک حسن اعتقاد سے رہے، اور اُس کی صحبت میں تاثیر نہ پائے ،تو واجب ہے کہ اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے ، اُسے چھوڑ کر دوسرے شیخ کی تلاش کرے۔اگر شیخ کامل و مکمل میسر تو آئے مگر اس کا انتقال ہو جائے اور مرید ابھی تک تکمیلی درجہ تک نہ پہنچا ہو ،تو مرید پر واجب ہے کہ دوسرے شیخ کی تلاش کرے۔

پیر کے ادب میں غلو حرام ہے

جس طرح مشائخ کے آداب میں کمی اور کوتاہی نہایت ہی بری بات ہے،اس طرح ان کے آداب میں غلو اور زیادتی بھی حرام ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں کوتاہی لازم آجاتی ہے ۔نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں زیادتی کی ،ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ٹھیرایا،اس سے حق تعالیٰ کے آداب میں تقصیر لازم آگئی ۔

رافضیوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں غلو کیا۔ بعض نے کہا کہ العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ اُن میں حلول کر گیا تھا۔ بعض نے کہا کہ ان پر وحی آتی تھی، اور بعض اس کے قائل تھے کہ وہ اپنے ماسبق تینوں خلفاء سے افضل ہیں تو ان کے ان اقوال وعقائد سے اللہ تعالیٰ، یا رسول خدا، یا خلفائے ثلاثہ کے آداب میں تقصیر وکمی لازم آئی۔

اولیاء کو علم غیب نہیں

اولیاء کو علم غیب نہیں ہوتا، ہاں بعض غائب چیزوں کے متعلق خرق عادت کے طور پر کشف یا الہام سے انہیں کچھ علم دیا جاتا ہے۔ یہ کہنا کفر ہے کہ اولیاء کو غیب کا علم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ،

فرما دیجئے! کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے قبضے میں اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں، (کہ جس کو چاہوں دے دوں،) اور میں یہ بھی نہیں کہتا مجھے غیب کا علم حاصل ہے۔

☆ معدوم کو پیدا کرنے، یا موجود کو نابود کرنے پر اولیاء قادر نہیں ہیں۔ پیدا کرنے، نابود (فنا) کرنے، رزق پہنچانے، اولاد دینے، بلا دور کرنے، مرض سے شفا بخشنے وغیرہ وغیرہ کے لئے اولیاء سے مدد مانگنا کفر ہے۔

دعاء ایک عبادت ہے

مردہ یا زندہ اولیاء سے دعاء مانگنا جائز نہیں، دعاء ایک عبادت ہے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةَ۔

دعاء عبادت ہے۔

اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْ خُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ *

حق تعالیٰ فرماتے ہیں !تم مجھ سے مانگو، میں تمہاری سنوں گا، یقیناً جو لوگ میری بندگی سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ دوزخ میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے۔

غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے

يَا شَيْخ عَبْد الْقَادِر جِيْلَانی شَيْئًا لِلّٰه۔

کہنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ کفر وشرک ہے۔ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ اے اللہ بحرمت شیخ عبدالقادر جیلانی میری حاجت پوری فرمادے۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ *

اللہ کے سوا جس کسی سے بھی تم دعاء کرتے ہو وہ تمہارے ہی طرح بندے ہیں، انہیں یہ قدرت کہاں حاصل کہ کسی کی حاجت پوری کریں۔

☆ خلاف شرع طریقے سے، پیارے پیغمبر ﷺ کا یا کسی ولی کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔مثلاً بجائے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰه

کے بطور وظیفہ" یا محمدؐ یا محمدؐ " کہنا جائز نہیں ہے۔

☆ شرعی پابندی سے کوئی ولی یا نبی مستثنیٰ نہیں ہے، سوائے اُس مجذوب کے جو

بالکل عقل نہ رکھتا ہو کہ اُس سے شرعی پابندیاں ساقط ہیں۔

اولیاء کو معصوم سمجھنا کفر ہے

عصمت یعنی تقصیر وخطا سے پاک ہونا انبیاء کا خاصہ ہے۔عصمت سے مراد ہے صغیرہ وکبیرہ گناہ کا عمداً یا سہواً سرزد نہ ہونا۔انبیاء میں فتورِ عقل،غفلت،بہکی بہکی باتیں کرنا یا نشے میں ہونا ممکن نہیں ہے۔انبیاء کے سوا کسی اور سے عصمت کو منسوب کرنا اور کسی ولی کو معصوم سمجھنا خلاف اجماع اور کفر ہے۔

☆ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین،اولیاءِ امت سے افضل ہیں۔

قبروں پر گنبد بنانا اور چراغاں کرنا بدعت ہے

اولیاء کی قبروں کا بلند کرنا،اُن پر گنبد تعمیر کرنا،عرس وغیرہ رسوم کرنا،چراغاں کرنا، یہ سب بدعتیں ہیں،اوران میں سے بعض حرام ہیں،اور بعض مکروہ ہیں۔

حدیث میں پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: میری قبر کو عید گاہ اور سجدہ گاہ نہ بنانا۔آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ بلند قبروں کو برابر کردیں۔

قبرستان میں جا کر مندرجہ ذیل مسنون دعاء کا پڑھنا سنت ہے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّ نَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ ، وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ ، نَسْأَلُ اللهُ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ،وَ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ ، وَيَرْحَمُنَا اللهُ اِيَّانَا وَاِيَّاكُمْ ﴿

اے قبروں کے رہنے والے مؤمنو! اور مسلمانو! السلام علیکم۔تم ہم سے پہلے چلے گئے، اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں،اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ

ملنے والے ہیں۔ہم اپنے اورتمہارے لئے خدا سے راحت مانگتے ہیں، اور اللہ ہمیں اور تمہیں بخشے، اور ہم پر اورتم پر رحمت فرمائے۔

زیارت قبور کا طریقہ

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام کی مقابر کی زیارت کرنے کا مستحب طریقہ یہی ہے کہ طہارتِ کاملہ کے ساتھ درود شریف پڑھے، اور اپنے کسی صالح عمل کا جو خلوص کے ساتھ کیا گیا ہو، انہیں ثواب بخشے۔

کامل بھی فیض حاصل کرے

صاحب نسبت کو صاحب قبر سے فیض حاصل کرنے کے لئے مراقبہ کرنا جائز ہے۔
اگر کوئی صاحب کمال کسی دوسرے کو اپنے آپ سے زائد تر کامل دیکھے تو چاہئے کہ اُس سے فیض حاصل کرے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا تھا۔

اولیاء کو اظہار جائز ہے

اولیاء کو جائز ہے کہ جو انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرب الٰہی کے متعلق ہوں اُنہیں لوگوں پر ظاہر کریں۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر کرنا بھی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔ بشرطیکہ کمالات کی نسبت اپنے نفس کی طرف نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرے، اور خود کو شر اور فساد کا منبع سمجھے، اور ان کمالات سے خود کو محض اللہ کے حول وقوت سے متصف سمجھ کر شکر الٰہی بجالائے۔

غوث الثقلین کے قصائد، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات اور شیخ اکبر کی تصانیف اس قسم کے اظہار اور شکروں سے پُر ہیں، کیونکہ ارشاد باری ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ *
یعنی پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کرو۔
ابن ابی حاتم نے مقیم سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی ،اور مصافحہ کیا اور اُن سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی؟
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔
فرمایا کہ ایک مسلمان اگر کوئی نیک کام کرے تو اس سے اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دے۔اور اس کے بارے میں احادیث اور صحابہ اور سلف صالحین کے اقوال بے شمار ہیں۔
(ارشادالسالکین:ص65)

جذب

قرب الٰہی موجب جذب یعنی خدا کا اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔ یہ جذب کبھی بے واسطہ ہوتا ہے تو اسے اجتناب کہتے ہیں۔ اور اگر بواسطہ ہوتا ہے تو اس صورت میں عبادت واسطہ ہوتی ہے، یا کسی کامل کی صحبت واسطہ ہوتی ہے۔
جو جذب عبادت کے واسطہ اور ذریعہ سے ہوتا ہے اُسے ثمرۂ عبادت کہتے ہیں۔
اور جو جذب بذریعہ صحبت ہوتو اُسے تانیرِ شیخ کہتے ہیں۔غرضیکہ ناقصوں کو کسب یعنی عبادات و ریاضات اور جذب کے لئے شیخ کامل کی صحبت کی ضرورت ہے۔
جذب سے قبل سلوک شروع ہوتا ہے، اس لئے اکثر اولیاء سلوک کو جذب پر مقدم جانتے ہیں۔سالک مجذوب کی ابتدائی سیر،سیرِ آفاقی کہلاتی ہے۔
اس سیر کے لطائف میں انوار ظاہر ہوتے ہیں ،قلب کا نور زرد، روح کا نور سرخ، سر کا نور سفید، خفی کا نور سیاہ، اور اخفیٰ کا نور سبز ہوتا ہے۔ یہ سیر دور و دراز کی ہوتی ہے۔

انتہائے سیر سے قبل گرصوفی مر گیا تو ناکام رہا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو سلوک پر جذب کو مقدم کرنے کا حکم دیا۔ اس سلسلہ کے مشائخ اوّل توجہ کے ذریعہ سے لطائف عالم امر کا القاء مرید پر کرتے ہیں، یہاں تک کہ: قلب، روح، سر، خفی، اور اخفیٰ اپنے اصول میں قائم ہو جاتے ہیں۔ ایسے سالک کو مجذوب سالک، اور ایسی سیر کو اندارج النہایہ فی البدایۃ کہتے ہیں۔

☆ بعض اکابر کا قول ہے کہ جس عبادت میں محنت اور مشقت ہوتی ہے، وہ عبادت رزائل نفس کے دور کرنے میں پوری تاثیر رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے ذکر جہر، چلّے، خلوت وغیرہ امور نکالے گئے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو عبادت سنت کے موافق ہے وہی نفس کی برائیوں کے دور کرنے، تصفیہ عناصر اور قربِ الٰہی کے اصول کے لئے زائد مفید ہے۔ اسی لئے وہ بدعت حسنہ سے بھی بدعت سیئہ کی طرح بچتے ہیں۔

☆ جذب مطلق جسے اجتباء کہتے ہیں عوام کے حق میں متصور نہیں ہے۔ ہاں ایسے شخص کے توسط سے یہ درجہ حاصل ہوسکتا ہے جو باطن میں خدا سے اور ظاہر میں بندوں سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہ درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یا اب نائبِ رسول کا ہے۔ علماء ظاہر و باطن، انبیاء کے وارث یا نائب ہیں۔

بعض قوی استعداد والے لوگ پیغمبر یا کسی ولی کی روح سے بھی فیض حاصل کر کے درجۂ ولایت تک پہنچ جاتے ہیں اُنہیں اویسی کہتے ہیں، کیونکہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے بغیر پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض حاصل کیا تھا۔

جذب مطلق یعنی اجتباء جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو مبداء فیاض کے ساتھ مناسبت

رکھنے کی وجہ سے حاصل ہوا، ویسا ہی اولیاء کو بھی یہ درجہ اخیر میں حاصل ہوسکتا ہے۔ ولی جب رسول اللہ ﷺ کی متابعت سے مقامِ محبوبیت تک پہنچ کر محبوبِ خدا ہوجا تا ہے تو اس کے بعد جو ترقیاں ہوں گی، اُنہیں سیرِ مرادی کہتے ہیں۔

کبھی اس جذب مطلق یعنی درجۂ اجتباء کے حاصل ہونے کے بعد پیر سے مرید افضل ہوجاتا ہے، لیکن شیخ کا حق تربیت اُس کی گردن پر برابر رہتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ برکاتِ عبادت سے قوت، وسعت اور اقربیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس طرح سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک یعنی ولایتِ صغریٰ سے ولایتِ کبریٰ، پھر ولایتِ علیاء، اور پھر کمالات نبوت تک درجہ بدرجہ ترقی نہیں ہوسکتی۔

(سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی ؒ: ص 354)

تکفیر اہل قبلہ

تمام بدعتی فرقے اہلِ قبلہ ہیں، اُن کی تکفیر کی جرأت نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ وہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعی کے متواترات کو رد نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں نناوے (۹۹) وجوہ کفر کے ہوں، اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اُسی ایک وجہ اسلام کی تصحیح کرنی چاہئے، اور کفر کا حکم نہیں دینا چاہئے۔

(مجدد الف ثانی: ص 298)

خلع ولبس

فنا کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وجود زائل ہوجائے، اور نہ بقا کا یہ مفہوم ہے کہ ممکن سے امکان زائل ہو جائے اور درجہ وجوب حاصل ہو جائے۔ ایسا ہونا محال عقلی ہے، اور اس کا قائل کافر ہے۔ بلکہ بقا کے معنیٰ ہیں امکانیت کے باقی رہتے ہوئے صفات بشریت سے نکلنا اور صفات الٰہی سے موصوف ہونا ہے، اسی کو خلع ولبس کہتے ہیں۔

اہم نصائح

طریقۂ ذکر

ذکر کرتے وقت چاہئے کہ قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہوں کہ وہ گوشت کا ٹکڑا قلبِ حقیقی کے لئے حجرہ کی طرح ہے۔اور اسم مبارک "اللہ" کو اس قلب پر گزاریں ،اور اس وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں ، اور ہمہ تن قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں ،اور قوّت متخیّلہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں ، اور نہ اس کی طرف توجہ کریں، کیونکہ مقصود دل کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اُس کی صورت کا تصور کرنا۔

اور لفظ مبارک " اللہ " کے معنیٰ کو بغیر کسی صفت کے اس کے ساتھ ملائے ملاحظہ کریں، اور حاضر و ناظر بھی ملحوظ نہ ہوتا کہ ذاکر اللہ تعالیٰ کی ذات کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آجائے، اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑ جائے ۔

فضول گوئی سے بچنے کا طریقہ

فضول گوئی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت تسبیح رکھیں ، اور اصلی کام ذکر کو سمجھیں جس سے کوئی وقت خالی نہ ہو۔اور اگر پھر بھی فضول گوئی سرزد ہو جائے تو چار رکعت نفل کا جرمانہ ادا کریں۔

☆ شیخ کی صحبت و مکالمہ سے اپنی کوتاہیوں کا علم ہوتا ہے۔

☆ قبض ہی کی بدولت بسط میں لذت ہوتی ہے۔

☆ خواب میں سیاہ جبّہ کا پہنے ہوئے دیکھنا علامت فنا ہے ۔اور لمبا چوڑا دیکھنا کمال فنا کی طرف اشارہ ہے۔

☆ یک زمانہ صحبت باولیاء سے مراد وہ وقت ہے جو احیاناً کسی ولی پر آجاتا ہے، جس میں وہ طالب کی ایک توجہ سے تکمیل فرما دیتے ہیں، جو صد سالہ مجاہدہ سے میسّر نہیں ہوتی۔ اور کبھی شیخ کے قصد و اختیار کا بھی اس میں دخل ہوتا ہے، مگر ایسے واقعات کم ہوتے ہیں۔

☆ بیعت سے شیخ کے ساتھ تعلق زیادہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ شیخ طالب پر مطمئن ہو جائے۔

اتفاق کی جڑ

اتفاق کی جڑ تواضع ہے، اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آوے، کیونکہ نا اتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے، اور اُس سے اپنے آپ کو بڑھانا چاہتا ہے۔

درویش کی پہچان

جس درویش پر دنیا داروں کی کا ہجوم دیکھو وہ درویش نہیں بلکہ دنیا دار ہے، کیونکہ "اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْس"۔ ہر جنس اپنے ہم جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔

شریعت کے بغیر کچھ نہیں

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غوث ہو یا قطب، جو خلاف شریعت کرے وہ کچھ نہیں۔ اتباعِ سنّت ہی غوثیّت اور قطبیت ہے۔ یاد رکھو! جو بات شریعت کے اتباع اور اُن اعمال سے حاصل ہوتی ہے جو حدیث میں آئے ہیں وہ کسی سے نہیں ہوتی۔

آپ نے فرمایا کہ اتباع سنت یہی ہے کہ جیسا پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے اسی طرح کرے، گھٹائے یا بڑھائے نہیں۔

چشتی، قادری، نقشبندی وغیرہ نسبتوں کی حقیقت

ایک غیر مقلد قاضی صاحب کہتے تھے کہ چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی وغیرہ کی جونسبتیں ہیں یہ بدعت ہیں۔اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کہنا کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے، تم صرف یہی کہا کرو کہ ہم شریعت والے ہیں، کیونکہ یہ نسبتیں تو اصطلاحات اور خاص حالات کی تعبیر سہولت کے لئے ہیں۔

آخر یہ غیر مقلد بھی تو اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں۔ یہ بھی تو نسبت ہے تو کیا محمدی کہنا بدعت ہے؟ اس لئے کہ شریعت تو اللہ کی ہے، تو بجائے محمدی کے اپنے آپ کو الٰہی کہا کرو۔اور اگر محمدی کہنا کسی تاویل سے جائز ہے تو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی کہنا بھی جائز ہوگا۔گو ان کے معبرّ عنہٗ جدا جدا حقائق ہیں، مگر وہ حقائق دین کے خلاف نہیں پھر اس میں بدعت کی کیا بات ہے۔

طریقۂ اصلاح

اپنے مصلح اور ہادی سے فائدہ اور اصلاح جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اُس کے اس طرح سپرد کردے، "کَالْمَیِّتِ فِیْ یَدِ الْغَسَّالِ"۔جس طرح مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ نیز "یک در گیر محکم گیر" پر عامل ہو۔یعنی جس شخص کا دروازہ پکڑا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑنا چاہئے۔آج یہاں کل وہاں نہیں ہونا چاہئے۔

صحبت اہل اللہ

اصل یہی ہے کہ دین صرف کتابوں کے ورقوں سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اہل اللہ کے دلوں سے پیدا ہوتا ہے۔کتابیں کوئی لاکھ پڑھ لے اگر صحبت نہ ملے تو پورا اثر نہیں ہوگا۔ قلب کے اندر رنگ پیدا نہیں ہوگا۔محض کاغذ سے یا کتاب سے نہیں، اہل دل کے پاس بیٹھنے

سے اثر پیدا ہوتا ہے۔لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ کتابوں کا پڑھنا بالکل بھی نافع نہیں ہے اگر کسی اللہ والے کی صحبت میسر نہیں تو اہل اللہ کی کتابوں کا مطالعہ بھی بہت مفید ہے۔

ہم نشین

کہا گیا ہے کہ ہم نشین تین ہیں: ایک وہ جس سے تم استفادہ کر سکو،اس کو ہرگز نہ چھوڑو۔ دوسرا وہ ہے جس کو تم فائدہ پہنچا سکو اس کی عزت کرو۔ تیسرا وہ ہے جس سے نہ تم مستفید ہوسکو، اور نہ وہ تم سے فائدہ اٹھا سکے،اس سے بھاگو۔

کسی کو حقیر نہ سمجھو

کسی مسلمان کو حقیر سمجھنے سے ڈرو، کیونکہ پیارے پیغمبر ﷺ سے مروی ہے کہ:

حَسْبُ اِمْرِیءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقُرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمْ ۔

آدمی کے برا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔

اس لئے جس کو ولایت حاصل ہو وہ غرور وتکبر میں مبتلا نہ ہو۔اگر وہ تکبر وغرور میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے کم مرتبہ ہونے کی خبر دی، اور جس نے تواضع اختیار کی اس نے اپنے بلند مرتبہ ہونے کی خبر دی۔ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو کسی مومن مرد یا عورت کو ذلیل سمجھے، یا اس کے فقر اور تنگدستی کی وجہ سے اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تحقیر کرے گا، اور اس کو رسوا کرے گا۔

تین قسم کے لوگ

فرمایا کہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں ۔

ایک قسم مثل غذا کے ہیں جن سے استغناء نہیں ہوسکتا۔

ایک قسم مثل دوا کے ہیں جن کی جانب بعض اوقات ضرورت پڑتی ہے۔

اور ایک قسم مثل بیماری کے ہیں جن سے بچنا اور دور رہنا ضروری ہے۔اور وہ شریر لوگ ہیں جن کی صحبت سے بچنا لازم ہے،اشرار کی صحبت میں خطرہ ہے، اور جس نے باوجود اس کے ان کے ساتھ تعلق اور میل جول رکھا تو سمجھو کہ وہ مغرور ہے، (یعنی اسے اپنی سلامتی پر گھمنڈ ہے،اور یہ سمجھتا ہے کہ اس پر صحبت کا اثر نہیں ہوگا)۔اور اس کی مثال دریا میں سفر کرنے والے شخص کی سی ہے کہ اس کا بدن صحیح سلامت رہے تو رہے،لیکن اس کا دل خوف و خطرہ سے بچ نہیں سکتا۔

☆ فرمایا کہ جو شخص برے ساتھی کے ساتھ رہے تو وہ برائی سے بچ نہیں سکتا، اور جو بری جگہ میں داخل ہوا تو وہ تہمت سے بچ نہیں سکتا۔

☆ فرمایا کہ ہر شخص اپنے ساتھیوں اور میل جول والوں سے پہچانا جاتا ہے۔ پیارے پیغمبر کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ایک قوم کے پاس ٹھرے اور اُن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِکُمْ مَنْ وَشَرُّ کُمْ ، خَیْرُکُمْ مَن یُّرجیٰ خَیْرَہٗ ، وَیُؤَمّن شَرّہٗ، وَشَرُّکُمْ مَن لَّا یُرجیٰ خَیْرَہٗ وَلَا یُؤمّن شَرّہٗ۔

کیا میں تم کو بتاؤں کہ تم میں سے کون اچھا اور کون برا ہے؟ تم میں اچھا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید کی جائے، اور اس کی برائی سے لوگ محفوظ رہیں۔اور بُرا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید نہ ہو، اور اس کی برائی سے لوگ امن میں نہ رہیں۔

زندگی کیا ہے؟

زندگی فی الحقیقت ذکر اللہ اور اللہ کی یاد کا نام ہے۔جب کائنات، نباتات، اور

جمادات کی زندگی اسی سے ہے تو انسان کی زندگی اس سے کیوں نہیں ہوگی؟ اس لئے انسان کو سب سے زیادہ ذاکر ہونا چاہیئے تب ہی وہ زندہ ہوگا بلکہ زندہ جاوید بن جائے گا۔

کائنات کی روح

اس کائنات کی روح ذکراللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔اسی طرح پوری شریعت کی روح بھی اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔اگر دنیا میں سے روح نکل جائے تو دنیا ڈھانچہ بن جائے گی۔شریعت میں سے بھی کوئی روح نکال دے تو شریعت عادت بن جائے گی عبادت نہیں رہے گی۔

معیارِ شیخ کامل

لوگ اسلاف امّت اور اکابر اولیاء اللہ کے حالات جو کتابوں میں مدوّن ہیں،ان کو پڑھ کر وہ اپنے زمانہ میں بھی اسی معیار کے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں۔اور جب وہ نظر نہیں آتے تو مایوس ہو کر اصلاح کا خیال ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ولی کامل کے لئے جو کم سے کم شرائط ہیں اُن کو تلاش کرتے تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ انشاء اللہ صادقین کاملین مل جائیں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ ناواقفیت سے دل کے دھڑکنے یا جسم کے تھرتھرانے کو قلب کا جاری ہونا سمجھتے ہیں،حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں۔بلکہ قلب کا جاری ہونا ذکر کے آثار پیدا ہو جانے کا نام ہے۔

نورانیت سے کسی چمک کا نظر آنا مراد نہیں،بلکہ مراد یہ ہے کہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہو۔گویا دل میں نورانیت آنا ہے۔نیز فرمایا کہ ایک درجہ کا خلوص ہی ذکر کے آثار ہیں۔

طلب صادق اور صحبت

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلب صادق ہو تو کچھ عرصہ بعد شیخِ کامل کی صحبت میں اس کا عکس ظاہر ہونے لگتا ہے۔

صحبت کی ضرورت

شیخ کی طرف اپنے آپ کو منسوب تو سب کرتے ہیں مگر پختہ وہی ہوتا ہے جو صحبت میں مدت مدید پانے کے بعد پک کر نکلے۔

ریاضت کا ثمرہ

طالب کی ریاضت ایسی ہے جیسے زمین پودے کی جڑوں کو اپنی چھاتی کے اندر کھینچ کر رکھتی ہے۔ اور شیخ کی توجہ ایسی ہے جیسے مالی پودے کو پانی دیتا ہے۔ دونوں چیزیں ہوں تو ترقی ہوتی ہے۔

سلوک کبھی تمام نہیں ہوتا

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس لفظ پر بہت تعجب ہوتا ہے جب کوئی صاحب کسی صاحب کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا سلوک تمام ہو گیا۔ کیا سلوک بھی کبھی تمام ہوسکتا ہے؟ یہ تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے، یہ تو خود اپنی کم ہمتی اور خامی کی دلیل ہے۔ جس نے سمجھا کہ سلوک تمام ہو گیا۔ اس کی ترقی رک گئی، اور وہ ایک منزل پر رہ گیا۔

اسی طرح یہ کہنا بھی مجھے بہت محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ختم کر لیا، حدیث کا دورہ مکمل ہو گیا، بھلا قرآن وحدیث کا بھی کہیں اختتام ہے؟ یوں کہنا چاہئے کہ میں نے اپنی تمام عمر کر دی۔

اے برتر از قیاس و خیال وگمان ووہم
وزہرچہ گفتہ ایم نوشتہ ایم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

اے (وہ ذات کہ جو ہر) خیال و قیاس وگمان ووہم سے برتر ہے
اور ہر اس چیز سے بھی جو ہم نے کہی یا لکھی یا پڑھی۔
(زندگی کی) منزل پوری ہوگئی اور عمر بھی اختتام کو پہنچی
لیکن ہم ابھی تک (تیری ثنا کے) پہلے وصف میں ہی اٹکے ہوئے ہیں۔

کیفیت حاصل نہ ہونے کی بلیغ مثال

ایک مرتبہ کچھ ذکر وشغل کرنے والوں نے جو ایک شیخ سے تعلق رکھتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ ہم عرصہ سے "اللہ اللہ" کر رہے ہیں لیکن ہمارے اندر کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوئی، اور نہ ہم کو اس کا کچھ احساس ہوتا ہے۔

فرمایا: ذکر کرتے وقت آپ کو کچھ وساوس اور خیالات آتے ہیں؟ انہوں نے کہا بہت۔ فرمایا کہ شکر کیجئے کہ ذکر اپنا کام کر رہا ہے۔ یہ اس اثر کی دلیل ہے۔ آپ کنواں کھودتے ہیں تو پہلے کیا نکلتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ مٹّی اور پتھر۔ فرمایا جو کچھ باطن میں ہوتا ہے پہلے وہی نکلتا ہے، اس کے بعد پانی کی نوبت آتی ہے۔

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی خصوصیت تھی کہ آپ نے اُن کو بھرے ہوئے لبا لب حوض پر لے جا کر کھڑا کر دیا، اور ان کو مٹی اور پتھر نکالنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ گوہر مقصود اور نسبت باطنی ان کو یکدم سے حاصل ہوگئی۔

دنیا مقام آزمائش و امتحان ہے

دنیا مقام آزمائش و امتحان ہے، بظاہر شیرین اور تروتازہ ہے، لیکن فی الحقیقت عطر میں بسا ہوا مُردار، مکھیوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرا ہوا کوڑا، پانی کی طرح نظر آنے والا سراب، اور میٹھا شکر نُما، زہر ہے۔اس کا فریفتہ دیوانہ اور جادو کا مارا ہوا ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: دنیا اور آخرت باہم سوکنیں ہیں، اگر ایک راضی تو دوسری ناراض ہوگی۔ جو شئے تجھے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہٹائے وہی دنیا ہے۔

(مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ص:175)

☆ وہ مباح اباحت سے خارج ہو جاتا ہے جس کے اختیار کرنے سے امور واجب فوت ہو جائیں۔

☆ غیرِ حق کا گزر دل پر نہ ہو تو اس حالت کو فنا سے تعبیر کیا گیا ہے، اور سلوک کے راہ میں یہ پہلا قدم ہے۔

غیر اللہ کو مقصود ٹھرانا

☆ حق تعالیٰ شانہٗ کے سوا کسی کو مقصود ٹھرانا اُسے معبود ماننا ہے، اور غیر کی عبادت اور اس کو معبود ٹھرانے سے اسی وقت نجات ملتی ہے جب حق تعالیٰ شانہٗ کے سوا کچھ مقصود نہ رہے۔

قیامت کی علامتیں

قیامت کی علامتیں جو مخبر صادق ﷺ نے بیان فرمائی ہیں سچ ہیں، یعنی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت امام مہدی کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، دجّال کا خروج، یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا، دابۃ الارض کا نکلنا، آسمان سے دھویں کا اٹھ کر تمام لوگوں کا

گھیر لینا، اور دردناک عذاب دینا، اورعدن سے آگ کا ظاہر ہونا وغیرہ۔

روئے زمین کے سالک

پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمام روئے زمین کے سالک (یعنی حکومت کرنے والے) چار اشخاص ہوئے ہیں، ذوالقرنین، حضرت سلیمان علیہ السلام، نمرود، بخت نصر۔ اوّل الذکر دومومن تھے اور آخر الذکر دونوں کافر تھے۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ پانچواں سالک میرے اہل بیت سے امام مہدی ہوگا۔

دین اسلام کے پانچ اصول

دین اسلام کے پانچ اصول ہیں (1) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا یعنی کلمہ طیبہ پڑھنا۔ (2) پانچ وقت کی نماز پڑھنا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ (3) رمضان المبارک کے مہینے کے روزے رکھنا۔ (4) مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔ (5) حج بیت اللہ کرنا۔

☆ عقائد درست کرنے کے بعد شرع کے اوامر کا بجا لانا، اور نواہی سے دور رہنا ضروری ہے۔

پانچ وقتہ نماز بغیر تعدیل ارکان میں کمی کئے ہوئے با جماعت ادا کرنا چاہئے، اس لئے کہ کفر و اسلام میں نماز ہی کا فرق ہے۔

سلطان الاذکار

☆ سلطان الاذکار کی حقیقت آثار ذکر کا غلبہ ہے، اور اس کا طریقہ اصل میں کثرت ذکر مع الاستحضار ہے۔

☆ کبھی دل و زبان کا بے اختیار ذاکر ہو جانا اور کشش کا محسوس ہونا سلطان

الاذکار کا اثر ہوتا ہے۔ اگر نماز کے متصل ایسی کیفیت ہوتو یہ نماز کے ساتھ مناسبت تامّہ ہونے کی علامت ہے۔اور زبان کا بوقت ذکر شیریں ہونا علامت سرایت ذکر کی ہے، اور آثار سلطان الاذکار میں سے ہے۔اسی طرح اگر مراقبہ میں بدن مثل دھنی ہوئی روئی کے معلوم ہوتو یہ بھی سلطان الاذکار کا اثر ہے۔

☆ سلطان الاذکار میں کبھی اپنا جسم بہت بڑا معلوم ہوتا ہے جو علامت بقاء کی ہے، اور کبھی لاشئ محسوس ہوتا ہے (یعنی کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا) جو علامت فنا کی ہے۔اور اگر اپنا جسم اوپر کی طرف جاتا ہوا معلوم ہوتو ملکوت سے مناسبت کی علامت ہے۔

☆ بوقت ذکر کانپنا، آواز کا چڑھنا، دماغ کا بیخود ہونا، اگر ضعف نہ ہوتو یہ سلطان الاذکار کا اثر ہے۔

☆ ذکر میں نزع کی کیفیت کا طاری ہونا سلطان الاذکار کی علامت ہے۔

☆ سلطان الاذکار کی آواز اپنے ہی اندر کی ہے، مگر چونکہ یک سوئی کا ذریعہ ہے اس لئے نافع ہے۔

☆ مشائخ کے پاس خالی ہوکر آنا چاہئے تا کہ بھرا ہوا واپس جائے۔

☆ رنج اور مصائب بظاہر تلخ اور جسم کو تکلیف دینے والے ہیں، لیکن حقیقت میں شیریں اور روح کو لذت بخشنے والے ہیں۔

☆ مردوں کی طرف زندوں کا ہدیہ یہ ہے کہ مُردوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کیا جائے۔

☆ جب ظاہر باطن کے رنگ میں اور باطن ظاہر کے رنگ میں رنگا جائے تو پھر کیا مشکل ہے کہ ظاہر کے احکام باطن میں اور باطن کے احکام ظاہر میں پیدا ہو جائیں۔

☆ شریعت و طریقت دونوں کا کمالِ مقصود بندگی وعبدیت ہی ہے، یعنی

مرضیاتِ نفس کو مرضیاتِ حق میں فنا کر دینا، اور اپنے اعمال کو بالکلیہ حق تعالیٰ کے احکام کے تابع کر دینا جس کا حصول صرف اسلام ہی کی راہ سے ممکن ہے۔

☆ کھانے سے مقصود طاعت کے ادا کرنے کی قوّت ہے۔لباس سے ستر عورت چھپانا،اور سردی اور گرمی کا دور کرنا ہے۔کام کا وقت جوانی کا زمانہ ہے، آج کا کام کل پر نہیں ٹالنا چاہئے۔

☆ جو اللہ تعالیٰ کے احکام بجا نہیں لاتا وہ یا تو شرعی احکام کو جھوٹا سمجھتا ہے،اور اس پر یقین نہیں کرتا، یا عظمت وشان خدا تعالیٰ کو دنیا داروں کی شان وعظمت سے حقیر جانتا ہے۔

☆ اوّل عقیدہ درست کرنا چاہئے، پھر حلال وحرام،فرض وواجب،سنت ومستحب اور مباح ومشتبہ کے متعلق علم حاصل کرنا چاہئے،اور پھر علم کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

☆ مدار نجات دو چیزیں ہیں:اوّل اوامر کا بجالانا،اور دوم نواہی سے باز رہنا۔

☆ چند روزہ زندگانی کو ربّ العالمین کی رضامندی میں صرف کرنا چاہئے، یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ رب ناراض رہے۔

☆ دل لگنے کا انسان مکلف نہیں،البتہ خود دل کا متوجہ رکھنا ضروری ہے۔

☆ جب تک چند روز تعلیم یا صحبت سے مناسبت نہ پیدا کر لے،بیعت میں جلدی نہ کرے۔

☆ بعض سالکین کے لئے انوار وغیرہ کا منکشف نہ ہونا ہی مصلحت ہوتا ہے۔

☆ 20 منٹ تک خلوت میں یہ مراقبہ کرنا کہ عرش پر روشنی مشابہ نور ماہ کے پھیلی ہوئی ہے، اور وہاں سے مثل بارش کے میرے قلب پر مترشح ہوتی ہے۔اور ہر وقت "یَابَاسِطُ" کا پڑھنا وحشت کو دور کرتا ہے۔

☆ ورد کے ترک ہونے پر افسوس کرنا بھی دولت ہے۔

☆ جس پیر کے اکثر مرید بے نماز اور غیر صالح ہوں، وہ قابل بیعت نہیں ہے۔

☆ مبتدی کے لئے خلوت بہتر ہے، اور سفر بغرض زیارات مضر ہے۔اور منتہی غیر عالم کے لئے سفر بغرض زیارات مضر نہیں ہے۔جبکہ عالم کے لئے نفع رسانی سے مانع ہے۔

☆ ضعیف الہمت صاحب اولاد کے لئے اسباب وتدبیر بہتر ہے، اور قوی الہمّت مجرد کے لئے توکّل۔

☆ تعلیم شیخ کے علاوہ اوراد کے پڑھنے کی تین شرطیں ہیں:

(1) تعلیم شیخ میں مخل نہ ہوں۔ (2) قوت سے زیادہ نہ ہوں۔

(3) شرع کے خلاف نہ ہوں۔

☆ زیادہ مصروفیات وہجوم مشاغل میں تھوڑا کام بھی بالکل ناغہ ہونے سے بہتر ہے، اور کوتاہی کی تلافی استغفار ہے۔

☆ ثمرات وکیفیات پر نظر کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے، اصل مقصود عمل ہے۔

☆ اگر کسی کو مراقبہ میں یہ معلوم ہو کہ کسی نے اذان دی، اور اختتام پر بہت زور سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کہا، جسے سن کر بیدار ہو گیا تو یہ عالم قدس سے اتصال کی علامت ہے۔

☆ اگر روشنی پھیل رہی ہے اور روشنی میں تمام جسم نظر آ رہا ہے تو یہ لطائف کے انوار ہیں۔

☆ تصور شیخ بعض حالات میں مفید ہوتا ہے، مثلاً ذکر میں خوف کے دور کرنے کے لئے یا یکسوئی حاصل کرنے کے لئے، مگر اُس کو حاضر وناظر نہ سمجھے۔

☆ ذکر وشغل کے زمانہ میں دودھ اور روغنی اشیاء کا استعمال کرنا چاہئے، ورنہ خشکی اور ذکر کے آثار باہم مشتبہ ہو جاتے ہیں۔

☆ اگر طبیعت میں شمار ذکر سے انتشار ہو تو شمار کرنے اور تعداد کو چھوڑ دینا چاہئے

کیونکہ وہ مقصود نہیں ہے۔

☆ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ قلب کی طرف سے ایک ایسی آواز آرہی ہے جو دو درخت یا بانس کے رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے، یہ ذکر قلب کے آثار سے ہوتی ہے، مگر قابل التفات نہیں ہے۔

☆ دوام ذکر دل کی توجہ کے ساتھ، اور وقتاً فوقتاً شیخ کو اپنے احوال کی اطلاع، اور کبھی کبھار اُس کی صحبت میں حاضری، یہ سب چیزیں حضور دوام، وفنا، ومعیت کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

☆ تجربہ ہے کہ اگر بقصدِ خشوع ذکر، وتلاوت، ونماز پر مداومت ہوتو خشوع اور تمام کیفیات محمودہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیر ہونے سے پریشان نہ ہوں۔

☆ ذکر لسانی پاس انفاس سے زیادہ مفید و نافع ہے، کیونکہ مسنون ہے۔

☆ ابتدائے سلوک میں ہر شخص پر مختلف کیفیات ہوتی ہیں مثلاً کبھی شوق، کبھی دل خالی، کبھی گریہ، یہ سب تلوّنیات ہیں۔ اوّل کو بسط اور دوسرے کو قبض کہتے ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد مقام تمکین واستقلال عطا ہوتا ہے۔

☆ سالک کسی کو حقیر نہ سمجھے، اور دل میں اعتقاد رکھے کہ میں سب سے کمتر ہوں اور اُس وقت اپنے عیوب کو پیشِ نظر رکھے، اور جن کو حقیر سمجھتا ہو اُن کی خوب تکریم کرے، اور بہ تکلف ابتداءً سلام کرے۔

☆ رات کو جلدی کھانا، اور کم کھانا، اور نماز عشاء کے بعد جلد سونا اخیر شب میں آنکھ کھلنے کے لئے معین ہے۔

☆ تصوّف کا مقصود رضائے حق ہے، جو دنیا میں مجاہدات و ریاضیات سے حاصل ہوتی ہے، اور آخرت میں اس کا ظہور ہوگا، اور اس کے حصول کی شرط یہ ہے کہ رہبر پر

پورا بھروسہ کرے۔

☆ خشکی اور حرارت بڑھ جائے تو تمام اذکار کو ترک کر کے درود شریف پر اکتفا کر کے خشکی کا علاج کرنا چاہئے۔

☆ کسی کام کو بلا اجازت شیخ نہ کرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اطلاع کے بعد اگر شیخ منع کر دے تو اس سے باز رہے۔ اور مشائخ کے اس ارشاد کی کہ شیخ کی اجازت کے بغیر کوئی دنیوی اور دینی کام نہ کرے، یہی تفسیر ہے۔

☆ آثار ذکر و کیفیات کو بقاء نہیں ہے، اس کے حصول پر شکر کرے، اور زوال پر دل گرفتہ نہ ہو۔

☆ شیخ کو اپنے متوسلین سے کسی قسم کا لالچ نہیں کرنا چاہئے۔

☆ جس کو دوام حضور حاصل ہے اس کو بارہ تسبیح میں "اَللّٰہُ حَاضِرِیْ، اور "اَللّٰہُ مَعِیْ" کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

☆ "اَللّٰہُ نَاظِرِیْ" اور "اَللّٰہُ مَعِیْ" صرف نفی واثبات کے درمیان پڑھنا مشائخ سے منقول ہے۔ مگر اور اذکار دوضربی و یک ضربی میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ بعد نمازِ عشاء کے چودہ سو چودہ (1414) مرتبہ "یَا وَھَّابُ" پڑھنا حاجت براری کے لئے مفید ہے۔

☆ مراقبہ میں قرآن مجید کا سامنے رکھا ہوا ناظرہ پڑھنا علامت ہے کہ اس کا باطن دین کے رنگ سے رنگین ہے۔

☆ حق تعالیٰ بیمار بھی رکھیں تو اُس پر راضی رہنا چاہئے کیونکہ وہ بھی رحمت و حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اس تصور سے کچھ غم نہ ہوگا۔

☆ قبض بسط سے افضل ہے کیونکہ اس میں شکستگی اور تواضع حاصل ہوتی ہے۔

☆ خواب میں شیخ یا کوئی اور کامل کسی امر کی ہدایت کرے تو یہ اعتقاد نہ کرے کہ خود ہی شیخ یا ولی تھے۔ بلکہ ایک لطیفۂ غیبی نے اس خاص صورت میں ہدایت دی۔

☆ اگر داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر بسم اللہ پڑھ کر کسی ناراض شخص کو سلام کرے تو یہ عمل باعث رضامندی ہوگا۔

☆ مراقبہ کی تعلیم اس شخص کو دینی چاہئے جو صاحب علم ہو، یا صحبت سے صاحبِ فہم ہوگیا ہو۔

☆ نماز میں نماز کی طرف توجّہ مقدّم ہے، اور بلا اختیار ذکر قلبی جاری ہو جائے تو مخل صلوٰۃ نہیں ہے۔

☆ اگر آخر شب میں تہجد میسّر نہ ہو سکے تو بعد عشاء کے اپنے وظائف پورے کرے۔

☆ ذکر جہر سے سونے والوں کو تکلیف ہوتو ذکر خفی کرنا چاہئے۔

☆ ذکر ختم ہونے پر یہ دعاء پڑھنا چاہئے، اے اللہ! اپنی محبت و معرفت اور توفیقِ ذکر و طاعت نصیب فرما۔ اور ختم تلاوت پر یہ الفاظ پڑھنا چاہئے، تلاوت و عمل بالقرآن کی توفیق بخش۔

☆ خلوت کا ایک وقت مقرر کر کے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا 500 بار اس طرح ذکر کرے کہ بوقت نفی اس کے غیر کے تعلق کو قلب سے خارج کرنے کا تصوّر کیا جائے، اور بوقت اثبات محبت خدا اور رسول کو قلب میں داخل ہونے کا تصوّر جمایا جائے۔

☆ مابعد الموت کا مراقبہ کہ دنیا سے رخصت ہو کر اللہ رب العزت کے روبرو جانا ہے جب سوال کیا جائے گا تو کیا جواب دوں گا؟ اور اللہ رب العزت کو کیا منہ دیکھاؤں گا؟۔

☆ استغفار کی کثرت کرے۔

☆ طریق کا مقصود صرف قربِ حق ہے، اور اس کی تحصیل کے لئے اعمال حسنہ و عقائد صحیحہ و اخلاقِ محمودہ کی ضرورت ہے، جن کی تفصیل صرف شارع بتاتا ہے۔

☆ تلاش شیخ کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے اعتقاد ہو اس کے پاس چند روز رہے۔

☆ ورد کا وقت معین میں پورا کرنا تفریق (یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے پورا کرنے) سے زیادہ نافع ہے۔

☆ اگر کسی وقت تکان معلوم ہو تو ذکر کم کر دیں۔

☆ تعدادِ ذکر کے تعین میں یہ اقرار ہے کہ اگر چہ خداوند تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں، مگر اس کے احاطہ سے ہم عاجز ہیں۔ اور نیز تعداد مقرر کرنے سے تجربہ ہے کہ کام پابندی سے ہوسکتا ہے۔

☆ کسل طبعی نہ مضر ہے نہ مذموم، اور جس (کسل) کی وعید آئی ہے اُس سے مراد کسلِ اعتقادی ہے، یا اعمال سے بےفکری ہے۔

☆ مشغول آدمی کے لئے معمولات قلیلہ بھی غنیمت ہیں۔

☆ آفتاب کی چمک، ستارہ کی روشنی، اسی قسم کے بہت سے انوار یکسوئی کی وجہ سے نظر آتے ہیں، جو ذکر کے آثار سے ہیں۔

☆ منتہی کے لئے نفع رسانی اذکار و اشغال سے افضل ہے۔

☆ اصلاح بغیر ہمت کے کسی کی توجہ سے نہیں ہوتی، اور نری تمنّا ہوس ہے۔

☆ شیخ کے ساتھ حسنِ ظن سے فضل الٰہی متوجہ ہوتا ہے۔

☆ بدن میں جھینگر کی آواز کا آنا، یا تمام بدن سے ذکر کا جاری ہونا آثارِ ذکر سے ہے۔

☆ جب تک تمام سے منہ موڑ کر مرشد سے کامل اعتقاد نہ ہو، اور حجاب نہ ٹوٹے

اس وقت تک فیض حاصل نہیں ہوتا۔

☆ حبسِ دم بھی قبض کے دور کرنے کا علاج ہے۔

☆ مبتدی کے لئے کشف وکرامات رہزن ہیں۔

☆ ہاتھوں میں کوئی شے رینگتی ہوئی معلوم ہونا حالتِ محمود ہے۔اس سے یکسوئی ولذّتِ ذکر میسّر ہوتی ہے۔

☆ مراقبہ میں محویت کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ ایک دن یا دو دن کے فاصلہ سے کرے۔

☆ دریا کا نظر آنا عالمِ ملکوت ہے، اورنور کا اس میں چلنا عملِ روحانی ہے، اور خود ذاکر کا چلنا عمل بدنی ہے۔

☆ جو شخص کے حضرت عیسیٰؑ کے قدم پر ہوتا ہے اُس پر زُہد وتوکل کا غلبہ ہوتا ہے۔

☆ کشف سالکین کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ لڑکوں کے حق میں شیرینی کہ باعثِ ترغیب ہے مگر مقصود نہیں۔

ناسوت اور ملکوت

ناسوت ناس سے مشتق ہے یعنی آدمیوں کے رہنے کی جگہ، اور ملکوت ملک سے مشتق ہے یعنی فرشتوں کے رہنے کا مقام۔

☆ دھوئیں کا نظر آنا مرتبۂ فنا ہے۔

☆ قبض و بسط دونوں حالتیں ہیں، اگر ایک حال رہے تو اس کا نہ کوئی لطف، اور نہ اُس کی کوئی حقیقت معلوم ہو، جیسے کسی شخص نے کبھی کڑوی چیز نہ کھائی ہو تو میٹھے کی حقیقت سے نا آشنا رہے گا۔

☆ اگر اصلاحِ باطن اس غرض سے کرے کہ لوگوں کو بیعت کروں گا تو اُس کی

اصلاح کبھی نہیں ہوسکتی۔

☆ بیعت لینے کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے کو اہل نہ سمجھے۔

☆ اگر سالک کی صفات ذمیمہ جس قدر ہیں سب مبدّل بہ صفات حمیدہ ہو جائیں تو اس کو اصطلاح میں فنائے حسّی اور واقعی کہتے ہیں۔ اور صفات حمیدہ کے پیدا ہونے کو بقاء کہتے ہیں۔

☆ اگر غلبۂ شہود ذات و صفاتِ حق کی وجہ سے اپنی ہستی سے بے التفات ہو جائے یا لاشیءِ خیال کرے تو اس کو اصطلاح میں فنائے علمی کہتے ہیں۔

☆ اگر اس علم فنا سے بھی ذہول ہو جائے تو اس کو فنا در فنا، اور فناء الفناء کہتے ہیں۔اور اس کے بعد جو کیفیت حاصل ہو اُس کو بقاءُ البقاء کہتے ہیں۔اور سیر الی اللہ جس سے مراد انقطاع ما سوا اللہ ہے، یہاں ختم ہو جاتا ہے۔

☆ سیر فی اللہ، دوام توجہ الی اللہ سے شروع ہوتا ہے جس کی تجلّی و مشاہدہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور غلبۂ حال یا مکاشفہ میں جو چیز منکشف ہوتی ہے اُس کو تجلّی مثالی کہتے ہیں، کیونکہ وہ مثال ہے تجلّی حقیقی کی جو آخرت میں ہوگی۔

(آئینۂ تربیت: ص 27)

☆ معرفت ہر شخص کی بقدر محبت وتقویٰ کے ہوتی ہے۔ آخرت میں ہر شخص کو اُس کی معرفت وتقویٰ کے موافق دیدار ہوگا۔ جیسا کہ اس عالم میں معرفت سے سیری نہیں ہوتی، وہاں بھی دیدار سے سیری نہیں ہوگی۔

☆ فنا میں بے خودی نہیں ہوتی، جس میں بے خودی ہوتی ہے اس کو اصطلاح میں غَیبت کہتے ہیں۔نسبت فنا کی زائل نہیں ہوتی، مقام ہو جاتی ہے۔اور نسبت ایک ہی ہے صرف اس کی کیفیات اور اَلوان (رنگ) بمقدار استعداد مختلف ہوتے ہیں۔

☆ نسبت جو عبارت ہے حضور مع اللہ سے اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔اور جو سلب کی جاتی ہے وہ کیفیت شوق ہے جو ذکر کی برکت سے پھر عود کر سکتی ہے۔

☆ اصطلاح صوفیہ میں توجہ الی الصفات کو مشاہدہ کہتے ہیں ۔ اور توجہ الی الذات بلا التفات الی الصفات کو معائنہ، اور تجلّی ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں ۔

☆ کسی کیفیت و حال کو بقاء نہیں ہے۔

☆ لطائفِ ستّہ کے اَلوان و اَنوار سلوک کا جز نہیں ہیں ،صرف یکسوئی میں معین و مددگار ہوتے ہیں۔

☆ مکاشفات وخواب میں حق تعالیٰ کو دیکھنا صورتِ مثالیہ میں سے کسی لَون (رنگ) کو دیکھنا ہے جو مخلوق ہے، اس کو تجلّی مثالی کہتے ہیں۔

☆ صاحب نسبت کے پہچاننے کا بہتر طریقہ اعمال سے ہے کہ اتباع کامل شرع کا ہے یا نہیں ہے۔ دوسرا طریقہ احوال سے پہچاننے کا ہے، اور اس کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔

☆ اگر کسی تجلّی کے ظہور کے بعد ضلالت ووحشت کی علامت پائی جائے تو یہ تجلّی شیطانی ہے۔اور اگر ہدایت، انس وفرحت کی علامت پائی جائے تو تجلّی رحمانی ہے۔

☆ تجلّی کا ادراک صرف قلب سے ہوتا ہے، اگر چہ ظاہری آنکھ بند کر لی جائے۔

☆ ذکر قلبی عبارت ہے شہود قلب سے بلا توسطِ زبان کے۔ذکر قلبی کی جب لطافت بڑھ جاتی ہے تو اس کو ذکر سری کہتے ہیں۔اور ذکر سری کی جب لطافت بڑھ جاتی ہے تو اس کو ذکر خفی کہتے ہیں۔علی ہٰذا القیاس اخفیٰ بھی یہی ہے۔

☆ قبض و بسط کی دو حالتیں اگر عامی ومبتدی کو ہوں تو خوف و رجاء ہے، اور متوسط کو ہوں تو قبض و بسط، اور منتہی کو ہوں تو اُس کو اُنس و ہیبت سے تعبیر کرتے ہیں۔

☆ ایک نظر میں نوازنا شیخ کا اختیاری امر نہیں ہے، اس کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔اور ایک نظر میں خدا رسیدہ بنانے کے یہ معنیٰ ہیں کہ طالب میں استعداد، اور صلاحیت اعمال اختیار یہ کرنے کی ہو جاتی ہے، اور باقی تکمیل تو خود عمل سے ہوتی ہے۔

☆ ولایت مقبولیت کو کہتے ہیں، اور نسبت بھی یہی ہے۔

☆ فنائے ذاتی میں صفات وممکنات کی جانب توجہ نہیں ہوتی ہے، اور فنائے حسّی میں ممکنات کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

☆ تمثیلات ومراقبات مبتدی کے لئے ہیں جس کو براہ راست استحضار نہ ہو۔

☆ تصورحق اس طرح کرے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے۔اگر ذات کا تصور نہ جم سکے، اور خطرات کا ہجوم ہو تو قلب کی طرف متوجہ ہو کر یہ تصوّر جمائیں کہ دل اللہ اللہ کر رہا ہے۔

☆ اصلاح اعمال کے لئے بیعت شرط نہیں ہے۔

☆ ضعیف الدماغ کو بلاضرب ذکر خفی کرنا چاہئے۔

☆ بلا شدید ضرورت کے ذکر میں بات چیت نہ کرے۔

☆ واردات پر ناز، یا اس کو کمال سمجھنا مضر ہے۔

☆ اذکار میں سے جس ذکر سے جمعیت خاطر ہو وہی اس کا مربّی اور ترقی کا کفیل ہے۔

☆ ذکر اللہ میں خاصیت یہ ہے کہ ذکر اعتقادی سے اطمینان اعتقادی، اور ذکر حالی سے اطمینان حالی حاصل ہوتا ہے۔

☆ ذکر قلب کی آواز، سرایتِ ذکر کی علامت ہے، جو مقصود کا زینہ ہے۔

☆ میرے سینہ میں عرش معلّٰی سے نور آرہا ہے، یہ مراقبہ یک سوئی کے لئے

مفید ہے۔

☆ اتباعِ احکام شرعیہ وکثرتِ ذکر سے اللہ اور رسول کی محبت بڑھتی ہے۔

☆ معمولات میں جس روز جس ذکر سے دلچسپی ہو اُسی کو معمول سمجھے۔

☆ بجائے کثرت کے مداومت عمل زیادہ محبوب ہے، اس لئے تمام شب، شب بیداری خلاف سنت ہے۔

★ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ★

کیا تو نہیں جانتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

استحضار کے لئے مفید ہے۔ اوّل تین، چار مرتبہ تلاوت کرکے یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے افعالِ ظاہرہ و باطنہ کو دیکھ رہے ہیں۔

☆ یادداشت کے قصد سے تسبیح رکھنا اولیٰ ہے۔

☆ اصلاحِ خیالات بجز کامل شیخ کی صحبت کے میسّر نہیں ہوتے۔

☆ ذکر کے لئے کسی نشست کی قید نہیں ہے۔

☆ عادۃ اللہ یہی ہے کہ استفادہ خاص زندوں سے ہوتا ہے۔

☆ کبھی کبھار ذاکر کے سامنے چراغ کی روشنی نظر آتی ہے جو پھر زائل ہو جاتی ہے یہ آثارِ ذکر سے ہوتی ہے۔

☆ اتفاقاً بضرورت شدیدہ کسی مہمان کی خاطر سے معمولات میں تغیّر ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

☆ خلافت حقیقی یہ ہے کہ اپنے پیر کے رنگ میں رنگ جائے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ ظاہراً یا باطناً اس کی خواہش نہ کرے۔

☆ اگر تلاوت قرآن سے اتنی دلچسپی ہو کہ تمام اوراد بھی ترک ہو جائیں تو حصول، مقصود کے لئے معین ہوگا۔

☆ اگر بعوارض معمولات میں کوتاہی ہوتو یہ تنزل نہیں ہے، دوسرے وقت اس کا تدارک کرے، ورنہ استغفار۔

☆ کھڑے ہوکر ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

☆ ترکِ نعمت ناشکری ہے۔

☆ مجاہدہ پر ایک مدت گزرنے سے طبعاً ملال اور تکاسل پیدا ہوتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ معمولات کی مقدار نصف کر دیں، یا ایک دن کے فاصلہ سے کریں۔

☆ اس زمانہ میں قلّتِ مجاہدہ پر وہی دولت نصیب ہوتی ہے جو سلف کو مجاہدۂ عظیم پر میسّر ہوتی تھی۔

☆ پیارے پیغمبر ﷺ کے فیوض کے مختلف طریق ہیں، کبھی اُنس، کبھی ہیبت، اس لئے سالک پیارے پیغمبر ﷺ کو مختلف حیثیتوں سے خواب میں دیکھتا ہے۔

☆ اگر کسی حسین کی طرف میلان ہوتو یہ تصوّر کرنا چاہئے کہ حقیقی جمیل حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ دوسری طرف نظر نہ کرنا چاہئے۔

☆ مداومتِ عمل پسندیدہ ہے اگر چہ کم ہو۔

غصّہ کا علاج

☆ جس پر غصّہ ہو، اُس سے دور ہوجانا، اور اعوذ باللہ پڑھنا، اپنی خطاؤں اور غضبِ خداوندی کو یاد کرنا، غصّہ کا علاج ہے۔

☆ نوافل کا گھر میں ادا کرنا بہتر ہے، مگر سکون وجمعیّت اگر مسجد میں ہوتو گھر سے افضل ہے۔

☆ جس شخص کو اللہ کے ساتھ توکل اور یقین کی دولت نصیب ہو جائے اس کو کبھی پریشانی نہیں ہوتی۔

☆ اپنی قبر کو دیکھنا فنا کی بشارت ہے۔

☆ جو قابل عظمت نہیں ہیں، ان کی تعظیم بغرض خوشامد ممنوع ہے، اگر شر سے بچنا مقصود ہوتو جائز ہے۔

☆ ذکر سے مقصود یہ ہے کہ تعلق مع اللہ پیدا ہو جائے۔

☆ ضروری معاش میں مشغول ہونا بھی عبادت ہے، اس لئے اگر وظائف میں حرج ہوتو دل گرفتہ نہ ہو۔

☆ اپنے حال کو کچھ نہ سمجھنا عبدیت ہے۔

☆ وظائف کی ایک تعداد مقرر کر کے پھر حسب نشاط جس قدر چاہے پڑھ سکتا ہے

☆ اگر ضروری اعمال پر مداومت ہوتو دل نہ لگنا قابل ملامت نہیں ہے۔

☆ قلب سے نور کا نکلنا اور رفتہ رفتہ تمام جسم اور عالم کو محیط ہونا یہ ایک مراقبہ ہے جو یکسوئی کو مفید ہے۔

☆ ذکر کے وقت اگر ذاتِ حق تعالیٰ کا تصور قائم ہو، اور صفات و اسماء سے ذہول ہو جائے تو یہ تجلّی ذاتی ہوگی۔

☆ ذکر میں تحسین حروف و تجوید کا اہتمام توجہ و یکسوئی کا مانع ہے، اور یہی مدارِ ذکر ہے۔

☆ اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا، اور جنت کی تمنّا اور دوزخ سے پناہ مانگنا عین سنت ہے۔

☆ جس کو اتباع سنت کا ذوق میسّر ہوتا ہے، اس کے نزدیک تمام احوال و

لطائف کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔

☆ تمام عبادات میں حق تعالیٰ شانہٗ کا تصوّر باندھنا چاہیے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو الفاظ کا۔

☆ ذکر میں سر کے جھٹکے کو کوئی دخل نہیں ہے، اور طبیعت کے جوش میں روکنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

☆ شیخ کو بیعت اس شخص سے لینی چاہیے جس پر دل کو اطمینان ہو۔

☆ شیخ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ میرے حق میں اس سے زیادہ نافع اور میسّر نہ ہوگا۔ باقی بزرگی و کرامت اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

☆ قلب کی صفائی اصلاح اعمال سے ہوتی ہے، وظائف صرف معین و مددگار ہوتے ہیں۔

☆ بیعت اُس وقت کرنا چاہیے جب کہ صحبت کے بعد طریفین کو اطمینان حاصل ہو جائے۔

☆ اپنی ہستی کو بھول جانا، اور اپنی تمام حرکات کو حق تعالیٰ سے منسوب کرنا فنائے علمی کی علامت ہے۔

☆ اگر سالک کو تدبر آیات، وتلاوت قرآن سے بیساختہ انجذاب ہو،تو بجائے ذکر کے اس کو اختیار کرے۔

نسخۂ شافیہ

(1) تہجد کی نماز 4 رکعت تا 12 رکعات پڑھنا، بوقت تہجد یا بعد العشاء۔

(2) بعد نمازِ تہجد بوقت فرصت ذکر" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ "چھ سو (۶۰۰) سے بارہ (۱۲۰۰) سو تک کرنا، اور درمیان میں محمد الرسول اللہ کہنا۔

(3) محاسبۂ نفس: (اپنے نفس کا محاسبہ کرنا)۔

☆ علوم ولایت کا زیادہ تر منبع حضرات اہل بیت ہیں۔

☆ غفلت نہ کرنا، گناہوں سے بچنا، اور ارتکابِ گناہ پر فوراً توبہ کرنا، اور پھر اس گناہ کی فکر میں نہ پڑنا، یہ سلوک کا حقیقی مقصود ہے۔

☆ اوراد کے لئے اجازت اصطلاحیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

☆ شیخ سے تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے تمام احوال وعیوب اس کے سامنے پیش کر کے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے۔ اور جو نسخہ شیخ تجویز کرے اس کو بلا تردد استعمال کرے۔ شیخ سے اپنے کسی حال یا اعتقاد کو پوشیدہ نہ رکھے۔

☆ قلب پر لفظ "اللہ" کا بخط جلّی لکھا ہوا نظر آنا علامت یبوست سے ہے۔

☆ شیخ کی تجاویز کا اتباع، اور اپنے احوال کی اطلاع ضروری ہے۔

☆ بعض اوقات میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ قلب میں کوئی چیز آ رہی ہے، یہ علامت قبض ہے۔

☆ اہل دل کی صحبت قرب وسکون کا باعث ہے۔

☆ تواضع وہ ہے جو ہر ایک کے ساتھ ہو۔

☆ ہمعصروں سے خود کو کمتر محسوس کرنا دلیل ترقی ہے۔

☆ اچھے لوگوں میں بیٹھنے، یا تعظیم وتکریم سے شرمانا، فنا وتواضع کے آثار سے ہے۔

☆ اچانک یہ محسوس کرنا کہ حق تعالیٰ سے قلب منقطع ہو گیا، علامت قبض ہے۔

☆ ریاضت کے ساتھ اصول طریق کی واقفیت بھی ضروری ہے جو وقتاً فوقتاً شیخ کو اطلاع کرنے سے ہوتی ہے۔

☆ شیخ کی مختلف نسبتوں سے مختلف فیوض ہوتے ہیں جس کا ادراک اس کی

خاص شان سے ہوتا ہے۔

☆ مستحبات کے لئے تحمّل سے زیادہ مشقت وتعب برداشت کرنا مناسب نہیں ہے

☆ نماز میں مقتدی کی رعائیت غیر اللہ کی رعائیت نہیں ہے، بلکہ حکم الٰہی کی رعائیت ہے۔

بدنظری کی شکایت

اگر بدنظری کی شکایت ہوتو یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اور یہ بھی خیال کرے کہ اگر تیرا کوئی بزرگ، استاد، یا باپ، یا پیر ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوتو تو شرما جائے گا، کیا تجھ کو اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتی۔

☆ تعلق مع اللہ اور رضائے حق باہم متلازم ہیں اسی کو نسبت کہتے ہیں۔

☆ کسی کی دینداری اور حالت کا امتحان نہیں کرنا چاہیئے۔

☆ درود شریف سے رونگٹے کھڑے ہونا ایک قسم کا وجد ہے جو محبت نبویہ سے ہوتا ہے۔

☆ احوال اعمال پر استقامت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

☆ واردات قلبی پر ناز والتفات کرنا ہلاکت ہے۔

☆ اذکار میں زیادہ نافع یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دیکھنے کا خیال رکھے۔

☆ ذکر سے اگر حرارت بڑھ جائے تو یہ تصور کرے کہ میرے قلب سے چاند لگا ہوا ہے۔

☆ تلاوت کے وقت یہ خیال کریں کہ حق تعالیٰ میرے پڑھنے کو سن رہے ہیں۔

☆ اگر ذکر کی تعداد ایک جلسہ میں پوری نہ ہوتو دو جلسہ میں پوری کرے۔

☆ سوتے ہوئے ذکر کا جاری رہنا، یا سانس کی آواز سے ذکر کا محسوس ہونا

کمال نہیں ہے، گو علامتِ محمود ہے۔

☆ اگر سالک شیخ کو اپنے احوال کی اطلاع، اور اس کی تعلیم کا اتباع کرتا رہے تو شیخ سے دوری مضر نہیں ہے۔

☆ عیوب کا احساس ہونا بڑی رحمت ہے۔

☆ مبتدی پر شورش غالب ہوتی ہے، اور منتہی پر سکون، اور پھر اس انتہاء میں بھی درجاتِ غیر متناہیہ ہیں۔

☆ رنج طبعی وہ ہے کہ اس میں اختیار نہ ہو۔

☆ ایک عالم اپنی عدم تعلیم کے مواخذہ سے اس وقت بری ہوسکتا ہے، جس وقت کہ اس کے قائم مقام کوئی دوسرا عالم وہاں اس فرض کو پورا کرتا ہو۔

☆ نماز میں قرآن اس طرح پڑھنا چاہئے کہ گویا جناب باری تعالیٰ کی پیشی میں عرض ومعروض کر رہا ہے۔

☆ یادالٰہی کا ہر وقت مستحضر ہوجانا ابتدائے نسبت کی علامت ہے۔

☆ معصیت وگناہ کا چھوٹ جانا ہزاروں ذکر وشغل سے افضل ہے۔

☆ ہر شخص کا مجاہدہ اس کی طاقت واستعداد کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے، اور اسی میں اس کی کامیابی ہے۔

☆ مریض بہ نسبت صحیح کے مقصود سے زیادہ قریب ہے۔

☆ اپنی اصلاح پر ناز نہیں کرنا چاہئے، اور نہ اکتفاء ورنہ شیطان بے فکر کر کے سب اوقات کی کسر نکال دیتا ہے۔

☆ ناک کے سوراخ میں حرکت کا محسوس ہونا، یا یہ محسوس ہونا کہ ناک سے خون بہہ رہا ہے، اور چھن چھن کی آواز کا سننا یہ سب سلطان الاذکار کے آثار ہیں۔

☆ وساوس کو دل سے برا سمجھنا کافی ہے۔ اس کی حسرت وغم میں مشغول ہونا مضر ہے۔

☆ سنت کے موافق کام ہونے سے خوشی اور خلاف سنت سے مکدّر رہونا عین مقصود ہے۔

☆ شوق میں گریہ ومحبت کا ہجوم ہوتا ہے، انس میں اعتدال رہتا ہے۔

☆ تمام مجاہدات کا دارو مدار ہمّت پر ہے۔

☆ معمولات کا بدستور بلا ناغہ پورا ہونا استقامت فوق الکرامت ہے۔

☆ جب زبان ذکر سے تھک جائے تو فکر سے کام لے، ورنہ پھر راحت مناسب ہے۔

☆ اگر ذکر کے دوران کسی عجیب بات کا انکشاف ہوتو اس کو ضبط کر لینا چاہئے۔

☆ ہر چیز میں "اللہ اللہ" کی آواز کا محسوس ہونا سرایتِ ذکر کی علامت ہے۔

☆ نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے قلب کو ایسا تعلق ہو جائے کہ اس کی یاد اور طاعت غالب رہے۔

☆ اپنی بد حالی کا گمان اعلیٰ درجہ کی خوش حالی ہے۔

☆ کبھی کشف سے مبتدی کا امتحان مقصود ہوتا ہے۔

☆ اصل مجاہدہ اخلاق رذیلہ کی اصلاح ہے، اس کے بعد اخلاق حمیدہ تھوڑی سی توجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

☆ مبتدی کو غیر سلسلہ کے بزرگوں سے ملنا مضر ہے۔

☆ کبر تمام معاصی کی جڑ ہے۔

☆ کبر کی شناخت یہ ہے کہ اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو غصہ آئے، اور اس کے

درپے ہوجائے۔

☆ دوسروں کی تواضع یا مسکنت دیکھ کر اپنے عجز و انکسار کو کبر شمار کرنا اثر تواضع ہے۔

☆ پاس انفاس کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ ہو، جس کا طریقہ معروف ہے، مگر تجربہ سے ذکرلسانی زیادہ نافع ہے۔

☆ صرف کتابوں کے مطالعہ سے مقصود کی تحقیق نہیں ہوتی ہے، اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔

☆ صاحب کمال کو ہر وقت ترساں ولرزاں رہنا چاہئے، ہر وقت خیال رکھے کہ رزائل کا کہیں عود تونہیں ہوا، اور صفات حاصلہ کی ترقی میں کوشاں رہے۔

☆ کسی خیر کا اثر جب کہ وہ باطن پر ہوتو اصطلاح میں اس کو بسط کہتے ہیں، اور مصیبت کے اثر کو اگر باطن پر ہوتو قبض کہتے ہیں۔

☆ ذکر میں بلا قصد گریہ طاری ہونا علامت محبت ہے۔

☆ اگر ذات خداوندی کا تصور نہ جم سکے تو ذکر کے وقت قلب پر توجہ رکھے، اورقلب پر انوار خداوندی کا نزول مثل بارش کے تصوّر کرے۔

☆ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کو ایک بار سورۃ یٰسین شریف پڑھ کر بخشنا چاہئے۔

☆ جو حالت بلا قصد طاری ہو جائے وہ ترقی ہے، اگر چہ سابق حالت میں اس سے بہتر ہو۔

☆ کثرت تلاوت سے بلا رد ہوتی ہے۔

☆ صرف برکات پر قناعت نہیں ہونی چاہئے، عمل بھی ضروری ہے۔

☆ شیخ جاہل سے بیعت شکنی واجب ہے۔

☆ ایک کا مراقبہ دوسرے کے لئے نافع نہیں ہے۔

☆ نماز میں جس تصور سے جمعیت ہو اس کو اختیار کیا جائے، خواہ تصوّر ذات کا ہو یا کلام اللہ کا۔

☆ اپنی کسی بہتر حالت پر نظر کرنا بھی اپنی صفت ہستی پر نظر کرنا ہے جو سالک کے لئے مضر ہے۔

☆ سینے سے عطا کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ دل سے تعلیم، اور شفقت سے خیال، اور محبت سے دعاء کرے۔

☆ کبھی ذاکر کو غلبۂ فنا کی وجہ سے اپنے وجود کی بھی خبر نہیں ہوتی۔

☆ دوران ذکر کندھے پر ثقل اور قلب میں لذّت کا محسوس ہونا سرایتِ ذکر کی علامت ہے۔

☆ لذّتِ طاعات پر شکر کرنا چاہئے۔

☆ مجاہدہ تین چیزوں پر مرکب ہے۔ (1) معمولات پر مداومت (2) مواعظ کا التزام مطالعہ (3) طاعت و معاصی میں ہمّت و قصد سے کام لینا، کوتاہی پر تدارک کرنا، اور کیفیات کا انتظار کرنا۔

☆ کسی مضمون کا سمجھ کر پڑھنا نافع اور مؤثر ہے خواہ یاد رہے یا نہ رہے۔

☆ اصلاح نفس کے لئے شیخ جس شخص کے سپرد کرے اس کی اطاعت کرنا چاہئے اگر چہ غیر مشہور ہو۔

☆ دلائل شرعیہ کے ہوتے ہوئے مکاشفہ قابلِ عمل نہیں ہے، اگر چہ شیخ کامل ہی کیوں نہ ہو۔

☆ اللہ جس حال میں رکھیں اس پر راضی رہنا چاہئے اس کی شکایت کرنا حق

تعالیٰ پر الزام ہے۔

☆ حزن وافسوس بھی گریۂ چشم کے حکم میں ہے۔

☆ مشاغل کے وقت صرف زبان سے بھی ذکر کافی ہے۔

☆ بعض اوقات حرارتِ ذکر سے بھی گوشت کا کوئی حصّہ متحرّک ہونے لگتا ہے جو قابلِ التفات نہیں ہے۔

☆ خوف ومحبت میں کثرت گریہ عین مطلوب ہے۔

☆ مشاغل تصوّف میں خلق پر نظر نہیں رکھنی چاہئے۔

☆ مصائب میں دعاء کے ساتھ رضا بقضاء ہونا اجر و راحت دونوں کے لحاظ سے افضل ہے۔

☆ بعض کیفیات محض از قبیل خیالات ہوتی ہیں، اور اعتبار حقائق کا ہے۔

☆ نیند کے غلبہ میں ذکر ممنوع ہے۔

☆ اصل چیز قلب ولسان کے ساتھ ذکر ہے، اگر اس کے ساتھ بلا قصد کوئی وارد آجائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

☆☆☆

مختصراً عقائد اہل سنت والجماعت

(1) ربّ العالمین اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے، اورتمام اشیاء اُسی کی ایجاد سے موجود ہیں۔ وہ قدیم ازلی، باقی اور ابدی ہے۔ دیگر تمام اشیاء حادث، نو پید، اور فانی ہیں۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے، اور ویسا ہی رہے گا۔

(2) اللہ عزوجل تعالیٰ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، نہ وجوب میں، نہ وجود میں اور نہ ہی استحقاق عبادت میں۔

(3) حق عزوجل تعالیٰ کی صفات کاملہ میں سے: حیاتؔ، علمؔ، قدرتؔ، ارادتؔ، سمعؔ، بصرؔ، کلامؔ، اور تکوینؔ ہیں۔ یہ آٹھ صفتیں جو قدیم اور ازلی ہیں، اور حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ انہیں صفاتِ حقیقیہ کہتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے سوا کوئی فرقہ صفات زائدہ کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ حوادث کا تعلق صفات کے قدیم ہونے میں خلل نہیں ڈالتا۔ جس کے فلاسفہ اور معتزلہ قائل ہیں۔

ان آٹھ صفات کے علاوہ چار صفات اعتباریہ یا سلبیہ اور ہیں جیسے: قدمؔ، ازلیتؔ، وجوبؔ، اور الوہیتؔ۔

(4) حق عزوجل تعالیٰ تمام صفات ناقصہ سے مبرّ ہ ہے، وہ جواہرؔ، اجسامؔ، و اغراضؔ کے صفات ولوازم سے منزہ ہے۔

ربّ العالمین کو عرش کے اوپر جاننا بھی مناسب نہیں ہے، کیونکہ عرش اور عرش کے ساتھ ساتھ جو کچھ مخلوقات ہیں سب حادث اور فنا ہونے والی ہیں، اور اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور مخلوق حادث کی مجال نہیں ہے کہ خالق قدیم کا جائے قرار بنے۔ ہاں عرش تمام مخلوقات میں اشرف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا مظہر عرش ہے اسی لئے اُسے عرش

اللہ کہتے ہیں۔

(5) اللہ عزوجل تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جسمانی، نہ جو ہر ہے نہ عرض، نہ محدود ہے نہ متناہی نہ طویل ہے، نہ عریض، نہ دراز ہے نہ کوتاہ، نہ فراخ و کشادہ ہے نہ تنگ۔ نہ وہ زمانی ہے نہ مکانی، وہ جہت سے بے جہت اور نسبت سے بے نسبت ہے۔

وہ واسع ہے لیکن اُس کی وسعت ایسی نہیں ہے کہ ہماری فہم میں آسکے۔

وہ محیط ہے لیکن اُس کا ایسا احاطہ نہیں ہے کہ ہمارے ادراک میں آئے۔

وہ ہمارے قریب اور ساتھ ہے لیکن ایسی قربت اور معیت نہیں ہے جو ہماری عقل میں آئے۔ وہ کلیات، جزئیات، اسرار اور خفیہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔

(6) حق عزوجل تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے، اور نہ کوئی چیز اُس کے ساتھ متحد ہے۔ نہ اُس میں کوئی شے حلول کرتی ہے، اور نہ وہ کسی شے میں حلول کرتا ہے۔ تبعّض، تجزّی، ترکیب اور تحلیل کو اُس کی جناب میں دخل نہیں ہے۔

(7) حق تعالیٰ کا مثل یا برابر نہیں ہے، نہ اُس کی بیوی ہے، نہ بیٹا۔ ماں باپ، عورت اور اولاد سے وہ مبرّا ہے۔ اُس کی ذات وصفات بے مثل و بے مثال، بے شبہ و بے مانند ہے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنی صفات کاملہ کے ساتھ جن سے اُس نے اپنی تعریف کی متّصف ہے۔ اور جو کچھ ہمارے فہم، ادراک، عقل، اور تصوّر میں آ سکتا ہے حق تعالیٰ اُس سے منزّہ اور برتر ہے۔ تمام کمالات اُس کے لئے ثابت ہیں اور نقائص اُس سے مسلوب ہیں۔

(8) حق عزوجل تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحب شرع سے سننے پر موقوف ہیں شرع میں حق تعالیٰ کی ذات پر جن اسماء کا اطلاق ہوا ہے صرف اُن کا اطلاق کرنا جائز ہے۔

(9) قرآن مجید حق تعالیٰ کا کلام ہے جسے حرف اور آواز کا لباس پہنا کر ہمارے

پیارے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمایا گیا ہے ۔قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انکار کفر ہے ، یہی کیفیت دیگر کتب اور صحائف کی بھی ہے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر اُترے ۔

ازل سے ابد تک حق تعالیٰ ایک ہی کلام سے متکلم ہے ۔تمام کتابیں اور صحیفے جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئے اُسی ایک کلام کی تفصیل ہے ۔

(10) مؤمنین کا حق تعالیٰ شانہٗ کو جنت میں دیکھنا حق ہے اس شان سے کہ نہ کوئی جہت ہوگی اور نہ مقابلہ، نہ کیف اور نہ احاطہ۔ اس رؤیت کی کیفیت ہم نہیں جان سکتے اس لئے کہ یہ رؤیت بے مثل ہوگی ۔

(11) ربّ العالمین نہ صرف بندوں کا بلکہ بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے افعال خیر ہوں یا شر اُسی کی تقدیر سے ہیں ،لیکن خیر سے وہ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ۔ فعل کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے ، اور فعل کا کسب بندہ کی طرف سے ہے ۔اللہ عزوجل تعالیٰ کو خالق خیر و شر کہنا چاہئے ،محض خالق شر نہیں کہنا چاہئے کہ یہ خلاف ادب ہے ۔

(12) حضرات انبیاء علیہم السلام کو ربّ العالمین نے مخلوق کو اللہ کی طرف بلانے اور گمراہی سے سیدھے راستے پر لانے کے لئے بھیجا ہے ۔وہ تمام اہل جہان کے لئے رحمت ہیں ۔اور آقائے نامدار سرور کائنات حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں ۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایمان لانا چاہئے ، اور سب کو گناہوں سے پاک اور سچا جاننا چاہئے ۔

(13) پیارے پیغمبر ﷺ نے احوال آخرت سے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے سب سچ ہے ۔یعنی عذاب قبر اور اُس کی تنگی، منکر نکیر کا سوال و جواب ، اس جہان کا فنا ہونا، آسمانوں کا پھٹ جانا، ستاروں کا پراگندہ ہونا، زمین اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا، روح کا جسم میں واپس آنا، قیامت کا زلزلہ اور خوف،

اعمالؔ کا حساب و کتاب، اعضاؔء انسانی کا اعمال پر گواہی دینا، نیکؔ اور بداعمال کا دائیں اور بائیں ہاتھوں میں ملنا، وزنؔ اعمال وغیرہ یہ سب باتیں صحیح اور سچی ہیں۔

(14) عقیدۂ شفاعت حق ہے : کہ اللہ تعالیٰ کی اِذن اور اجازت سے گناہگاروں کے حق میں پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے، اور پھر صالحین شفاعت کریں گے۔

(15) پُل صراط حق ہے، جو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا، جسے مؤمن عبور کر کے جنت میں داخل ہوں گے، اور کفار پھسل پھسل کر دوزخ میں گریں گے۔

(16) جنت مؤمنین کی آرام گاہ ہے، جب کہ دوزخ کفار کے لئے عذاب کی جگہ ہے، اور یہ دونوں مخلوق ہیں جو کہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔ جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہوگا، وہ اپنے گناہ کی سزا پانے کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔

(17) فرشتے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہے جو اُس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو اُنہیں حکم دیا جاتا ہے اُسے بجا لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی رسالت اور تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں۔ نہ یہ مرد ہیں نہ عورت، توالد و تناسل اُن کے حق میں مفقود ہے۔ جمہور اہل حق کے نزدیک خاص خاص انسان خاص خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔

(18) ایمان نام ہے اُن احکام کی تصدیقِ قلبی اور اقرارِ زبانی کا جو مجملاً اور مفصلاً ہم تک پہنچے ہیں، اور تواتر سے ثابت ہو چکے ہیں۔ اعضاء کے اعمال نفسِ ایمان سے خارج ہیں، لیکن ایمان کے کمالِ وجوبی میں انہیں دخل ہے۔

اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہئے، اور انشاء اللہ کو اقرارِ زبانی کے ساتھ نہیں ملانا چاہئے۔ اس لئے کہ شک وشبہ کے ساتھ اقرار ایمان کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔

(19) ایمان وکفر کا مدار خاتمہ پر ہے۔مومن گناہ کبیرہ کرنے سے بھی ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ہاں گناہ کبیرہ کو حلال جاننا کفر ہے، اور اس کو کرنا فسق ہے۔

(20) خلافت اور امامت کی بحث دین کے اصول میں داخل نہیں ہے، لیکن شیعوں نے افراط وتفریط سے کام لیا،اس لئے علماء اہل سنت والجماعت نے اُسے داخل علم کلام کر کے حقیقت حال بیان کی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دن تینتیس (۳۳) ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حاضر تھے، جنہوں نے رضا ورغبت سے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اتنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا گمراہی پر جمع ہونا محال تھا۔ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا تَجْمَعُ أُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃ"

میری امت ضلالت وگمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

شیخین

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَکْرٍ"

میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ،میری امت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔

اور یہ بھی فرمایا:

"لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرْ"

میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔

☆ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار خلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذولنورین رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں ، اور اُن کی افضلیت بہ ترتیب خلافت ہے۔

☆ علمائے اہل سنت والجماعت ام المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائیشہ صدیقہؓ کو حضرت فاطمہؓ پر فضیلت دیتے ہیں، لیکن شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت فاطمہؓ کو فضیلت دی ہے۔ جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ام المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائیشہ صدیقہؓ کو علم واجتہاد میں ترجیح ہے اور حضرت فاطمہؓ کو زہد وانقطاع میں ترجیح ہے۔

☆ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے۔

☆ اصحاب کرامؓ کی باہمی لڑائیوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے۔ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا۔

☆ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اہل سنت والجماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالفوں نے افراط کی طرف توجہ کی ،اور افراط کے ماسوا کو تفریط سمجھ کر خارج کر دیا۔ اور اُسے خوارج کا مذہب تصوّر کیا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ افراط وتفریط کے درمیان ایک حد اوسط ہے جو مرکز حق اور موطن صدق ہے۔ اور اسی امر پر اہل سنت والجماعت کا عمل ہے۔

☆ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہمی جنگ و جدال کے تین گروہ تھے ،ایک نے دلیل اور اجتہاد سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حق بجانب خیال کیا، اور دوسرے نے جانب مقابل کو اپنی دلیل اور اجتہاد سے برسرحق تصوّر کیا۔ اور تیسرا متوقف رہا، اور سکوت اختیار کیا۔

ان تینوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا اور جسے واجب سمجھا اُسے بجا لائے۔ پھر ملامت کی گنجائش کہاں رہی۔ اس لئے ایک کو برسرحق اور دوسرے کو برسرِ ناحق

نہیں کہنا چاہئے، اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

' اَصْحَابِیْ کَا النُّجُوْم بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ"

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر جوطعن کرتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان پر طعن کرنے سے نصف احکام شرعی پر طعن لازم آتا ہے۔ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام کے متعلق تین ہزار حدیثیں ہیں، اور ان حدیثوں سے تین ہزار احکام شرعی ثابت ہیں، جن میں سے ڈیڑھ ہزار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے راوی آٹھ سو (800) صحابہ کرام اور تابعین سے زائد ہیں۔

☆ ام المؤمنین سیدہ طاہرہ حضرت عائیشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حبیب ربّ العالمین، خاتم النبیّین والمرسلین جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبہ تھیں، اور لبِ گور (قبر میں پہنچنے) تک مقبولہ اور منظورہ رہیں۔ ایّام مرض الموت میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کے حجرہ میں رہے، اور انہیں کی گود میں جان دی، اور انہیں کے حجرے میں مدفون ہوئے۔

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مشکلات میں انہیں کی طرف رجوع کرتے تھے، اور حلِّ مشکلات طلب کرتے تھے۔ اُس صدیقہ مجتہدہ رضی اللہ عنہا کو حضرت امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مخالفت کے باعث سے طعنہ کرنا، اور حرکاتِ ناشائستہ کو اُن کی طرف منسوب کرنا بے انتہا نا مناسب ہے۔ اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے دور ہے۔

☆ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اصحاب کبار اور عشرۂ مبشرہ یعنی اُن دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہیں زبان نبوت سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی، اُن پر طعن و تشنیع کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد جانشینی کے معاملہ کو جن چھے (6) حضرات کے مشورہ پر چھوڑا تو اُن میں سے اِن دو حضرات کے نام بھی تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اُن چھ حضرات میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی وجہ نہیں پائی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے از خود خلیفہ بننے سے انکار کیا، اور اپنا حصہ ترک کیا۔

یہ وہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو اُس بے ادبی کے باعث جو اُن سے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت صادر ہوئی تھی، قتل کر کے اُس کا سر پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے۔

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں حضرت ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” مَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِيًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ، وَمَنْ اٰذٰی عَلِيًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ ، وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰه “

جس نے علی سے محبت کی اور اُسے دوست رکھا، اُس نے مجھے دوست رکھا، اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھا، اُس نے مجھ سے بغض رکھا، اور جس نے علی رضی اللہ عنہ کو ایذا دی، اُس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو ایذا دی۔

ربّ العالمین ہمیں اپنی ، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سچّی محبت نصیب فرمائے۔ آمین

معارف لُدنیہ و اصطلاحاتِ تصوّف

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ غفراللہ لہٗ ولوالدیہ﴾

معارف لُدنیہ و اصطلاحاتِ تصوّف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ جل جلالہ

الف، لام اور ھا، سے لفظ اللہ مرکب ہے۔الف اور لام، آلات تعریف میں سے ہیں، اور"ھا" معارف سے ہے، ان سب کا مجموعہ"اللہ" نام ہے واجب الوجود عزّ شانہٗ کا۔

اس اسمِ اعظم کا مسمّٰی اپنے کمال عظمت، علو درجہ اور رفعتِ منزلت کی وجہ سے معرّف نہیں ہوسکتا۔ وہ ادراک، عرفان اور علم سے بالا ہے۔

یہ اسم تمام دیگر اسمائے الٰہی سے جدا ہے۔بعض نے لکھا ہے کہ"ھا" ضمیر غائب ہے۔اور الف، لام تعریف کا ہے۔تعریف ضمیر کافی نہیں تھی تو اضافہ الف، لام تعریف مزید کے لئے ہوا، اور مبالغہ کے لئے لام پر تشدید بڑھائی گئی۔ اس پر جب معرفت نہ ہوئی تو تعریف علمی کی طرف توجہ کی گئی، اور معلوم ہوا کہ سب سے ماسوا وہ ہے۔ پاک ہے وہ جس نے اپنی طرف خلق کے لئے عجز و معرفت کے سوا کوئی راہ نہیں کھولی۔

شیون ذاتیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی شیون کو جو اس کی ذات کے عین ہیں، مرتبۂ واحدیت میں جدا جدا معلوم کیا۔تمیز کا مقتضی ہے علم، اس لئے ان شیونات نے خانہ علم میں جدا جدا تمیز پیدا کیا، اور ہر ایک شان تمیز خاص اور تشخیص جداگانہ کی مقتضی ہوئی اور خانہ علم میں ان کا نام ممکنات ہوا۔ممکن وہ ہے جس میں عدم اور وجود دونوں برابر ہوں۔

شیونِ خارج عین ذات ہیں، اور تمیز و تشخیص کی نسبت سے عدم میں ہیں۔صور علمیہ

خارج میں وجود نہیں رکھتیں، اور نہ خانہ علم سے باہر آتی ہیں، لیکن ان کے احکام اور آثار خارج میں ہیں۔ یہ احکام خارج میں عین ذات ہیں، کیونکہ احدیت مجردہ کے سوا خارج میں کچھ نہیں ہے۔ ارباب کشف وعرفان پر ظاہر ہے کہ یہ صورتیں جو خارج میں ہیں محض وہمی اور تصوّری ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان علمی صورتوں کو ظاہر میں مجہول الکیفیت نسبت بخشی ہے، اور اسی نسبت کے ایجاد کو خلق سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہی نسبت خارج میں ظہور کا سبب ہوئی ہے۔

آئینہ میں صورتیں نظر آتی ہیں، اور آئینہ ظہور صور کا سبب ہوتا ہے، لیکن آئینہ اپنی بے رنگی اور صفائی میں بدستور قائم رہتا ہے۔ وہ ذات پاک جیسی ازل میں تھی ویسی ہی اب بھی ہے۔

(سوانح عمری حضرت مجدّد الف ثانی سرھندی: ص124)

شیون

شیون یعنی احدیت، لاہوت (یعنی ذات حق) کی حیثیت چونکہ ایسی صورت علمیہ کی ہے جس کا تعلق تمام اشیاء سے ہے، اور لاہوت کی ذات ہر حقیقت کے ساتھ ایک خاص قسم کی خصوصیت رکھتی ہے، اور یہی خصوصیت اس انکشاف اور علم کا مبدأ وسبب ہے، جس کی بنیاد پر وہ ہر چیز کا عالم ہے۔ اور اس وجہ سے ہر ہر چیز سے اس کے اختصاصی تعلقات جو قائم ہیں، ان ہی کو اصطلاحاً "شیون" کے نام سے صوفیہ موسوم کرتے ہیں۔ اور اسے ایک مستقل اسم الٰہی قرار دیتے ہوئے اس کی تعبیر "احدیت" کے لفظ سے بھی کرتے ہیں، اور اسی کو وہ "شیون" کا مرتبہ بھی کہتے ہیں۔

(عبقات: ص143)

اَلْآنَ كَمَا كَانَ

"اَلْآنَ كَمَا كَانَ" کا مفہوم ہے کہ شیون نے سوائے ایک دوسرے سے ممتاز

ہونے کے کوئی دوسرا رنگ علم میں قبول نہیں کیا ۔سالک پر جب عین ثابتہ منکشف ہوتا ہے تو شیئ متمیّزہ کے سوا کوئی اور چیز اس پر ظاہر نہیں ہوتی ۔ عین ثابتہ تک پہنچ کر سالک کی سیر اسی عینِ ثابتہ میں ہوتی ہے، اور اسے سیر فی اللہ کہتے ہیں ۔

اللہ سے مراد ذات مع صفات ہے، صرف ذات احدیت مراد نہیں ہے ۔موجود اور معدوم کے درمیان کو برزخ کہتے ہیں ، اور برزخ کی سیر سیر در عالم ہے ۔ اور اس سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ بھی کہتے ہیں ۔

سیر فی اللہ کو سیر معشوق در عاشق اس معنیٰ میں کہتے ہیں کہ عاشق نے تمام اوصاف و افعال اپنے معشوق کو دے کر اپنے آپ کو خالی کر لیا، تو اس کا فعل منسوب بہ معشوق ہوا ، اور اس کی سیر بھی معشوق کی طرف منسوب ہوئی ۔

فنا فی اللہ

تنزیہ کے بعد جو تشبیہ ظاہر ہوتی ہے ،اُسے انکشاف عین ثابتہ کہتے ہیں ۔علم ذات پردۂ صفات الٰہیہ میں ہوتا ہے ۔ مطلوب حقیقی کو پردۂ صفات کونیہ میں نہیں دیکھ سکتے ، کیونکہ اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے ۔ جو شخص اپنے وجود کے ہر ذرّہ کو تمام اشیاء کا آئینہ پاتا ہے اُسے فنا فی اللہ کا درجہ میسّر ہوتا ہے۔سالک اپنے ہر ذرّہ کو فانی کرتا ہے ،اور ہر ذرّہ کی جگہ شیون الٰہی کی ایک شان پاتا ہے ۔

ازل اور ابد

اللہ تعالیٰ کا ازل سے ابد تک ایک ہی فعل ہے، لیکن تعلق اس فعل کا متعدد اشیاء سے ہے، اس لئے یہ بھی متعدد نظر آتا ہے ۔اسی طرح اللہ کا کلام ازل سے ابد تک ایک ہے، لیکن مختلف محلوں کی وجہ سے متعدد نظر آتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت میں زمانۂ ماضی اور مستقبل کی

گنجائیش نہیں ہے ۔اور اس کا وجود جو اس کا عین ذات ہے بسیطِ حقیقی ہے، تجزّی اور انقسام کے قابل نہیں ہے ۔

تجلّیِ ذات

ظہورِ ذات کو تجلّی ذات کہتے ہیں، بغیر تعیّن اور تمیز کے کسی شے کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس لئے تجلّی اور ظہور کو تعیّنِ اوّل کہتے ہیں ۔ یہ سب سے اوسع اور اعظم ہے، اور اسی کو وحدت کہتے ہیں ، اور یہی وحدت پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبداء تعیّن ہے ، اور سالکوں کے سیر کی انتہا یہیں تک ہے ۔

ماہیتِ ذاتِ سُبحانہٗ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یگانہ اور منزہ ہے ۔ اس کی معبودیت ، صانعیّت اور واجبیّت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔اس کے لئے کوئی جہت ، مکان یا زمان نہیں ہے وہ نہ جسم ہے نہ جوہر ہے ، نہ عرض ہے ۔ اس کی ذات قدیم ، غیر حادث ہے۔ وہ نہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج ہے ۔ وہ عالم سے متّصل ہے اور نہ منفصل ہے ۔ وہ نہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے، اور نہ کسی چیز میں متحد ہوتا ہے ۔

بعض صوفیاء جو معیت ذاتی کے قائل ہیں، ان کا مطلب ذات سے تعیّن اوّل ہے جسے وحدت کہتے ہیں، اور اس تعیّن کو تجلّی ذات بھی کہتے ہیں، اور اسے تمام چیزوں میں ساری سمجھتے ہیں ، اور اس ساری ہونے کو احاطہ اور معیّتِ ذاتی کہتے ہیں ۔ متکلمین ذات سے ذات بحت مراد لیتے ہیں اور ہر تعین کو ذات پر زائد جانتے ہیں ۔

کنہہ ذات سبحانہٗ وتعالیٰ

صوفیوں اور اکثر متکلمین کے نزدیک اللہ کی معرفت واجب ہے ، فرق صرف راستہ

کا ہے۔صوفیوں کے نزدیک ریاضت اور تصفیۂ باطن حصول معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے، اور متکلمین میں سے اشاعرہ اور معتزلہ نظر و استدلال کو ذریعہ ٹھراتے ہیں۔اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ صوفیوں کی معرفت علم حضوری ہے جو بعد فنا اور بقا کے حاصل ہوتا ہے، اور متکلمین کی معرفت نظر اور استدلال سے حاصل ہوتی ہے،اور اسے علم حصولی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی بے مثل و مثال ہیں ،اور ان کی معرفت بھی محال ہے ۔یہ جان سکتے ہیں کہ اللہ نہ جسم ہے نہ جو ہر ہے،اور نہ عرض ہے، اور جہل اور عجز اس کی ذات میں معدوم ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی عجزِ معرفت کی طرف اشارہ کر کے یہ کہا ہے کہ "فنا اور بقا کے بعد اہل اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں ،اپنے آپ میں دیکھتے ہیں ، اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے آپ میں پہچانتے ہیں ،اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہے۔

وَفِيٓ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ

کا یہی مفہوم ہے ۔حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں حیرت یہی معرفت ہے۔

وجود وذات واجب تعالیٰ

اکثر متکلمین کے نزدیک واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے،جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (تمام موجودات کے برخلاف) اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ اپنے وجود سے موجود ہے۔اور تمام دیگر موجودات اپنے وجود سے موجود ہیں ۔اگر اللہ تعالیٰ اپنی موجودیت کے لئے وجود کا محتاج ہوتا تو ہمیں وجود کی عینیت کا قائل ہونا پڑتا ،اور اس میں جمہور اہل سنت والجماعت کی مخالفت ہوتی ۔ واجب الوجود اپنی

ذات سے موجود ہے ۔ اور اس موجودیت میں وہ وجود کا محتاج نہیں ہے ۔خواہ وجود عین ذات فرض کیا جائے ،خواہ ذات پر زائد سمجھا جائے ۔

وجود ذات ۔ وجود صفات

اہل حق صفات باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں ، اور اسے وجودِ ذات پر زائد جانتے ہیں ، اور حق تعالیٰ کو عالم بعلم اور قادر بقدرت کہتے اور سمجھتے ہیں ۔

علمِ ذات سبحانہٗ وتعالیٰ

حق تعالیٰ کا علم اس کی ذات پر زائد ہے ، اور اس کی صفت حقیقی ہے ۔

ذات ، شیونات ، صفات ، افعال

ذاتِ الٰہی کے فرع ہیں شیونات الٰہی ، اور شیونات پر صفاتِ الٰہی متفرع ہیں ۔ اسمائے صفاتی اللہ تعالیٰ کے ، مثلاً خالق اور رازق وغیرہ کے صفات پر متفرع ہیں ۔ اور افعال اسمائے صفاتی پر متفرع ہیں ، اور تمام موجودات افعال کے نتائج ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیون اور ہیں اور صفات اور ہیں ۔ شیون خارج میں عین ذات ہیں اور صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں ۔

خدا کی صفات

خدا کی صفات کی تین قسمیں ہیں ۔ اوّل صفاتِ اضافی ، جیسے خالقیت اور رزّاقیت ، دوسری صفات صفات حقیقی اضافت کی جھلک لئے ہوئے ، جیسے علم ، قدرت ، ارادہ ، سمع ، بصر اور کلام ۔ تیسری محض صفتِ حقیقی ، جیسے زندگی ۔ یہ قسم تمام اقسام سے افضل ہے ۔ تمام مراتبِ علم طے کرنے کے بعد اس صفتِ حیات تک رسائی ہوتی ہے ۔

(مجدد الف ثانی: ص 150)

سمیع ،بصیر

اللہ سمیع اور بصیر ہے ۔ اور اللہ کے سوا کوئی سمیع و بصیر نہیں ہے ۔یہی حالت اللہ تعالیٰ کے تمام صفات ،علم ،قدرت، حیات، ارادت اور کلام وغیرہ کی ہے ۔مخلوقات میں جو کچھ ہے وہ صفات کی صورت ہے، حقیقت نہیں ہے ۔مثلاً ،قدرت ایک صفت ہے جس سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ یہ صفت مخلوقات میں نہیں ہے ، بلکہ اللہ تعالیٰ اس صفت یعنی قدرت کا انکشاف ان میں پیدا کرتا ہے ۔مبدأ انکشاف جو صفت علم ہے،ان میں پیدا نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مخلوقات میں صرف صورتِ صفات ہے ، حقیقت صفات نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان صفات کا خالقِ آثار ہے، اور اور مخلوق ان آثار کے ایجاد کا محل ہے ۔اسی طرف "خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ " کا اشارہ ہے ۔

وحدة الوجود

سالک پر جب حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا انکشاف ہو جاتا ہے تو غلبۂ توحید کی وجہ سے اس کے سامنے تمام چیزیں مضمحل (اور کالعدم)محسوس ہوتی ہیں۔اور ایسا ہونا باعث تعجب نہیں ہے ۔

دیکھیں! جب انسان کو کوئی مصیبت اور پریشانی پہنچتی ہے تو وہ پریشانی کی وجہ سے کبھی اندر جاتا ہے اور کبھی باہر آتا ہے ، اور اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی دوست یا عزیز اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے ، اور جب وہ منتظر ملاقاتی خود اسے بتاتا ہے کہ میں آپ کے انتظار میں اتنی دیر سے بیٹھا ہوا ہوں تو اُس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی ملنے آیا ہے ۔تو معذرت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ واللہ ! میں نے پریشانی کی وجہ سے آپ کو نہیں دیکھا ۔

تو ایک آدمی کو پریشانی کی وجہ سے سامنے بیٹھا ہوا آدمی نظر نہیں آتا، حالانکہ اس کی آنکھیں صحیح سلامت ہوتی ہیں، مگر اُس کا دل چونکہ دوسری طرف مشغول ہے، اس لئے دل کی تابعداری میں اس کے دوسرے اعضاء بھی اُدھر ہی متوجہ ہو جاتے ہیں، اور اس کو ادھر التفات اور توجہ نہیں رہتی۔

پس اگر کسی شخص کو غلبۂ توحید اور غلبۂ حال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نظر نہ آتی ہو تو اس پر تعجب نہ کرو، اور نہ ہی اسے جھوٹا بتاؤ، کیونکہ ممکن ہے اس کا دل حق تعالیٰ کی طرف اس درجہ متوجہ اور مشغول ہو کہ دوسری چیزوں پر اُسے التفات ہی نہ ہو جیسا کہ اس مصیبت زدہ اور پریشان حال انسان کو اپنے سامنے کی چیز نظر نہیں آتی۔

وحدۃ الوجود کی حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ مگر جُہّال نے اس میں بہت کچھ غلو کیا ہے، اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ عالم میں ہر چیز خدا ہی ہے نعوذ باللہ منہ۔

(آداب بندگی ص:44)

فنائے روحی

اللہ تعالیٰ کے ما سوا کو بھلا دینے کو فنا کہتے ہیں۔ روحِ انسانی اپنے تمام مراتب سِر، خفی اور اخفیٰ وغیرہ کے ساتھ بدن سے تعلق پیدا کرنے کے سے قبل اپنے صانع کا علم رکھتی تھی۔ پہلے اس میں بدن عنصری کی محبت پیدا کی گئی، پھر وہ پیکر ہیولائی میں لائی گئی تو وہ اپنی سابق حالت بھول گئی۔ اس لئے اکثر لوگ اپنے جسم کے سوا کسی شئے کو نہیں مانتے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور توجہ نے جس پر غلبہ پایا اس کی روح کو جسد سے محبت باقی نہ رہی، اور فنائے جسدی اُسے متحقق ہوئی۔ اس کے بعد اس نے اور ترقی کی تو نفس روح اور توابع وجودی سے اس پر نسیان غالب آیا، اور حضرت واجب الوجود کے مشہود کے سوا اور کچھ نہ رہا۔ اس نسیان کو فنائے روحی کہتے ہیں۔

خلقتِ عالم

دنیا میں جتنی چیزیں نظر آتی ہیں اُن سب کے وجود کا سبب اللہ ہے، جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔

سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللّٰہ، سیر در اشیاء

حرکت علمی کا نام سیر وسلوک ہے، جو حرکت علمی، کہ علم اسفل سے علمِ اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے، اور پھر اور اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ علوم ممکنات سے علم واجب تعالیٰ تک پہنچتی ہے، اسے سیرؔ الی اللہ کہتے ہیں، اور اسی حالت کو فنا بھی کہتے ہیں۔

مراتب وجوب میں جو حرکت علمیہ اسماء، صفات، شیون، اعتبارات، تقدیسات اور تنزیہات سے شروع ہو کر اس مرتبہ تک پہنچی ہے، جس کی تعبیر کے لئے کوئی عبارت نہیں ملتی، اور نہ اس کی طرف اشارہ یا کنایہ ہوسکتا، اور نہ علم و ادراک اس تک پہنچ سکتا تو اسی حرکتِ علمیہ کو سیرؔ فی اللہ کہتے ہیں، اور اسی کو بقا بھی کہتے ہیں۔

حرکت علمیہ جو علم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف درجہ بدرجہ اترتی ہے۔ اسے سیر ثالث یعنی سیرؔ عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔

اور جو شخص اس درجہ تک پہنچتا ہے اُسے راؔجع عن اللہ، مع اللہ، واجد فاقد، واصلِ مہجور اور قریب بعید کہتے ہیں۔

سیر رابع سیر در اشیاء ہے، اور اس سے مقصود حصول اُس علم اشیاء کا ہے جو سیر اوّل میں زائل ہو گیا تھا۔ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ سے مقصد تحصیل نفس ولایت ہے۔ جسے فنا اور بقا کہتے ہیں، اور سیر ثالث و رابع سے حصولِ مقام دعوت ہوتا ہے، اور یہ انبیائے مرسل کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان انبیاء کی مکمل طور پر تابعداری کرنے والوں کو بھی اس مقام دعوت سے

کچھ حصہ ملتا ہے۔

سیر انفسی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رب العالمین بے مثل و بے مثال جس طرح آفاق سے وراء الورا ہے اسی طرح انفس سے بھی وراء الوارا ہے۔سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا فضول ہے۔یہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں ۔سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو آفاق اور انفس سے منزلوں دور اور اُن سے وراء الوارا ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہ فرماتے ہیں" جو کچھ دیکھا ، سنا، اور جانا گیا وہ سب غیر ہے، کلمہ "لا" سے اُس کی نفی کرنی چاہئے"۔ان بزرگوں کی ابتداء جذب ومحبت الٰہی پر ہے ۔جب اللہ تعالٰی کی عنایت سے یہ محبت غالب آتی ہے ،تو آہستہ آہستہ ما سوا اللہ کی محبت غائب ہو جاتی ہے، اور اغیار کی گرفتاری بتدریج دور ہو جاتی ہے۔

کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال اطاعت ہے، اور شریعت کی کمال اطاعت علم وعمل اور اخلاص پر منحصر ہے ۔"سیر نفسی ضروری ہے اور اسی کے ضمن میں سیر آفاقی حاصل ہو جاتی ہے"۔

(مکتوبات دفتر دوم حضرت مجدد الف ثانی:ص 259)

آقائے نامدار سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تمام انبیاء علیہم السلام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجلّی ذاتی سے ممتاز ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابعینِ کامل کو بھی اس دولت سے فائدہ حاصل ہوتا ،لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کاملین امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں ۔اس امت کے کاملوں کا انتہائی عروج ،اَقدامِ انبیاء علیہم السلام کے نیچے تک ہے۔

ولایتِ خاصہ محمدیہ

مجذوبین سالک سے ولایت خاصہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخصوص ہے ۔ حضرت علی سالک مجذوب تھے، لیکن ولایت خاصہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت سے پہنچے تھے ۔ اس کے برخلاف خلفائے ثلاثہ کا جذب ان کے سلوک سے مقدم تھا، یعنی وہ مجذوب سالک تھے ۔ اور یہی کیفیت آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی ۔ ہر مجذوب سالک کے لئے ضرور نہیں ہے کہ وہ ولایتِ خاصہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے ۔ مدّتوں کے بعد بھی کوئی ایسا ہو کہ اس ولایت تک پہنچے تو غنیمت ہے ۔

ولایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اندورنی اور بیرونی معبودانِ باطلہ کی نفی کرنی چاہیئے ، واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات اقدس پر زائد ہے ۔ وجود ہی کو ذات کہنا نظر کی کوتاہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کی راہ صرف یہ رکھی ہے کہ اس کی معرفت سے عاجزی ظاہر کی جائے ۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے یہ نہیں ہوتا کہ ممکن واجب ہو جائے ۔ دل کے آئینے کے دو رُخ ہیں ۔ ایک روح کا ہے، اور دوسرا نفس کا ہے ۔ جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں ، ان دونوں رُخوں سے قلب کے مناسب علوم ومعارف منکشف ہونے لگتے ہیں ۔ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ میں جہاں بدایت ہی میں نہایت ہے ۔

اتباعِ رسول

جب تک وہ موت ثابت نہ ہو جو موتِ معروف سے پہلے ہے ، اور جسے اہل اللہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں ، اس وقت تک اللہ رب العزت کی جناب میں پہنچنا محال ہے ۔ اس درجہ کو حاصل کرنے ، اور اس درجہ کی تکمیل کی خواہش ہو تو آقائے نامدار سرور کائنات حضرت

محمدِ مصطفیٰ ﷺ کی تابعداری لازم پکڑو۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیارے پیغمبر ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ بات حاصل ہو جاتی تھی جو دوسروں کو انتہا میں بھی مشکل سے حاصل ہو سکتی ہے۔

نبوّت، ولایت، شہادت، صدیقیت

مرتبہ ولایت میں سکر غالب ہے اور صحو مغلوب ہے۔ درجۂ شہادت میں سکر مغلوب اور صحو غالب ہے۔ منتہائے درجۂ ولایت کا نام صدیقیّت ہے۔ مرتبۂ نبوت میں سکر بالکل نہیں رہتا، اور علوم شرعیہ کی بالکل مطابقت ہوتی ہے۔

ان علوم شرعیہ کو صدیق بطریق الہام اور نبی بطریقِ وحی حاصل کرتا ہے۔ دونوں اللہ تعالیٰ سے علم اخذ کرتے ہیں۔ لیکن صدیق نبی کی تبعیت (تابعداری) سے اس درجہ تک پہنچتا ہے۔ نبی اصل ہے صدیق اس کی فرع ہے۔ نبی کا علم قطعی اور صدیق کا ظنی ہوتا ہے۔ نبی کا علم غیر پر حجت ہے، اور صدیق کا علم غیر پر حجت نہیں ہے۔

(مجدّدالف ثانی: ص 133)

مقام صدیقیت

باطنی معارف اور ظاہری شریعت میں کامل طور پر واقفیت ہونا مقام صدیقیت میں سے ہے، جو تمام مقام ولایت سے بالا ہے۔ مقام صدیقیت سے بالاتر مقام نبوت ہے۔ نبی کریم ﷺ تک جو علوم وحی کے ذریعے پہنچتے تھے، وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو الہام کے طور پر منکشف ہوئے۔ ان دونوں علموں کے درمیان صرف وحی اور الہام کا فرق ہے۔ اور وحی قطعی ہے اور الہام ظنّی ہے۔

کلام الٰہی

ازل سے ابد تک اللہ کا ایک ہی کلام ہے۔ اس کلام کے اجزا نہیں ہیں۔ عجب نہیں

کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی ساعت ہو۔ اور عجب نہیں کہ لفظ ساعت بھی عبارت کی تنگی کی وجہ سے کہا گیا ہو، ورنہ وہاں تو زمانہ کا بھی دخل نہیں ہے۔

چنانچہ شب معراج میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقاماتِ عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا، اور حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان موجود پایا۔ اور بہشت و جنت میں آئندہ آنے والوں کو بہشت میں دیکھا۔

(سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ: ص 147)

کلمۂ طیبہ

کلمۂ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" تجلیاتِ افعال سے تجلّیات صفات تک، اور پھر تجلّیاتِ صفات سے تجلّیاتِ ذات تک پہنچاتا ہے۔

اولیاء اللہ

اولیاء کا باطن آبِ حیات ہے، جس نے ایک قطرہ اس کا چکھا اُسے حیاتِ ابدی نصیب ہوئی۔ لیکن ان کے ظاہر کو باطن سے کوئی نسبت نہیں ہوتی، وہ ظاہر میں زمین پر ہیں، اور حقیقت میں آسمان پر۔ اُن کا ہمنشین نیک بخت، غم خوار اور سعادت مند ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو اس طرح پوشیدہ رکھا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی ان کے باطن کے کمالات کی خبر نہیں ہوتی۔

اولیاء اللہ کو بھی اُن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جو عوام الناس کو درکار ہیں، مثلاً ناراض ہونا، کھانا، پینا، اہل و عیال میں زندگی بسر کرنا، یا دیگر لوازم بشریت سے تعلق رکھنا درجۂ ولایت کے منافی نہیں ہے۔ انبیاء بھی اس سے الگ نہ تھے۔

صفات بشریت کے ظہور کا ملکہ زیادہ تر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ فرق اتنا ہوتا ہے کہ تعلقات بشریت عوام الناس کے قلب، قالب، روح اور نفس میں سرایت کر جاتے ہیں۔

اور اولیاء میں قالب اور نفس تک محدود رہتے ہیں، اور خواص الخواص میں تو نفس بھی اس تاریکی سے بری ہو جاتا ہے۔ یہ تاریکی عوام کے لئے باعث نقصان اور خواص کے لئے باعثِ کمال ہوتی ہے۔اسی تاریکی کے نہ ہونے سے فرشتے ترقی نہیں کر سکتے۔

قطبِ ابدال، قطبِ ارشاد، فیضانِ الٰہی، اعتدالِ عناصر

وہ فیوض جو عالم اور بقائے عالم سے تعلق رکھتے ہیں ان کے وصول کرنے کا واسطہ قطب ابدال ہے۔اور وہ فیوض جو ارشاد وہدایت سے متعلق ہیں ان کا واسطہ قطبِ ارشاد ہے قطب ابدال سے عالم خالی نہیں رہتا، ایک جاتا ہے تو دوسرا آتا ہے، لیکن قطب ارشاد ہر وقت نہیں رہتا۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایمان اور ہدایت سے عالم خالی ہو جائے۔

اپنے زمانہ میں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفٰے ﷺ قطب ارشاد تھے۔اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اس وقت قطب ابدال تھے۔ فیاض مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔واسطے کو وصول فیض میں دخل نہیں ہے، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ واسطے کو فیاضی کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

مبدأ فیاض سے جو فائض ہوتا ہے وہ خیر و برکت اور ایمان و ہدایت ہے۔شر و نقص کی اس میں گنجائش نہیں ہے۔لیکن خبث محل سے جو اہل فساد میں ہوتا ہے، شرارت اور ضلالت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔اس کی مثال صفرائی مزاج کی سی ہے کہ میٹھی چیز اسے تلخ معلوم ہوتی ہے۔

عناصر اگر معتدل ہیں تو فساد محل کی گنجائش نہیں، اور اگر غیر معتدل ہیں تو یہی فساد محل ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ حالت غیر اعتدالی کیوں پیدا کی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ، اللہ تعالیٰ پر کچھ کرنا واجب نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے جو چاہا کیا، کوئی اُس سے سوال کرنے والا نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے۔

مجذوب سالک ۔سالک مجذوب

معرفت میں مجذوب سالک سے سالک مجذوب کا درجہ بڑھا ہوا ہے، اور محبت میں مجذوب سالک کا درجہ سالک مجذوب سے بڑھا ہوا ہے ۔معرفت سے معرفتِ ذات مراد نہیں ہے، کیونکہ یہاں تو صرف جہل اور حیرت کا نام معرفت ہے۔ بلکہ معرفت سے مراد معرفت تجلیاتِ افعالیہ، اشیائے کونیہ اور معرفت صفات اضافیہ ہے۔

سالک وقت کے مطابق اپنے حالات پر غالب رہتا ہے، اور مجذوب حالات کا تابع ہوتا ہے ۔سالک کے لئے اپنے حالات اور واردات اپنے شیخ اور مرشد کے علاوہ کسی اور سے بیان کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ اس کے دل میں اثر کم کر دیتا ہے۔

درجۂ ولایت

ولایت کے پانچ درجے ہیں۔ درجۂ اوّل تجلّی افعال سے وابستہ ہے ۔درجہ دوم تجلّی صفات سے وابستہ ہے۔ درجاتِ سوم، چہارم، اور پنجم حسب مراتب تجلیات ذاتی سے وابستہ ہیں۔ یہ درجے تمام اولیاء کو نصیب نہیں ہوتے، اکثر تیسرے درجے میں رہ جاتے ہیں، اور بعض چوتھے اور پانچویں درجے تک بھی پہنچتے ہیں۔

مقام رضا، فرق در ولایت و نبوت

مقام رضا تمام سلوک و جذبہ طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے، اور یہ تمام مقاماتِ ولایت سے بڑھ کر ہے۔ ہر رکن ایمان کی طرح اس کی بھی صورت اور حقیقت ہے۔ شروع میں رضا کی صورت کا وجود ہوتا ہے، اور اخیر میں حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

ولی کا کمال نبی کے طفیل میں ہے ۔اگر ولی کو کوئی جزوی فضل یا درجہ حاصل ہوا جو نبی کو حاصل نہ تھا تو نبی کو بھی اس جزوی فضل و درجہ سے حصّہ ملتا ہے، کیونکہ ولی کا وہ کمال نبی

کی متابعت و پیرویٔ سنّت کا نتیجہ ہے۔ولی کی ولایت نبی کی ولایت کا جزو ہے۔جزو کتنا ہی بڑھے پھر بھی کل سے چھوٹا رہے گا۔

(مجددالف ثانی:ص150)

شریعت۔حقیقت۔طریقت

شریعت وحقیقت ،مشائخ طریقت کے دو اصطلاحی کلمے ہیں۔جن میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے،شرع ظاہر کے احکام کوشریعت کہتے ہیں۔اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے، جسے حقیقت کہتے ہیں۔ان کی تعریف میں دو طبقے غلطی میں مبتلا ہیں۔

ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ان میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے،اور حقیقت خودشریعت ہے۔

دوسرا طبقہ ملحدوں اور بے دینوں کا ہے جو ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں جیسے مشبّہ،قرامطہ،مشبعہ اورموسان وغیرہ۔

شریعت بندہ کا فعل ہے اورحقیقت حق تعالٰی کی حفاظت اوراس کی عصمت وتنزیہہ شریعت کا قیام حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے،اورحقیقت کا قیام شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔جیسے روح اور بدن ہیں، جب روح بدن سے جدا ہوتی ہےتو موت واقع ہو جاتی ہے اوراس کومردہ کہتے ہیں اور جب تک روح رہتی ہےتو اس کوزندہ کہتے ہیں۔تو ان دونوں کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے تک ہے۔

اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اورحقیقت بغیر شریعت کے نفاق۔مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا * (العنکبوت:69)

جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقیناً ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا۔
لہٰذا شریعت از قسم کسب ہے اور حقیقت از قسم عطائے ربانی ہے۔
(کشف المحجوب:ص590)

شریعت کی حقیقت تک پہنچنے کی جو راہ ہے اُسے طریقت کہتے ہیں۔شریعت سے جدا کوئی شئ طریقت نام کی نہیں ہے۔اطمینان نفس سے پہلے صورت ایمان ہے، اور اطمینان نفس کے بعد حقیقت ایمان ہے۔
(مجدد الف ثانی:ص129)

☆ طریقت عین شریعت اور شریعت عین طریقت ہے، بال برابر بھی ان میں فرق نہیں ہے۔فرق صرف اجمال و تفصیل کا اور استدلال اور کشف کا ہے۔شریعت کا جو مخالف ہے وہ مردود ہے۔

☆ شریعت کے تین اجزاء ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزاء متحقق نہ ہوں، شریعت متحقق نہیں ہوتی۔ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن شریعت ہے۔اور کوئی مطلب باقی نہیں رہتا جن کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی طرف جانا پڑے۔

طریقت اور حقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں شریعت کے تیسرے جز یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں خادم شریعت ہیں۔طریقت اور حقیقت کی تکمیل سے تکمیل شریعت مقصود ہے، اس کے سوا اور کوئی امر مقصود نہیں ہے۔
(مجدد الف ثانی:ص163)

☆ زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خطرہ اور وسوسہ دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے۔طریقت اور حقیقت کے راستے پر چلنے والوں سے اثنائے راہ میں ایسے امور سرزد ہوں جو بظاہر مخالف شریعت ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ سکرِ وقت اور

غلبۂ حال پر مبنی ہیں۔

اطاعت احکام شریعت

آقائے نامدار سرور کائنات رحمت دو عالم ﷺ سردارِ بنی آدم ہیں، اور شریعت محمدی بہترین شریعت ہے۔ تعجب ہے کہ بعض خام درویشوں نے اپنے کشف محض پر اعتبار کر کے شریعت سے مخالفت کی ہے۔ حالانکہ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو اسی شریعت پر عمل کرتے۔

بعض لوگوں نے جو قرآن شریف کے نصوص صریح کے خلاف بہت سی باتیں اپنے کشف یا عقل ناقص سے بیان کی ہیں وہ ہرگز ہرگز ماننے کے قابل نہیں ہیں۔

علم و معرفت

مشائخ طریقت ایسے علم کو جو معاملہ اور حال سے متعلق ہو، اور اس کا عالم اپنے حال کو اس سے تعبیر کرے معرفت کہتے ہیں، اور اس کے جاننے والے کو عارف۔ اور جو علم ایسا ہو جس کے صرف معنیٰ ہی ہوں اور معاملہ سے خالی ہو اس کا نام علم رکھتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں۔

لہٰذا وہ شخص جو کسی چیز کے معنیٰ اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کا نام عارف رکھا گیا ہے، اور وہ شخص جو صرف عبارت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے نا آشنا ہو اس کا نام عالم رکھا گیا ہے۔

اثبات علم میں اقوال مشائخ

حضرت محمد فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علوم تین طرح کے ہیں:

(1) علم من اللہ (2) علم مع اللہ (3) علم باللہ

(1) علم من اللہ کا نام علم شریعت ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے ہماری طرف احکام نازل کر کے اس کی ادائیگی ہم پر لازم قرار دی ہے۔

(2) علم مع اللہ، کا نام علم مقامات، علم طریق حق اور اولیاء کرام کے درجات کا بیان ہے۔اس کی معرفت شریعت کی پیروی کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔

(3) علم باللہ، اور اسی کو علم معرفت کہتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام نے اسی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پائی ہے۔ جب تک انہیں اس کی معرفت نہ ہوئی منزلِ عرفان حاصل نہ ہوئی۔

☆ حضرت بوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْعِلْمُ حَيٰوةُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَهْلِ وَنُوْرُ الْعَيْنِ مِنَ الظُّلْمَةِ۔

جہالت اور تاریکی کے مقابلہ میں علم دل کی زندگی اور آنکھوں کا نور ہے۔

اے طالب راہ حق! تمہیں لازم ہے کہ علم حاصل کر کے اس میں کمال حاصل کرو۔ بندہ کتنا ہی کامل علم حاصل کر لے علم الٰہی کے مقابلے میں وہ جاہل ہی ہے۔اس لئے اسے چاہئے کہ وہ ہمیشہ یہی سمجھے کہ میں کچھ نہیں جانتا، کیونکہ بندہ بندگی کے علم کے سوا کچھ نہیں سیکھ سکتا، اور بندگی راہ خدا میں بہت بڑا حجاب ہے۔

علم بے عمل کی مثال

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا، اس پر لکھا ہوا تھا کہ مجھے پلٹ کر دیکھو، جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو لکھا تھا:

اَنْتَ لَا تَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ الْعِلْمَ مَالَا تَعْلَمُ۔

جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو اس کی تلاش کیوں کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

علم حصولی اور علم حضوری

ربّ العالمین کی بارگاہ میں علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے، کیونکہ صفات جن کا وجود ذاتِ تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم، علم حصولی کی مناسب ہے۔ اور اعتبارات ِ ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ پر زیادہ ہونا ہرگز متصوّر نہیں ہے ان کا علم علم حضوری کے مناسب ہے۔ ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے بغیر اس کے ہے کہ معلوم کی نسبت کچھ علم حاصل ہو، اور کچھ نہیں ہے۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

یہ تینوں کلمے علم سے متعلق ہیں۔ اہل طریقت کے نزدیک علم الیقین سے مراد دنیاوی معاملات میں اوامر واحکام کو جاننا ہے۔ اور عین الیقین سے مراد، جانکنی یعنی روح نکلنے اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کا علم ہے، اور حق الیقین سے مراد جنت میں رؤیت کا کشف اور اس کے احوال کے معائنہ کی کیفیت ہے۔

گویا علم الیقین علماء کا درجہ ہے کہ وہ احکام اور اوامر پر استقامت رکھتے ہیں۔

اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے کہ وہ موت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

اور حق الیقین محبوبانِ خدا کی فنا کا مقام ہے کہ وہ تمام موجودات سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔

علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے، عین الیقین انس و محبت سے اور حق الیقین مشاہدے سے۔ اور یہ کہ ایک عام ہے دوسرا خاص اور تیسرا اخصّ الخاص۔

(کشف المحجوب)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیہ نے علم الیقین، عین

الیقین اور حق الیقین کے مراتبہ سہ گانہ کو حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت اعتبار کیا ہے، اور اُس بارگاہِ جل شانہٗ میں ثابت کیا ہے، اور مثلاً یوں کہا ہے کہ کہ دھوئیں کو دیکھنے سے جو آگ کا علم ہوتا ہے، وہ علم الیقین ہے، اور آگ کے دیکھنے کے بعد جو علم آگ کا حاصل ہوتا ہے وہ عین الیقین ہے، اور آگ کے ساتھ متحقق ہونا حق الیقین ہے۔

لیکن اس فقیر (یعنی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ) نے ان تینوں مرتبوں کو ان آیات و نشانات میں اعتبار کیا ہے جو حق تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرنے والے ہیں۔ یعنی علم الیقین اور حق الیقین دلالت کرنے والے نشانات سے متعلق ہیں نہ کہ مدلول سے، کیونکہ مدلول یعنی ذات حق تعالیٰ علم الیقین اور حق الیقین سے برتر ہے۔

یہ فقیر علم، عین اور حق کو دھوئیں کے متعلق جانتا ہے، نہ کہ آگ کی نسبت۔ یہ استدلال پہلے استدلال سے کامل تر ہے۔ وہ استدلال آفاق سے ہے اور یہ انفس سے ہے۔

(حضرت مجدد الف ثانی: ص 315)

بعض نے لکھا ہے کہ: صور اور انوار میں جتنے تجلیات ہوتے ہیں وہ علم الیقین میں داخل ہیں۔ خواہ وہ رنگ کے ساتھ ہوں یا بے رنگ ہوں اس امر میں برابر ہیں۔

حجابِ تعین کو اٹھا کر بندہ کا اللہ کو دیکھنا ادراکِ بسیط کھلاتا ہے، اور اسی کو عین الیقین بھی کہتے ہیں۔ اور حق الیقین حق سبحانہ کے شہود اور اسے عین خود جاننے کا نام ہے، یہ درجہ بقا باللہ کا ہے جو بعد فنا حاصل ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

(مجدّد الف ثانی ص:126)

چار سبق آموز باتیں

حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے چار باتوں کا علم حاصل ہوا ہے، میں عالم کے تمام علوم سے بے پروا ہو گیا ہوں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کونسی چار باتیں

ہیں؟ توانہوں نے فرمایا:

(1) ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے، جس میں نہ کمی ہوسکتی ہے اور نہ زیادتی۔ لہٰذا زیادہ کی خواہش سے بے نیاز ہوں۔

(2) دوسری یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ خدا کا مجھ پر حق ہے جسے میرے سوا کوئی دوسرا ادانہیں کرسکتا، لہٰذا میں اس کی ادائیگی میں مشغول ہوں۔

(3) اور تیسری یہ کہ میرا کوئی طالب ہے، یعنی موت جس سے میں راہ فرار اختیارنہیں کرسکتا، لہٰذا میں نے اسے پہچان لیا ہے۔

(4) اور چوتھی یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا کوئی مالک ہے جو ہمہ وقت مجھے دیکھ رہا ہے، میں اس سے شرم کرتا ہوں اور نافرمانیوں سے باز رہتا ہوں۔

بندہ جب اس سے باخبر ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی کام ایسا نہیں کرتا جس کی وجہ سے قیامت کے دن اسے شرمسار ہونا پڑے۔

(کشف المحجوب ص 55)

عالم صوفی سے بہتر ہے

کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق سوالات ہوں گے، تصوّف کی بابت کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ جنت میں جانا اور دوزخ میں نہ جانا احکام شریعت کو بجالانے پر موقوف ہے۔ وہ صوفی جو فنا اور بقا اور سیر عن اللہ و فی اللہ کے بعد عالم کی طرف رجوع کرے، اور دعوت خلق میں مشغول ہو، مقام نبوّت سے حصہ رکھتا ہے۔ اور احکام شریعت پہنچانے والوں میں داخل ہے، اور علمائے شریعت کے درجے میں ہے۔

جواہرِ خمسہ

جواہرخمسہ جو اہل فلسفہ نے ثابت کئے ہیں، عالم خلق سے ہیں۔نفس وعقل کو جو یہ مجردات سے جانتے ہیں، یہ اُن کی نادانی ہے۔نفس ناطقہ ہی نفس امارہ ہے، اور محتاج تذکیہ ہے۔

عالم اَمر کی ابتداء مرتبۂ قلب سے ہے۔قلب کے اوپر روح ہے، اور روح کے اوپر سِر، اور سِر کے اوپر خفی، اور خفی کے اوپر اخفیٰ ہے۔ان پنجگانہ عالم اَمر کو جواہرخمسہ کہیں تو بجا ہے۔ جبکہ فلسفیوں نے کوتاہ نظری سے چند ٹھیکروں کو جمع کر کے اُن کا نام جواہر رکھا ہے۔عالم امر کے جواہرخمسہ کا ادراک کرنا اور ان کی حقیقتوں پر مطلع ہونا پیارے پیغمبر ﷺ کے کامل تابعداروں کا حصّہ ہے۔

جب عالم صغیر یعنی انسان میں عالم کبیر کا نمونہ ہے، تو عالم کبیر میں بھی ان جواہر خمسہ کے اصول ثابت ہوئے۔انسان کے دل کی طرح عرش مجید بھی عالم کبیر کا مبدأ ہے۔اور اسی مناسبت سے قلب کو بھی "عرش اللہ" اللہ تعالیٰ کا عرش کہا جاتا ہے۔

جواہر پنجگانہ کے باقی مراتب عرش کے اوپر ہیں۔عرش، عالمِ خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے۔قلب اور عرش اگرچہ بظاہر عالم خلق میں ہیں، لیکن فی الحقیقت عالم اَمر سے ہیں۔ان جواہرخمسہ کی حقیقتوں پر مطلع ہونا اولیاء اللہ میں سے ان کامل افراد کے لئے مسلّم ہے، جو مراتبِ سلوک کو مفصل طور پر طے کر کے نہایت النہایت تک پہنچ گئے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۴)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، وہ بڑا فضل والا ہے۔

قلب اور روح

قلب عالم اَمر سے ہے،اور اس کو عالم خلق سے تعلق اور تعشق دیا گیا تو وہ عالم خلق سے نیچے لایا گیا، اور جسمِ انسان میں بائیں جانب جو گوشت کا ٹکڑہ ہے اُس سے اسے تعلق بخشا گیا۔قلب جب مقام روح میں پہنچتا ہے تو اسے ترقی ہوتی ہے۔

روح اور اس کے مافوق کی ترقی بالا مقامات سے وابستہ ہے۔شروع میں یہ پہنچنا بطریق احوال ہوتا ہے، اور انتہا میں بطریق مقام ہوتا ہے۔نفس کی ترقی یہ ہے کہ وہ مقام قلب میں بطریق احوال اور بطریقِ مقام پہنچ جائے۔

جب سارے (چھے) لطائف مقام اخفیٰ میں پہنچ جاتے ہیں،اور سب مل کر عالم قدس کی طرف قصد پرواز کرتے ہیں تو لطیفہ قلب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں۔یہ پرواز بھی ابتدا میں بطریقِ احوال اور انتہاء میں بطریق مقام روح ہوتی ہے۔"مُوْتُوْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْ" مرنے سے پہلے مرو۔میں انہی چھ لطائف کا قلب سے جدا کرنا مقصود ہے۔

کبھی بعض لطائف کی بھی پرواز ہوتی ہے،لیکن چھ لطائف کا،مِل کر پرواز کرنا نہایت اکمل ہے، اور ولایتِ محمدی ﷺ سے مخصوص ہے۔عروج کے بعد خلق کی طرف نزول تکمیل ولایت کے لئے ضروری ہے۔قُرب کے بعد بُعد،یعنی عروج کے بعد نزول جسے حاصل نہ ہو وہ اولیائے عزلت میں شمار کیا جائے گا۔اور طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل اس سے نہ ہوگی۔یہ ہے بدایت اور نہایت کی کہانی بطریق رمز واشارہ۔لیکن اس کا سمجھنا ان منزلوں کو طے کئے بغیر محال ہے۔

سیر دوائر،ومبادئی تعینات

عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف یعنی قلب،روح،سِر،خفی اور اخفیٰ انسانی عالم صغیر کے

اجزاء ہیں ،اور ان کے اصل عالم کبیر میں ہیں۔اسی طرح عناصر اربعہ بھی جو انسان کے اجزاء ہیں اپنی اصل عالم کبیر میں رکھتے ہیں۔ ان پنجگانہ لطائف کے اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لا مکانیت سے موصوف ہے۔یہی وجہ ہے کہ عالم امر کو لا مکانی کہتے ہیں۔ دائرہ امکان یعنی خلق و امر اور صغیر وکبیر اِن اصلوں کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے،اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشاء ہے اس مقام میں منتہی ہو جاتا ہے۔

جب سالکِ رشید محمدی المشرب لطائف پنجگانہ کو ترتیب وار طے کر کے اُن کے اصول میں ، جو عالم کبیر میں ہیں سیر کرتا ہے اور فضلِ ایزدی سے ان سب کو ترتیب وار تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطہ تک پہنچتا ہے تو اُس وقت دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے، اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایتِ صغریٰ میں جو اولیاء کی ولایت ہے سیر شروع کر دیتا ہے۔اور اس کے بعد اسمائے وجوبی تعالیٰ وتقدس کے کے ظلال میں جو حقیقت میں ان پنجگانہ عالم کبیر کے اصول ہیں ، اور جن میں علوم کی کچھ آمیزش و ملاوٹ نہیں ہے سیر واقع ہو جاتی ہے۔

اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو اسمائے وجوبی کے ظلال کا دائرہ سب کا سب تمام ہو جاتا ہے۔اور اسمائے صفاتِ واجب جلّ شانہٗ کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔

ولایت صغریٰ کے عروج کی انتہا یہاں تک ہے۔اس مقام میں حقیقتِ فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے،اور ولایت کبریٰ کی ابتداء میں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ دائرہ ظل انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام مخلوقات کے مبادی تعیّنات کو متضمن ہے۔اور ہر ایک اسم کا ظل ہر ایک شخص کا مبدأِ تعین ہے، حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا (جو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں اشرف ہیں) مبدأ تعین

اس دائرے کے اوپر کا نقطہ ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ جب سالک اُس اسم تک (یعنی اسم الٰہی عزوجل تعالیٰ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جز و نہ کہ اس اسم کی اصل) جو اس کا مبدأ تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اُس وقت وہ سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے۔

یہ دائرۂ ظل حقیقت میں مرتبہ اسمائے صفات کی تفصیل ہے۔ مثلاً پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبدأ صفت العلم ہے، اور یہی صفت العلم ایک اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اور نیز یہی صفت ایک اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔

" مَنْ عَرَفَ اللّٰه كَلَّ لِسَانَهٗ"

جس نے اللہ عزوجل تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

(مجدد الف ثاني: ص 217)

تعین اوّل

تعین اوّل سے وہ شہر جامع مراد ہے جو انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام ولایات کا جامع اور ولایت عُلیا کا منتہا ہے، اور جو اصل طور پر ملائے اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کو تعین اوّل اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ اسماء و صفات وشیون و اعتبارات کی جامعیّت کے اعتبار سے اس تعیّن اوّل کے ظل کا مرکز ہے۔ اور وہ سیر جو اس شہر کے اوپر واقع ہو، وہ کمالات نبوت کا شروع ہے۔

ان کمالات کا حاصل ہونا انبیائے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ کمالات مقام نبوت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب سے ان کمالات سے کچھ حصّہ مل جاتا ہے۔

اور لطائف انسانی کے درمیان عنصر خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت

سا حصّہ حاصل ہے۔باقی تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالم امر سے ہوں یا عالم خلق سے،سب اس مقام میں اسی عنصر پاک کے تابع ہیں ،اور اسی کے طفیل سے اس دولت سے مشرف ہیں کیونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے ،اس لئے خاص انسان ،خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے۔کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہوا ہے وہ کسی اور کو میسّر نہیں ہوا۔اور "دَنٰی" کے بعد "فَتَدَلّٰی" کی حقیقت اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے۔اور "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" کا سِر اسی جگہ منکشف ہوتا ہے۔

اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ ،کبریٰ ،اور علیا کے کمالات سب مقامِ نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لئے شبہ ومثال کی طرح ہیں۔اور یہ بھی روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کی ضمن میں ایک نقطہ کا طے کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے۔

دریائے محیط کو بھی قطرے کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے ،لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقامِ ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر منتہا کو منتہا کے ساتھ ہے۔سبحان اللہ !

اس سِرّ سے جو جاہل ہے وہ کہتا ہے کہ ولایت نبوّت سے افضل ہے۔اور توجیہ کرتا ہے کہ نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہے۔

(مجدد الف ثانی:ص 220)

وجد کی حقیقت

کسی ارادہ وکوشش کے بغیر قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کو وجد کہتے ہیں۔اور وجد کی حقیقت یہ ہے کہ قلب میں ایسا تغیّر پیدا ہو جو تمام اطراف کو گھیر لے،اور دل کو جوارح پر جو گرفت حاصل تھی اُسے درہم برہم کردے۔وجد کبھی بے ہوشی کی صورت میں

ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی اچھلنے کودنے اور کپڑے پھاڑنے کی صورت میں، کبھی رونے دھونے اور غمگینی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے تو کبھی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف کشش اور ماسوا سے نفرت کے رُوپ میں۔ وجد دل کے ہاتھوں نفس کے قید ہونے کا نام ہے۔

(الطاف القدس ص 55)

وجد کی استعداد اور قابلیت جس شخص کے نفس میں پائی جاتی ہے "مقام" ہے۔ اور اس کا حصول رُوح کی رقت پر مبنی ہے، اور روح کی رقت، غذا میں کمی، اپنے اوپر غم واندوہ کی کیفیت طاری کرنے، اچھے لباس سے احتراز، خوشی اور تن آسانی کے ترک کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اور وجد لوگوں کے ساتھ کم آمیزی سے نصیب ہوتا ہے، بالخصوص اُن لوگوں سے جو وجد کے منکر ہوں، یا کم از کم ایسے لوگوں سے حجاب کرنا چاہئے۔ نیز وجد کی بہتری کے خیال کرنے، خیالات کو اُس کی طرف ابھارنے، دل کو دوسری تمام اطراف سے بند کر کے اسبابِ وجد میں مصروف ہونے سے بھی وجد پیدا ہوتا ہے، اسی طرح پاکیزہ نغمے اور کلام (جو طبعاً دل میں اُتر جاتے ہیں) بھی وجد کا باعث بن جاتے ہیں۔

جو لوگ اطاعت اور دوامِ عبودیت اختیار کیے بغیر اور اسی طرح اُس یقین کو تابع کئے بغیر جس کا نزول عقل پر ہوتا ہے پسندیدہ نغمات اور راگوں کے زیر و بم سے متأثر ہوتے ہیں اور اسے وجد کا ایک بلند مرتبہ اور مقاماتِ اولیاء میں سے اونچی منزل سمجھتے ہیں حاش للہ ثمّ حاش للہ وہ منزل کیوں کر بلند ہوسکتی ہے جس میں انسان اور جانور مشترک ہیں کیونکہ جانور بھی تو گانوں اور پُرکشش راگوں سے متأثر ہوتے ہیں۔

حیرت

فنا اور بقا کے بعد جو کچھ اہل اللہ دیکھتے ہیں، اپنے آپ میں دیکھتے ہیں، اور جو کچھ

پہچانتے ہیں اپنے آپ میں پہچانتے ہیں۔ان کی حیرت اپنے وجود میں ہے۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٭

شہود انفسی (یعنی اپنے آپ کو دیکھنا) مرتبہ حق الیقن میں ہے، جو مراتب کمال کی نہایت ہے۔

وقت

وقت: اسے کہتے ہیں کہ بندہ اس کے سبب اپنے ماضی و مستقبل سے فارغ ہو جائے۔ بندے کے دل پر حق تعالیٰ کی طرف سے جو واردات طاری ہوتے ہیں ان کے اسرار کو دل میں اس طرح محفوظ رکھے جس طرح کشف ومجاہدہ میں ہوتا ہے۔اس وقت اس کے دل میں نہ تو پہلے کوئی یاد باقی رہتی ہے کہ ماضی میں اس پر کیا گزرا اور مستقبل میں کیا ہوگا۔؟

صاحبان وقت کہتے ہیں کہ ہمارا علم، ماضی و مستقبل کا ادراک نہیں کرسکتا۔ ہم تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہوتے ہیں کیونکہ ہم اگر کل کی فکر میں مشغول ہوں اور دل میں آئندہ کے اندیشے کو جگہ دیں تو ہم وقت سے محجوب ہو جائیں گے اور حجاب بہت بڑی پراگندگی اور موجب پریشانی ہے لہٰذا جس چیز پر دسترس نہ ہو اس کا اندیشہ باطل ہے۔

حضرت ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے عزیز وقت کو عزیز ترین چیزوں کے سوا کسی سے مشغول نہ کریں، اور بندے کی عزیز ترین چیز ماضی اور مستقبل کے درمیان وقت اور حال ہے۔اسی میں مشغول رہنا چاہئے۔ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَایَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَانَبِیٌّ مُّرْسَلٌ۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں میرا ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میرے دل میں اٹھارہ

ہزار عالم میں سے کسی کا بھی گزر ممکن نہیں ۔ اور نہ میری آنکھ میں کسی کی قدر و منزلت ہوتی ہے ۔

موحد کے دو وقت ہوتے ہیں ایک گم ہونے کا ، دوسرا پانے کا ۔ایک وصال کا دوسرا فراق کا ۔دونوں حالتوں میں اس کا وقت مغلوب ہوتا ہے۔کیونکہ وصل میں اس کا وصل حق تعالیٰ سے ہے اور فراق میں اس کا فراق بھی حق تعالیٰ ہی سے ہے ۔ بندے کا اختیار اور اس کا کسب دونوں وقت قائم نہیں رہتا ۔

مشائخ طریقت بیان کرتے ہیں کہ "اَلْوَقْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ " وقت کاٹنے والی تلوار ہے ۔ چونکہ تلوار کا کام کاٹنا ہے اسی طرح وقت کا کام بھی کاٹنا ہے ، اور وقت ماضی و مستقبل کی جڑوں کو کاٹتا ہے ، اور اس کے غموں کو مٹاتا ہے ۔لہٰذا وقت کی صحبت اختیار کرنا خطرناک ہے یا تو وہ ہلاک کر دے گا یا مالک بنا دے گا۔

محاسبہ اور ہوش دردم

یعنی ہر لحظہ اپنے حال پر مطلع رہنا کہ میرا وقت غفلت میں گزر رہا ہے یا حضور میں، معصیت میں بسر ہو رہا ہے یا اطاعت میں، اگر حسبِ منشا گزر رہا ہے تو اس پر شکر ادا کرنا، اور اضافے کی فکر کرنا، اور اگر خلاف منشا گزر رہا ہے تو توبہ کی تجدید کرنی چاہیئے ۔

دوام عبودیت

دوام عبودیت کی دو قسمیں ہیں:

(1) ایک کا تعلق زبان اور جوارح سے ہے یعنی اپنے اوقات کو ذکر، تلاوت، اور حضور قلب اور توجہ خاطر کے ساتھ نماز میں صرف کرے ۔

(2) دوسری قسم عقل اور قلب سے متعلق ہے ،یعنی دل کار محبت سنبھالے اور

محبوبِ حقیقی کے ساتھ وابستہ ہو جائے، اور عقل "یادکرد، اور ہوش در دم"، میں مصروف ہو، اور اس بارے میں حضرات خواجگان نقشبندیہ کے طریق سے زیادہ مفید اور مؤثر ہم نے کوئی دوسرا طریقہ نہیں دیکھا۔

(شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ، الطاف القدس۔ص 59)

درجہ تمکین

محققین کا درجہ کمال کے اعلیٰ منزل میں اقامت گزیں ہونے کا نام تمکین ہے۔ مقام مبتدیوں کا درجہ ہے اور تمکین منتہیوں کی اقامت گاہ ہے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں

"اَلتَّمْکِیْنُ رَفْعُ التَّلْوِیْن"

تغیر وتبدل ختم ہو جانے کا نام تمکین ہے۔

محل تمکین کی دو قسمیں ہیں۔ایک یہ کہ اس کی نسبت شہودِ حق کے ساتھ ہو، دوسرے یہ کہ اس کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو۔جس کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہے وہ باقی الصفت ہوتا ہے اور جس کی نسبت شہود حق کے ساتھ ہو وہ فانی الصفت ہوتا ہے۔ فانی الصفت کے لئے محو، صحو، محق، لحق، فنا و بقاء اور وجود وعدم کا استعمال درست نہیں ہوتا۔اس لئے کہ ان اوصاف کے قیام کے لئے موصوف کی ضرورت ہوتی ہے۔

(کشف المحجوب ص 574)

محاضرہ ومکاشفہ

محاضرہ و مکاشفہ: کا استعمال حضور قلب پر بیان لطائف میں ہوتا ہے، اور مکاشفہ کا استعمال حضور تحریر پر جو دل میں خطرہ عیاں ہو اس وقت ہوتا ہے۔گویا آیات کے شواہد کو محاضرہ اور مشاہدات کے شواہد کو مکاشفہ کہتے ہیں۔محاضرہ کی علامت آیات کی دید میں ہمیشہ فکرمند رہنا ہے، اور مکاشفہ کی علامت، عظمت کی تہہ میں ہمیشہ حیرت زدہ رہنا ہے۔

قبض وبسط

قبض وبسط: احوال کی دو حالتوں کا نام ہے جو بندے کی طاقت سے باہر ہیں وہ نہ اس کے آنے پر قادر ہے اور نہ اس کے جانے پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْسُطُ ﴿ (البقرة 245)

قبض و بسط میرے ہی اختیار میں ہے۔

قبض: اس حال کا نام ہے جو بحالت حجاب دل پر چھائے، اور بسط اس کیفیت کا نام ہے جس کو دل پر چھائے ہوئے حجاب کا ارتفاع کہتے ہیں، یہ دونوں حق ہیں، ان میں بندے کا اختیار نہیں ہے۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قبض کا مرتبہ، بسط کے مرتبہ سے زیادہ بلند ہے۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ قرآن کریم میں قبض کا ذکر، بسط سے پہلے آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قبض میں گداز اور قہر ہے اور بسط میں نوازش و مہربانی ہے۔

اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ بسط کا مرتبہ، قبض کے مرتبہ سے بلند تر ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں قبض کا پہلے ذکر آنا بسط کی فضیلت کی علامت ہے، کیونکہ اہل عرب کی عادت ہے کہ اس چیز کو پہلے بیان کرتے ہیں جو فضیلت میں بعد میں ہو۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ، وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ، وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ (فاطر:۳۲)

بعض بندے جانوں پر ظلم کرتے ہیں، اور بعض بندے میانہ رو ہوتے ہیں اور بعض

بندے حکم الٰہی سے نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں۔

اور ارشاد باری ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ *

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور خوب پاک و صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

نیز مشائخ فرماتے ہیں کہ بسط میں سرور ہے اور قبض میں تکلیف۔اور عارفوں کا سرور وصلِ معرفت کے بغیر نہیں ہوتا،اور وہ اپنی تکلیف فصل کے بغیر نہیں دیکھتے۔

(کشف المحجوب ص 581)

اُنس و ہیبت

انس و ہیبت : سالکان راہِ حق کے دو حال کا نام ہے۔جب حق تعالیٰ بندے کے دل پر مشاہدۂ جلال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب مشاہدۂ جمال سے تجلّی فرماتا ہے تو اس کے دل پر محبت و انس کا غلبہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اہل محبت اس کے جلال سے حیرت زدہ اور اہل انس و محبت اس کے جمال سے خوشی میں مگن ہو جاتے ہیں۔

جلال الٰہی کی محبت کی آگ میں جلنے والے دلوں میں اور اس کے جمال کے نور کے مشاہدہ میں تاباں دلوں کے اندر یہ فرق ہے۔انس کی ممکنہ صورت حق تعالیٰ شانہٗ کی یاد اور اس کا ذکر ہے۔

قہر و لطف

قہر : مشائخ طریقت قہر سے مراد حق تعالیٰ شانہٗ کی تائید سے اپنی مرادوں کو فنا

کرنے اور نفس کو خواہشات سے محفوظ رکھنا لیتے ہیں۔اور لطف سے اُن کی مراد یہ کہ حق تعالیٰ شانہ کی تائید سے باطن کو باقی رکھیں اور ہمیشہ مشاہدے میں مشغول رہیں۔

نفی واثبات

نفی واثبات: تائید حق کے ساتھ صفت بشریت کے فنا کو نفی اور غلبۂ حقیقت کے وجود کو مشائخ طریقت کے نزدیک اثبات کہا جاتا ہے۔اس لئے کہ "محو" کل کے مٹ جانے کو کہتے ہیں،اور کل کی نفی بجز صفات کے ذات پر ممکن نہیں ہے۔

کیونکہ جب تک بشریت باقی ہے اس وقت تک ذات سے کل کی نفی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ مذموم صفات کی نفی، خصائل محمودہ کے اثبات کے ساتھ کی جائے۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ اس نفی سے مراد، حق تعالیٰ کے اختیار کے اثبات میں بندے کے اختیار کی نفی ہے۔اسی بنا پر ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

" اِخْتِيَارُ الْحَقِّ لِعَبْدِهٖ مَعَ عِلْمِهٖ لِعَبْدِهٖ خَيْرٌ مِّنْ اِخْتِيَارِ عَبْدِهٖ لِنَفْسِهٖ مَعَ جَهْلِهٖ بِرَبِّهٖ"

حق تعالیٰ کا اختیار اس کے بندے کے لئے اس کے اپنے علم سے بہتر ہے۔اس سے جو بندہ کو اپنے نفس کے لئے خدا سے غافل رہ کر اختیار پایا جائے۔

اس لئے کہ محبت میں محبّ کے اختیار کی نفی ،محبوب کے اختیار کے اثبات سے وابستہ ہے۔مشائخ فرماتے ہیں کہ محبت میں کم سے کم درجہ اپنے اختیار کی نفی ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے اس کی نفی ممکن نہیں، اور بندے کا اختیار عارضی ہے اس کی نفی جائز ہے۔

مسامرہ ومحادثہ

مسامرہ اور محادثہ در اصل کاملان طریقت کے احوال کی دو حالتیں ہیں۔محادثہ کی حقیقت باطنی کیفیت سے متعلق ہے جہاں زبان کو خاموش رکھا جاتا ہے ، اور مسامرہ کی حقیقت باطنی واردات کے چھپانے پر ہمیشہ خوش رہنا ہے۔

رات کی مناجات کو مسامرہ اور دن کی دعاؤں کو محادثہ کہا جاتا ہے۔گویا دن کا حال کشف پر مبنی ہے اور رات کا حال خفا پر، رات دوستوں کی خلوت کا وقت ہوتا ہے اور دن بندوں کی خدمت کرنے کا وقت ۔اور محبت میں مسامرہ،محادثہ سے کامل تر ہوتا ہے۔

(کشف المحجوب:ص588)

کائن بائن

صوفی کو جو کائن بائن یعنی بظاہر خلق کے ساتھ ، اور بہ باطن خالق کے ساتھ کہتے ہیں تو اس میں ظاہر سے عالم خلق اور باطن سے عالم امر مراد لیتے ہیں۔

اس مقام کو جو دونوں توجہوں کا جامع ہے ، بڑا عالی کہتے ہیں، اور مقام تکمیل و ارشاد اور مرتبۂ دعوت کہتے ہیں۔

(مجدد الف ثانی:ص278)

فنا فی الشیخ ،فنا فی اللہ

شیخ کے ساتھ محبت یہاں تک غالب ہو کہ دل سے دوسروں کی محبت نکل جائے تو یہ فنا فی الشیخ کا درجہ ہے ۔اور اس راہ تصوّف کا یہ پہلا زینہ ہے ۔اور یہی فنا فی الشیخ وسیلہ بن جاتا ہے فنا فی اللہ کا،جس پر بقا باللہ مترتب ہے،اور یہی ولایت کا حاصل ہے ۔

ابتداء میں بغیر کسی وسیلہ کے محبوب حقیقی کا جذب و انجذاب میسر ہو جائے تو بڑی دولت ہے کہ اسی سے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے ۔ورنہ شیخ کامل و مکمل کا وسیلہ ضروری ہے ۔

زاجر

زاجر گناہوں سے منع کرنے والے جذبے کو کہتے ہیں۔زاجر قلب پر عقل کے فیضان کا نام ہے۔

بیداری

بیداری: یہ ہوشیار اور خبردار ہونے کا نام ہے کہ انسان مخالف چیزوں کو مخالف سمجھے اور ان سے بدظن ہو اور نفرت کرے، اور ان سے مکمل طور پر الگ ہو جائے،تمام پرانے طریقوں کو بدل کر عبادات اور طاعات میں مشغول ہو جائے۔

مجدّدیت

واضح رہے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدّد گزرا ہے،لیکن سو سال کا مجدّد اور ہے، اور ہزار سال کا مجدّد اور ہے۔ اور جتنا سو اور ہزار میں فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجدّدوں میں فرق ہے۔

اس مدت میں جو فیض امت کو پہنچتا ہے،مجدّد ہی کے ذریعے پہنچتا ہے،خواہ وہ اقطاب و اوتادِ وقت ہوں،خواہ ابدال و نجباء ہوں۔

(مکتوبات دفتر دوم,مجدد الف ثانی:ص 249)

قوت ملکیّہ اور قوت بہیمیّہ:

انسان کے اندر دو قوّتیں ودیعت کی گئی ہیں قوت ملکیہ، اور قوت بہیمیّہ۔پھر ہر ایک کے علیٰحدہ علیٰحدہ خواص ہیں جو اس کی امداد کرتے ہیں۔

انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ قوت ملکیہ اختیار کرے اور اس قوت کو مضبوط تر بنائے تاکہ قوت بھیمیہ اس کے تابع ہو کر اس کے رنگ میں رنگی جائے۔

صدیق،شہید اور عابد

صدیق ،شہید اور عابد: وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کا لطیفۂ قلبیہ زیادہ مہذب اور شائستہ ہو،اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ دوستی اوردائمی عبودیت کا ان پر غلبہ ہو۔

زہّاد

زہّاد: وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کا لطیفہ شہوانی زیادہ شائستہ ہو، اور فانی خواہشات سے کنارہ کشی ان پر غالب ہو۔

راسخین فی العلم

راسخین فی العلم: وہ لوگ جن کا لطیفہ عقلیہ زیادہ قوی اور طاقتور ہو۔

اصحاب الیمین

اصحاب الیمین: وہ لوگ جو نفاق کی برائی سے کسی قدر خلاصی حاصل کر لیں۔

تکمیلِ لطائف

جب سالک کو اس لطیفہ کا ذکر جو وہ کر رہا ہے فنا ہو جائے ،یعنی محسوس نہ ہو تو یہی اس لطیفے کی تکمیل کا درجہ ہے۔

تکمیل مراقبہ

کیفیتِ مراقبہ کا فنا ہونا تکمیل مراقبہ ہے۔

وحی

حق تعالیٰ کی طرف سے نبی کے قلب پر جو بات وارد ہو یا خواب میں معلوم ہو، یا فرشتہ آ کر کہے اُسے وحی کہتے ہیں ۔نبی کو درجۂ نبوت اور درجۂ ولایت دونوں حاصل تھے،

اس لئے نبی پر جو القاء درجۂ نبوت میں ہوا اُسے وحی، اور جو درجہ ولایت میں ہوا اُسے الہام کہنا مناسب ہے۔

الہام

ولی اللہ کے قلب پر جو بات حق تعالیٰ کی جانب سے عالم بیداری میں وارد ہو، یا خواب میں معلوم ہو، اُسے القاء یا الہام کہتے ہیں۔ القاء کی چند قسمیں ہیں:

ایک یہ کہ خیال کے ذریعے کوئی بات معلوم کی جائے جیسا کہ عالم خیال میں سچے خواب نظر آتے ہیں، اور یہ القاء نیند کی حالت میں ہوتا ہے ۔اس صورت میں القاء، القاء کرنے والا، اور جو بات القاء کی گئی سب خیال ہوتے ہیں۔

اور ایک یہ ہے کہ عالم بیداری میں کوئی خیال کسی شخص کے دل میں آئے اور وہ اس خیال کے بارے میں جانتا بھی ہو کہ میرے دل میں یہ بات خیالی طور پر آئی ہے، اس کا کسی درجہ میں بھی اعتبار نہیں ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ انسان وجدانی طور پر اپنے دل میں کوئی مضمون دفعۃً آتا ہوا پائے، اور یہ مضمون بشدّت تقاضہ کے ساتھ نازل ہو جس کی طرف پہلے سے خیال وغیرہ کچھ نہ ہو تو اس کو الہام کہتے ہیں۔

کبھی الہام بصورت کتاب ہوتا ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد بعض دفعہ ایک کاغذ رکھا ہوا پاتے ہیں جس میں وہ بات لکھی ہوئی پاتے ہیں جس کا ان کو الہام کیا گیا تھا۔

اولیاء اللہ کسی وقت ملائکہ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، مگر القاء اور الہام کرتے ہوئے مشاہدہ نہیں کرتے ۔ یا کسی وقت بدون فرشتہ کے دیکھے ہوئے صرف اپنے وجدان سے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات فرشتہ کی طرف سے ہے۔

وحی اور الہام میں فرق

فرشتہ کو دیکھنا، اور القاء کرتے ہوئے دیکھنا یہ دونوں باتیں نبی یا رسول کے سوا کسی میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور اسی لئے نبی میں جو کہ صاحب شریعت منزّل لہ ہے، اور ولی میں جو کہ اس کا تابع ہے فرق کیا جاتا ہے (کہ دونوں کے علوم برابر نہیں)۔

نبی کا علم قطعی ہوتا ہے، کیونکہ وہ بلا واسطہ فرشتہ کو بھی دیکھتا ہے، اور القاء کا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ اور ولی کا علم جو بواسطہ القاء و الہام کے حاصل ہوتا ہے، وہ ظنّی ہوتا ہے، کیونکہ اس کو صرف القاء کا مشاہدہ ہوتا ہے، القاء کرنے والے کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔

(آداب العبودیۃ آداب بندگی: ص23)

واردات

وہ کوائف اور معانی جو بے کسب سالک کے قلب پر آئیں واردات کہلاتے ہیں۔

رضا

رنج و بلا کا بار خوشی سے اٹھا لینا، اور تکلیف سے پریشان نہ ہونا رضآ ہے۔

تسلیم

ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اللہ کی طرف سے جو ہو اُس پر خوش ہونا تسلیم کا مقام ہے۔ سلوک کی ابتدا رضا ہے، اور انتہا تسلیم ہے۔

ذکر و فکر

ابتدائے سلوک میں ذکر، اور انتہائے سلوک میں فکر ہوتا ہے۔

ایمان

اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اور موصوف بجمیع صفاتِ کمال جاننا، اور آنحضرت جناب

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء ماننا ، اور تمام انبیاء و رسل ، ملائکہ ، کتب آسمانی ، قیامت ، جنت ، دوزخ کو حق جاننا ایمان کہلاتا ہے۔

اسلام

احکام الٰہی و رسالت پناہی کے ماننے کا نام اسلام ہے۔

دین

دین سے مراد ہے حکم برداری ، اطاعت ، عبادت ، طریقۂ سزا ، اور حسابِ قیامت ، شریعت ، راہ راست شرع ، اور دین حق تعالیٰ کو شریعت کہتے ہیں۔

اُفق

عالمِ اجسام کو افق کہتے ہیں ، اس کی جمع آفاق ہے۔

اُفقِ مبین

قلب کے مقام نہایۃ کو اُفقِ مبین کہتے ہیں۔

اُفقِ اعلیٰ

روح کے مقام نہایۃ کو اُفق اعلیٰ کہتے ہیں۔

ادراک

اشیاء غیر محسوس کو دریافت کرنا ادراک کہلاتا ہے۔

جمعیت

اللہ کے ماسوا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونا جمعیت ہے ، اور اس کی ضد تفرقہ ہے۔

واسطہ

انسان کامل و مکمل جو خالق اور خلق میں مناسبت رکھے واسطہ کہلاتا ہے۔

ولایت کامل

بندہ کا اپنے نفس یعنی ذات کے فنا ہونے کے بعد حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونا ولایتِ کامل ہے۔

حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اُس ذات پاک کی حقیقت کو جس پر تعین اوّل لاحق ہو حقیقت محمدیؐ کہتے ہیں۔

حال

حال وہ حالت ہے جو قلب و روح پر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے طاری ہو۔

ناسوت

عالم خلق، عالم شہادت، طریقہ اور مقام تخلیہ کو ناسوت کہتے ہیں۔

ملکوت

عالم غیب، عالم معنیٰ، اور عالم ارواح کو ملکوت کہتے ہیں۔

جبروت

دبدبہ، عظمت، شوکت، اور مرتبۂ وحدت اوّل کو جبروت کہتے ہیں۔

لاہوت

اسرار و تجلیاتِ ذات پاک عزوجل تعالیٰ کو لاہوت کہتے ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے عبقات کے اندر ان چاروں کی وضاحت ان الفاظ سے کی ہے۔

یعنی فاطر و خالق کی ذات کی تعبیر حضرات صوفیاء لاہوت کے لفظ سے کرتے ہیں۔
اور تجلیات اسماء الٰہیہ جس کے ذیل میں نفس کلیہ بھی درج ہے، ان کی تعبیر جبروت سے کرتے ہیں۔
اور ارواح و مثال کو ملکوت کہتے ہیں۔
اجسام اور اجسام کے تابع جو عوارض و قویٰ ہیں ان کو ناصوت کہتے ہیں۔

(عبقات ص:79)

بحت

بحت کے معنیٰ ہیں خالص، محض اور صرف

مراقبہ

مبدءِ فیاض سے فیض کا انتظار کرنا مراقبہ کہلاتا ہے۔

تصوّف

نفسانی خواہشوں سے پاک ہونا، اور صرف اللہ کی طرف رجوع ہونا تصوّف ہے۔

صوفی

صوفی : وہ ہے جو اپنا خیال اپنے قلب کی طرف رکھے، اور اللہ عزوجل تعالیٰ کے سوا دوسرے کو اُس میں آنے نہ دے۔جس کا دل صاف اور ہر قسم کی گندگی سے پاک ہو، جو لوگوں سے کٹا ہوا اور اللہ عزوجل تعالیٰ سے جڑا ہوا ہو، اور اللہ کے غیر سے اُس کا کوئی تعلق نہ ہو، جو بات کرے تو حقیقت بیان کرے، جو رسم و رواج کا پابند نہ ہو، اور اپنے علم پر عمل کرتا ہو۔

سلوک

سلوک سے مقصود یہ ہے کہ اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے، اور استدلال کشف سے

بدل جائے ،اور اللہ عزوجل تعالیٰ کی رضامندی اور اُس کا قرب طلب کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی شریعت کے احکامات پر عمل پیرا ہونے ،اور خلاف شرع کاموں اور گناہوں سے بچنے میں ہے ۔سیر وسلوک کے منازل طے کرنے کا حقیقی مقصد ایمانِ کامل،اوراخلاص کے مقام کا حصول ہے تا کہ باطنی آفتیں اور قلب کے امراض ختم ہو جائیں۔

معرفت

معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل سے دوستی،زبان سے اُس کی یاد ،غیراللہ سے قطع تعلق،شرعی احکامات کی بجا آوری،سنتوں کی تابعداری ،اپنے نفس سے بدگمانی،اور جھگڑوں سے اجتناب کیا جائے ۔جو اپنے لئے جاہ، مال و مرتبہ کا طالب ہو وہ معرفت کی راہ سے بہت دور ہے۔

جذبہ

اللہ عزوجل تعالیٰ کی تجلّی کی طرف قلب کا کھینچنا جذبہ ہے۔

علم لدّنی

علم لدّنی وہ علم ہے جو بغیر واسطہ،مبدإ فیاض سے حاصل ہو۔

توجّہ والقاء

قلب وغیرہ سے دوسرے کے قلب وغیرہ میں ذکر ومحبت الٰہی کا پہنچانا توجہ اور القاء کہلاتا ہے۔

معجزہ

خرقِ عادت کی قسم سے جو بات نبی سے صادر ہو وہ معجزہ ہے۔

کرامت

خرق عادت کی قسم سے ہے، جو بات ولی سے صادر ہو وہ کرامت ہے ۔کوئی بھی کرامت اللہ عزوجل تعالیٰ کی محبت، پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری، دین پر استقامت سے بڑھ کر نہیں ۔خلاف عادت کا ظاہر ہونا اچھائی اور بڑائی کی دلیل نہیں ۔خلاف عادت باتوں کے ظہور پر نظر رکھنا تنگ نظری ہے ،اور مرید کا کرامت کی طلب کرنا اس کے اخلاص کے خلاف ہے۔

کرامات اس شخص کو نہیں دی جاتیں جو ان کا طلب گار ہو، بلکہ اس کو دی جاتی ہیں جو اپنے نفس اور عمل کو کچھ نہ سمجھے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں مشغول رہے،اور اُس کے فضل پر نظر رکھے۔

معونت

خلاف عادت بات جو مجنون یا عام مومن سے ثابت ہو اُسے معونت کہتے ہیں۔

استدراج

خلاف عادت بات جو کافر سے صادر ہو اُسے استدراج کہتے ہیں۔

سحر وسیمیا

وہ خلاف عادت بات جو اسباب ظاہری سے ظاہر ہو سحر وسیمیا ہے ۔

صاحب تمکین

صاحب تمکین وہ ہے جو سلوک کی منزلیں ناسوت، جبروت، اور لاہوت طے کر کے واصل الی اللہ ہو گیا ہو۔

صاحبِ تلوین

صاحبِ تلوین اُسے کہتے ہیں جو سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہو۔

ابدال

ابدال اس گروہِ اولیاء کو کہتے ہیں جس کے وجود سے اللہ تعالیٰ عالم کو قائم رکھتا ہے۔ ان کی تعداد ہر وقت ستر (70) رہتی ہے۔

اوتاد

یہ چار اولیاء ہیں جو دنیا کے چاروں طرف مامور ہیں۔

نجباء

یہ سات اولیاء ہیں جو تمام عالم میں مامور رہتے ہیں۔ نجباء نجیب کی جمع ہے۔

نقباء

یہ بھی اولیاء اللہ ہیں۔ تمام عالم میں ان کی تعداد تین سو رہتی ہے۔ نقیب کی جمع نقباء ہے۔

اخیار

ان کی تعداد سات ہے۔ یہ وہ اولیاء ہیں جو تمام عالم کی سیر کرتے ہیں۔

افراد

یہ حضرات عالم میں نہیں ہیں۔ اور بواسطۂ حسن متابعت آنحضرت ﷺ فردیت سے ممتاز ہیں۔ ان کا مرتبۂ کمال یہ بھی ہے کہ وہ حکومت قطب سے باہر ہیں۔

قطب

اولیاء میں شانِ قطب سب پر بالا ہے، اور عالم باطن میں ہر کام کا مدار ان پر رکھا گیا ہے۔

غوث

قطب الاقطاب کے دائیں اور بائیں دو غوث رہتے ہیں، جن کے متعلق فریادرسی کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی قطب الاقطاب تھے، اور غوث بھی تھے۔ غوث الثقلین یعنی غوث انس وجن بھی آپ کو کہتے ہیں۔

(سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی: ص356)

صادق

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صادق یعنی سچّا ایک دن میں چالیس حالتیں تبدیل کرتا ہے، جبکہ ریاکار چالیس سال تک ایک ہی حالت میں رہتا ہے۔

☆ صدق کی علامات میں سے، ایک تنہائی کو دوست رکھنا، اور دوسری اللہ کی عبادت کو مخفی رکھنا۔ مصیبت پر صبر کرنا، اور نفسانی خواہشات کی تابعداری سے بچنا ہے۔

درویش

درویش زمین پر اللہ تعالیٰ کے امانت دار ہیں، جن کی عظمت و برکت سے دنیا کی بلائیں دور ہوتی ہیں۔ ان کی نظر لوگوں کے عیوب پر نہیں ہوتی، ان کے لئے ان کی ہر سانس آخری ہوتی ہے۔ اس لئے دریشوں کی صحبت اختیار کرنے کا کہا گیا ہے۔

☆ درویش اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے شیخ سے تکلیف نہ اٹھائے۔ اور کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور کم ملنے جلنے کا عادی نہ ہو۔

درویشی اس چیز کا نام ہے کہ اپنی زندگی اللہ کے احکامات اور اللہ کے پیارے رسول کے طریقوں کے مطابق گزاری جائے۔جس درویش کو یہ معلوم نہ ہو کہ اُس کی حالت میں کوئی کمی یا زیادتی ہوئی ہے وہ درویش نہیں ہے۔

فقیر

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ شخص ہے جو اللہ عزوجل تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ مشغول نہ ہو۔اور حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ فقیر غیر اللہ سے امید نہیں رکھتا،اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرتا ہے۔

☆ فقیر کو اللہ سے محبت اور غیر اللہ سے وحشت ہوتی ہے۔وہ شریعت پر پوری طرح ثابت قدم رہتا ہے، اُس کا کوئی کام خلاف شریعت اور خلاف سنت نہیں ہوتا،مصائب اور تکالیف سے منہ نہیں پھیرتا، اُسے ماضی اور مستقبل کی فکر نہیں ہوتی بلکہ موجودہ زمانے یعنی حال کی فکر ہوتی ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں کہ لفظ فقیر میں: "ف" سے مراد فاقہ، "ق" سے مراد قناعت "ی" سے مراد یادالٰہی اور "ر" سے مراد ریاضت ہے۔

مجاہدہ

سلوک کے فن میں اصل مجاہدہ نفسانی خواہشات اور گناہوں کا ترک کرنا ہے،خواہ کتنی ہی نفس کی خواہش ہو مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔مجاہدہ میں سالک کی نظر اپنی کوششوں اور اعمال پر نہیں بلکہ اللہ رب العزت کی ذات پر ہونی چاہئے۔

عابد

جو اوّل وقت میں فرائض ادا کرے وہ عابد ہے۔

طریقت

طریقت سے مراد نفس انسانی سے فساد اور خرابی کے دور کرنے اور نفس کی پاکی حاصل کرنا ہے۔طریقت میں من جملہ چار چیزیں ہیں: اوّل اللہ تعالی کی محبت، دوم دنیا سے بغض، سوم قرآن کریم کی تابعداری، اور چہارم حالت بدلنے کا خوف۔

چار خصلتیں

اللہ تعالیٰ نے چار خصلتوں کے بارے میں آگاہ فرما کران کی حفاظت کا حکم دیا ہے، اور ان کی مخالف خصلتوں سے منع فرمایا ہے۔یہ چار خصلتیں وہ ہیں کہ تمام انبیاء اکرام علیہم السلام نے ان کی دعوت دی اور انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔غور کیا جائے تو برّ اور نیکی کی تمام قسمیں انہی چار خصلتوں کی تشریحات اور تفصیلات ہیں۔

وہ چار خصلتیں یہ ہیں: طہارت، عاجزی، سخاوت، عدالت۔

ان چار خصلتوں میں سے پہلی طہارت ہے جس کے ذریعے سے انسان فرشتوں سے مناسبت پیدا کرتا ہے۔

عاجزی: یہ دوسری خصلت ہے جس کے سبب انسان ملاء اعلیٰ کے ساتھ مشابہت حاصل کرتا ہے۔

سخاوت: تیسری خصلت ہے جس کے ذریعے سے انسان خسیس بشری صفات سے (جو انسان کو درندگی اور خواہش نفس کی بناء پر دامن گیر ہوتی ہیں) جان چھڑاتا ہے،اور پاکیزگی وصفائی کی نعمت حاصل کرتا ہے۔

عدالت: چوتھی خصلت ہے جس کے ذریعے انسان ملاءاعلیٰ کی رضامندی،ان کی موافقت،اور ان کی شفقت ورحمت حاصل کرتا ہے۔

مقامات

مقامات سے مراد بندہ کا وہ مقام ہے جو عبادات میں اس کو اللہ عزوجل تعالیٰ کے سامنے حاصل ہوتا ہے۔

طالب کا صدق نیت اور ریاضت و مجاہدے کے ساتھ حق تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے پر قائم رہنے کا نام مقام ہے۔ ہر ارادۂ حق والے کا ایک مقام ہوتا ہے جو بوقت طلب بارگاہِ حق سے ابتداء میں اس کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ جب بھی طالب کسی مقام کو عبور کرے گا اور پچھلے مقام کو چھوڑے گا تو وہ لازمی کسی ایک مقام پر قائم ہو گا جو اس کے واردات کا مقام ہے مرکب اور از قسم مخلوق ہے وہ سلوک اور معاملہ کی قسم سے نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ:

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ★

ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی مقام معین ہے۔

جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا، اور حضرت نوح علیہ السلام کا مقام زہد تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم و رضاء تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام انابت تھا حضرت داؤد علیہ السلام کا مقام حزن و ملال تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام امید و رجاء تھا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مقام خوف و خشیت تھا، اور ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ کا مقام ذکر تھا۔

☆ اسی طرح فرمایا کہ بارگاہ الٰہی میں ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے محل ریاضت اور اس کے درجہ میں طالب کی راہ اور اس کی جائے اقامت کا نام مقام ہے۔ مقام

اعمال کے قبیل سے ہے،اور حال اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی عطا کے زمرے میں ہے، گویا مقام اوّل تا آخر کسبی ہے اور حال وہبی ہے۔

(کشف المحجوب ص 290)

انتباہ

ان میں سے پہلا مقام انتبّاہ ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف گناہ کے بعد ہمیشہ ندامت اور کثرتِ استغفار کے ساتھ رجوع کرنا ہے۔

انابت

پھر انابت ہے، اور وہ غفلت سے رجوع کرنا ہے ذکر کی طرف۔اسی طرح کہا گیا ہے کہ "توبہ" اور انابت، رغبت کا نام ہے۔یعنی اللہ عزوجل تعالیٰ کے دیدار اور اُس کی رحمت کی طرف رغبت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ توبہ ظاہر میں اور "انابت" باطن میں ہوتی ہے۔

ورع

اس کے بعد ورع ہے، اور وہ مشتبہ چیزوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

محاسبہ

پھر نفس کا محاسبہ ہے، یعنی نفس کی کمی و زیادتی کو ڈھونڈ نکالنا کہ کہاں اس نے مفید کام کیا ہے، اور کہاں مضر اور نقصان دہ باتوں پر اقدام کیا ہے۔

ارادت

پھر ارادت ہے، یعنی راہ حق میں ہمیشہ سختی اٹھانا اور آرام وراحت کو ترک کر دینا، اور تکالیف کا اٹھانا تا کہ طالب حق کا دل سوائے خدا کے کسی کو نہ چاہے۔

زُہد

پھر زہد ہے، یعنی دنیا کی حلال چیزوں کو ترک کرنا، اور اس کی شہوتوں سے علیٰحدہ ہونا۔ زُہد کے بارے مشائخ کے مختلف اقوال ہیں جن میں سے چند ایک یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں۔ زُہد ان مباح چیزوں سے کنارہ کشی کا نام ہے جو دل کو یادِ الٰہی میں مشغول ہونے سے روکتی ہوں، چاہے وہ چیزیں خارجی ہوں جیسے: کسی ایسے کام میں مشغولی جو اسے آخرت کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ دے۔ یا نفسانی جیسے: اہل وعیال اور مال کی مشغولیت اور محبت جو اسے ذکر کی چاشنی اور خلاوت سے روکے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ زُہد اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے، اور درویش سے دوستی کرنے کا نام ہے۔ جبکہ حضرت جنید بغدادیؒ زُہد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس چیز سے بندہ کا ہاتھ خالی ہو، اُس سے اُس کا دل بھی خالی ہو تو اس کو زُہد کہتے ہیں۔

☆ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ زُہد اصل میں اللہ عزوجل تعالیٰ سے ہر حال میں راضی ہونے کا نام ہے۔ اور حضرت محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ زُہد ترک دنیا و ایثار اختیار کرنا ہے۔

☆ اسی طرح بعض حضرات نے فرمایا کہ: زُہد دنیا کو کمتر جاننے، اُس کے اثرات کو قلب سے مٹانے، مال کی طرف توجہ نہ دینے، کسی بھی طلب یا خواہش سے نفس کے مطمئن ہو جانے اور قناعت اختیار کرنے، موت کو یاد کرنے، اور ہمیشہ موت کی تیاری میں لگے رہنے اور حکمت کے ساتھ دعوت دینے کا نام ہے جس سے آخرت کی کھیتی میں پھل و پھول لگتے ہیں۔

☆ حضرت سرمعاذ الراضیؒ فرماتے ہیں کہ زُہد تین حروف کا مجموعہ ہے:

"ز،ہ،د" اس میں "ز" سے مراد زینت کا چھوڑنا، "ہ" سے مراد خواہشات کا ترک کرنا، اور "د" سے مراد دنیا ترک کرنا ہے۔

☆ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ زُہد ترکِ لذّات کا نام نہیں، محض تقلیل لذات کافی ہے، یعنی لذّات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی فکر میں رہے کہ یہ چیز پکنی چاہئے، وہ چیز منگوانی چاہئے، کھانوں اور کپڑوں ہی کی فکر میں لگے رہنا، یہ زُہد کے منافی ہے ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا اہتمامِ خاص کے لذّات میسر آ جائیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے، اس پر شکر کرنا چاہئے۔

فقر

پھر فقر ہے، یعنی کسی چیز کا مالک نہ ہونا، اور دل کو ہر اُس چیز سے خالی کرنا جس سے ہاتھ خالی ہو۔

صدق

پھر صدق ہے، یعنی ظاہر و باطن کی یکسانی۔

تصبر

پھر تصبر ہے، یعنی نفس کو مکروہات پر قید کرنا، اور کڑوے گھونٹ پینا۔

صبر

پھر صبر ہے، یعنی شکوہ و شکایت کا ترک کر دینا۔

رضا

پھر رضا ہے، یعنی بلاؤں اور آزمائیشوں سے لذت اٹھانا، اور ان پر راضی رہنا۔

روزانہ کے حوادث (حوادث یومیہ) واجب الوجود عزوجل تعالیٰ شانہٗ کے ارادہ سے

پیدا ہوتے ہیں،اس لئے بندوں کو اپنے ارادوں کو حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ارادہ کے تابع بنا کر حوادث کو اپنی مراد سمجھنا، اور اُن سے لذت حاصل کرنا چاہئے۔حدیث قدسی میں ہے:

"مَنْ لَّمْ يَرْ ضَ بِقَضَائِيْ ، وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِيْ، فَلْيَطْلُبْ رَبَّ سِوَائِيْ وَيَخْرُجْ مِنْ تَحْت سَمَائِيْ"۔

جو میری قضا پر راضی نہیں ہے، اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا، اُسے چاہئے کہ میرے سوا کسی اور کو خدا بنائے، اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔

مجدد الف ثانی:ص302)

اخلاص

پھر اخلاص ہے،یعنی مخلوق کو حق کے معاملے سے نکالنا اور اس بات پر یقین رکھنا کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اُسی کی طرف سے ہو رہا ہے۔

توکل علی اللہ

پھر توکل علی اللہ ہے،یعنی اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا، اور ماسوا سے طمع کو زائل کرنا۔

☆☆☆☆☆

احوال

احوال قلب کے معاملات میں سے ہیں، اور وہ وہ حالت ہے جو ذکر کی صفائی سے قلب پر طاری ہوتی ہے۔

حال

حال اس کیفیت کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل پر طاری ہو اور اسے وہ اپنی قدرت و اختیار سے دور نہ کرسکتا ہو، اور نہ کسی محنت اور مجاہدہ سے حاصل کرسکتا ہو۔ مطلب یہ کہ جب دل میں آئے تو دور نہ کر سکے، اور نہ آئے تو وہ لا نہ سکے۔ جو کیفیت بغیر ریاضت و مجاہدے کے دل پر وارد ہو وہ اللہ تعالیٰ کا لطف و فضل ہے اس کا نام حال ہے۔

☆ حال وقت پر آنے والی ایک چیز ہے جو وقت کو مزین کرتی ہے، جس طرح روح سے جسم مزیّن ہوتا ہے وقت حال کا محتاج ہے کیونکہ وقت کی پاکیزگی حال سے ہوتی ہے اور اس کا قیام بھی اسی سے ہوتا ہے۔

لہٰذا جب صاحب وقت صاحب حال ہوتا ہے تو اس سے تغیر جاتا رہتا ہے اور وہ اپنے احوال میں مستحکم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بغیر حال کے وقت کا زوال ممکن نہیں، اور جب اس سے حال مل جاتا ہے تو اس کے تمام احوال وقت بن جاتے ہیں۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ:

" اَلْحَالُ سُکُوْتُ اللِّسَانِ فِیْ فُنُوْنِ الْبَیَانْ "

صاحب حال کی زبان اپنے حال کے بیان کرنے سے ساکت رہتی ہے اور اس کا معاملہ اس کے حال کے تحقیق و اثبات میں گویا ہوتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

" اَلسَّوَالُ عَنِ الْحَالِ مَحَالٌ "

حال کے بارے میں پوچھنا محال ہے، اس لئے کہ حال کی تعبیر ناممکن ہے۔ حال ہوتا ہی وہ ہے جہاں حال فنا ہو جائے۔

حال ایسی کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندے پر وارد ہوتی ہے، اور جب اس کا ورود ہوتا ہے تو دل سے سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔

صاحب حال کے لئے حجاب ہو یا کشف، نعمت ہو یا بلا سب یکساں ہوتا ہے، کیونکہ وہ ہر مقام میں صاحب حال ہوتا ہے۔

☆ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ حال وہ کیفیتِ نازلہ ہے جو دل پر اترتی ہے، اور ہمیشہ نہیں رہتی۔

مراقبہ

اور ان کیفیات میں سے ایک مراقبہ ہے، اور وہ یقین کی صفائی کی وجہ سے غیب کی چیزوں کو دیکھنے کا نام ہے۔

قرب

پھر قرب ہے، اور وہ ہمت کو خدا کے سامنے جمع کرنے کا نام ہے، اس طرح کہ ماسوا سے غیوبت حاصل ہو جائے۔

محبت

پھر محبت ہے، اور وہ محبوب کے ساتھ اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں میں موافقت کا نام ہے۔

محبوبیت، محبّیّت، محبت

محبت ذاتیہ میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے، تین اعتبارات سے: (1) محبوبیت (2) محبّیّت (3) محبت۔

کمالاتِ محبوبیّت ذاتیہ خاتم المرسلین جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ظہور کمالات محبّیّت حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا نصیب ہے۔نفس محبت میں ابوالبشر سیدنا حضرت آدم، حضرت ابراہیم، اور حضرت نوح علیٰ نبیّنا و علیہم الصلوٰۃ والسلام مشہور ہوئے ہیں۔حق عزوجل تعالیٰ جس طرح اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے، اُسی طرح اپنے اسماء و صفات، وافعال و کمالات کو بھی دوست رکھتا ہے۔

مقام محبّت ذاتیہ کے اوپر مقام حب ہے، جو ان تینوں مقامات کا جامع ہے۔ مقامات محبت اور حُبّ کے اوپر مقام رضا ہے۔حضرت خاتم الرسل ﷺ کے سوا کسی کا قدم مقام رضا کے اوپر نہیں ہے۔پیارے پیغمبر ﷺ نے یہ جو ارشاد فرمایا ہے:

”لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ ، وَلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ“

میرا ایک ایسا وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جس میں کسی فرشتہ مقرّب اور نبیِ مرسل کو دخل نہیں ہے۔تو اس میں اسی مقام کی خبر دی ہے۔

رجاء

پھر رجاء ہے، اور وہ حق تعالیٰ کی ان باتوں میں تصدیق کرنا ہے جن کا اس نے وعدہ کیا ہے۔

خوف

پھر خوف ہے، اور وہ قلب کا خدائے تعالیٰ کی سطوت اور غضب کا مطالعہ کرنا ہے۔

حیاء

پھر حیاء ہے، اور وہ قلب کو انبساط سے روکنا ہے۔اور یہ اس لئے ہے کہ قرب ان احوال کا تقاضا کرتا ہے۔ پس ان میں سے کوئی اپنی حالت قرب میں اللہ عزوجل تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کو دیکھتا ہے تو اس پر خوف وحیاء غالب ہوتی ہے۔

اور ان میں سے کوئی اللہ کے الطاف پر نظر کرتا ہے، اور اس کے قدیم احسانات کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل پر محبت اور رجاء غالب ہوتی ہے۔

شوق

پھر شوق ہے، اور وہ محبوب کے ذکر کے وقت قلب کا ہیجان ہے۔

اُنس

پھر اُنس ہے، اور وہ اللہ عزوجل تعالیٰ کی طرف سکون اور تمام امور میں اس سے استعانت کا نام ہے۔اور اُنس، محبوب کے مشاہدہ کو محب کا لازم کر لینا ہے، اور جب اس حال پر ایک زمانہ گزر جاتا ہے تو محب کا قلب، وجودِ محبوب سے سکون حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ اس سے ورع اور حشمت زائل ہو جاتی ہے، تو وہ ایسی جرأت کر بیٹھتا ہے جو محبوب کے حال کے لائق نہ ہو۔

طمانیّت

پھر طمانیّت ہے، اور وہ اللہ کی مقدورات پر سکون حاصل کرنے کا نام ہے، اور سکون وارداتِ محبت کے تحت ہوتا ہے۔ اگر چہ وہ رضا ہو یا کراہیت، لطف ہو یا قہر، قرب ہو یا بُعد، ہر چیز محبوب کے سپرد ہو جاتی ہے، اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یقین

پھر یقین ہے اور وہ تصدیق ہے جو شک کو دور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

مشاہدہ

پھر مشاہدہ ہے، اور وہ روٴیت یقین اور روٴیت العین سے علیحدہ ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو نہ دیکھو تو وہ تم کو دیکھتا ہے، اور وہ آخر احوال ہے۔

فواتح

پھر اس کے بعد فواتح حاصل ہوتے ہیں، جس کے معنیٰ کشادہ کرنے والی چیز کے ہیں، یعنی اسرار کائنات اُس پر کشادہ ہونے لگتے ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ فواتح، لوائح، اور منائح، ایسی کیفیتیں ہیں جن کو الفاظ میں ظاہر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(فواتح جمع فاتحہ کی ہے، معنیٰ کشادہ کرنے والی، لوائح جمع لائحہ، معنیٰ ظاہر اور روشن کرنے والی، منائح جمع منحیہ، بمعنیٰ عطیہ کے ہیں)۔

ولایت نقشبندیہ

جس طرح ولایت محمدیہ ﷺ دوسرے تمام رسولوں، اور نبیوں کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح مشائخ نقشبندیہ کی ولایت بھی تمام اولیاء قدس سرھم کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ولایت سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

طریقہٴ عالیہ نقشبندیہ کے بعض کمالات کے اظہار سے غرض یہ ہے کہ طالبوں کو اس کی

طرف رغبت پیدا ہو۔

تجلّی ذاتی دیگر مشائخ کے نزدیک برقی ہے، اور مشائخ نقشبندیہؒ کے نزدیک یہ حضور ذاتی دائمی ہے۔

(مجدد الف ثانی: ص 157)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حضرت حضر علیہ السلام سے متعلق خیال

حضرت مجدد الف ثانی میاں بدیع الدین صاحب کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے احباب ایک مدت سے حضرت حضر علیہ السلام کے بارے میں پوچھتے تھے لیکن مجھے ان کے حال پر پوری واقفیت نہیں تھی اس لئے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لیتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ آج صبح کے حلقہ میں میں نے دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت حضر علیہما السلام روحانیوں کی طرح موجود ہیں۔

اور اس روحانی ملاقات میں حضرت حضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہ عزوجل تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ ہماری ارواح اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام کرتی ہیں جو جسموں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں، یعنی جسمانی حرکات وسکنات، اور جسدی طاعات وعبادات۔ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں، لیکن قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں۔

(مجدد الف ثانی: ص 236)

منصور حلاجؒ اور بایزید بسطامیؒ

بعض مشائخ کے اقوال بظاہر شریعتِ حقّہ کے مخالف نظر آتے ہیں، اور بعض لوگ انہیں توحیدِ وجودی پر حمل کرتے ہیں۔ جیسے منصور حلاجؒ کا "اَنَا الْحَق" کہنا اور بایزید بسطامیؒ کا "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ" کہنا وغیرہ۔

بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان اقوال کو توحید وجودی پر محمول کیا جائے، اور مخالفت دور کی جائے۔ جب حق تعالیٰ شانہٗ کا ماسویٰ ان حضرات کی نظروں سے مخفی ہو گیا، تو غلبۂ حال میں اس قسم کے الفاظ اُن کے منہ سے نکلے، اور انہوں نے حق کے سوا غیر کو ثابت نہیں کیا۔

"أَنَا الْحَق" کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ، حق ہے اور میں نہیں ہوں۔ اس کا کہنے والا اپنے آپ کو نہیں دیکھتا تو اس وجہ سے اپنا اثبات نہیں کرتا۔ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو حق کہتا ہے، اس لئے کہ ایسا کہنا کفر ہے۔

(مجددالف ثاني: ص 166)

ہمہ از اوست

متقدمین صوفیاء سے ہمہ از اوست نہیں سنا گیا، لیکن "أَنَا الْحَقّ" "سبحانی" وغیرہ الفاظ سنے گئے ہیں جو متأخرین کے الفاظ "ہمہ اوست" کے ہم معنیٰ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ہمہ اوست کے یہ معنیٰ ہیں کہ تمام متفرق جزئیات حادث ہیں ایک ہی ذات تعالیٰ کے ظہور ہیں۔ اگر زید کی صورت متعدد آئینوں میں منعکس ہو کر ظاہر ہو، اور ان صورتوں کو ہمہ اوست کہیں تو اس میں جزئیت، اتحاد، حلول اور تلوّن کی گنجائش نہیں ہے۔ جہاں زید کی ذات ہے وہاں ان صورتوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے وہاں عالم کی گنجائش نہ ظہور کے قبل تھی، اور نہ ظہور کے بعد ہے۔

صاحب عوارف کی رائے ہے کہ منصور کا "أَنَا الْحَقّ" کہنا اور بایزید کا "سبحانی" کہنا حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے حکایت کے طور پر تھا۔

محی الدین ابن عربی نے اس باریک مسئلہ کی تشریح کی ہے، لیکن پھر بھی بعض نے محی الدین ابن عربی کی مراد کو نہ سمجھ کر اُن پر طعن وملامت کی ہے۔

اس عبارت کے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ بجز اللہ تعالیٰ کے سب نیست ہیں، اور

صرف حق تعالیٰ شانہٗ ہی موجود ہے۔ ایک بے وقوف آدمی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ سب نیست ہیں، اور حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ متحد ہیں، تو پھر دیندار بندے ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں، اور سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے یہ ہمہ اوست کہتے ہیں۔ یعنی جو کچھ دکھائی دیتا ہے سراسر وہم وخیال ہے، اور موجود صرف حق تعالیٰ ہے۔

لیکن حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں حق تعالیٰ شانہٗ کے مرتبۂ تقدس اور تنزّہ کے خلاف ہیں۔ اشیاء کی یہ مجال نہیں ہے کہ اللہ کا مظہر ہوسکیں۔ وہ مظہر ہیں تو اللہ تعالیٰ کے بعض کمالات ظلال کی مظہر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات تک ہزار ظلال درمیان میں ہیں۔ ارشاد ہے:

اِنَّ لِلّٰهِ بِسَبْعِيْن اَلْفُ حِجَاب مِّنْ نُوْرٍ وَّظُلْمَةٍ

اللہ تعالیٰ کے لئے نور وظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔

حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ شانہٗ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے۔ لیکن غلبۂ سکر اور حال میں اس قدر مذموم نہیں ہے۔
(مجدد الف ثانی: ص 307)

☆☆☆☆☆

مشائخ طریقت کے کلام میں بطور استعارہ و اصلاح کے چند اصطلاحات

مشائخ طریقت کے کلام میں بطور استعارہ و اصلاح کے

چند اصطلاحات

الحق : مشائخ طریقت کے ہاں اس سے مراد رب العزت کی ذات اقدس ہے،اس لئے کہ اسماء الٰہیہ میں سے ایک حق بھی ہے جیسے:

''بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ'' یقیناً اللہ وہی حق ہے۔ (الحج62)

الحقیقۃ

سے مراد وصل الٰہی کے محل میں بندے کا قیام،اور محل تنزیہہ میں بندے کے باطن کا وقوف ہے۔

الخطرات

سے مراد دل پر گزرنے والے طریقت کے احکامات ہیں۔

الوطنات

سے مراد وہ معانی ہیں جو متوطن کے باطن میں وارد ہوں۔

الطمس

سے مراد عین (ذات) کی ایسی نفی کہ اس کا اثر بھی نہ رہے۔

الرمس

الرمس سے مراد ذات کی ایسی نفی کہ دل پر اس کا اثر رہے۔

العلائق

ایسے اسباب جن سے تعلق رکھنے کی وجہ سے طالب مراد ومقصود سے رہ جائے۔

الوسائط

ایسے اسباب جن سے طالب تعلق رکھ کر مقصود ومراد کو حاصل کرلے۔

الزوائد: دل میں انوار کی زیادتی۔

الفوائد

اپنے ضروری اسرار کا ادراک کرنا۔

الملجاء

اپنی مراد کے حصول میں دل پر اعتماد کرنا۔

المنجا

محلِ آفت سے دل کا نجات پانا۔

الکلیۃ

پورے طور پر بشری اوصاف میں مستغرق ہونا۔

اللّوائح

اثباتِ مراد اور واردات کی نفی۔

اللّوامع

دل پر نور کا ظہور، اس کے فوائد کے باقی رہنے کے ساتھ۔

الطّوالع: دل کا نور معرفت سے روشن ہونا۔

الطّوارق

شب بیداری میں عبادت ومناجات کے دوران دل پر خوشخبری یا فتنہ کی حالت کا طاری ہونا۔

السّر : محبت ودوستی کے معاملہ کو پوشیدہ رکھنا۔

النّجوٰی

راز ونیاز کے ذریعہ تکالیف ومصائب سے تحفظ حاصل کرنا، تاکہ غیر کو خبر نہ ہو۔

الاشارۃ

بغیر الفاظ کے استعمال کئے اپنا مطلب اشارۃً بیان کرنا۔

الایماء

ظاہری الفاظ واشارہ کے بغیر کسی دوسری کیفیت کے ذریعہ کچھ بتانا۔

الوارد: معانی کا دل نشین ہونا۔

الانتباہ: دل کا ہوشیار اور غفلت سے بیدار ہونا۔

الاشتباہ

کسی چیز کا حق وباطل کے درمیان اس طرح مخلوط ہونا کہ حقیقت کا امتیاز نہ ہو سکے

القرار

کسی تردد کے بغیر معاملہ کی حقیقت پر سکونِ دل اور قرار قلب کا حاصل ہونا۔

الانزعاج

راہِ راست پر ہونے کے باوجود حالات کا اضطراب میں ہونا۔

توحید کی وضاحت کے لئے اہل طریقت کی اصطلاحات

العالَم

عالَم سے مراد ربّ العالمین کے علاوہ تمام موجودات ومخلوقات ہیں جن کی تعداد اٹھارہ ہزار اور بعض روایات کے مطابق پچاس ہزار ہے ۔فلسفیوں کے نزدیک عالَم کی دو بنیادی قسمیں ہیں: (1)عالَمِ عَلوی یاعالَمِ بَالا۔ (2)عالَمِ سفلی یاعالَمِ دنیا۔ اہل طریقت کے ہاں ایک عالَمِ ارواح ہے،اور دوسرا عالَمِ نفوس۔

المحدث

جوعدم سے وجود میں آیا ہو۔

القدیم

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے،جوتمام موجدات سے پہلے ہمیشہ سے تھا، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔خواہ دیگرمخلوقات رہیں یا نہ رہیں۔

الازل

جوآغاز اورانتہاء سے ماوریٰ ہو۔

الابد

جوانجام وانتہاء سے بے نیاز ہو۔

الذات

اصلیت ،حقیقت ،ہستی اور وجود کا نام ذات ہے۔

الصفت

ایسی خوبی جو بذات خود قائم نہ ہو جیسے علم وحسن وغیرہ۔

الاسم

کسی چیز کی اصلیت یا کیفیت کا تعارفی کلمہ یا اشارہ۔

التسمیہ

ایسا نام یا تعارف جس میں عظمت کا پہلو پوشیدہ ہو۔

النفی

کسی فانی چیز کا نہ ہونا واضح کرنا۔

الاثبات

کسی ہو سکنے والی چیز کا وجود یا ہونا ثابت کرنا۔

الشیٔیان

ایسی دو چیزیں جن کا وجود ایک دوسرے کی موجودگی میں جائز ہو۔

الضدان

ایسی دو چیزیں جن میں سے ایک کا وجود دوسرے کی موجودگی میں کسی ایک حالت پر جائز نہ ہو۔البتہ مختلف حالتوں میں ہر ایک کا وجود الگ الگ جائز ہو۔

الغیر ان

دو چیزوں میں سے ایک کا وجود دوسری کی فنا کے لئے جائز ہو۔

الجوہر

کسی چیز کا مادہ یا اصل جو بذات خود قائم ہو۔

العرض

ایسی صفت یا کیفیت جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔

الجسم

ایسا مرکب جو مختلف اجزاء سے تیار کیا گیا ہو۔

السوال

اصلیت یا حقیقت معلوم کرنا۔

الجواب

مطلوبہ معلومات مہیا کرنا۔

الحسن

ایسی کیفیت جو متعلقہ چیز کے مناسب اور امر حق کے موافق ہو۔

القبیح

ایسی حالت جو متعلقہ چیز سے مناسب اور امر حق کے موافق ہو۔

السفہ

حقیقی معاملہ کو چھوڑ دینا۔

الظلم

کسی چیز کا مناسب استعمال نہ کرنا، اور اسے موزوں مقام نہ دینا۔

العدل

ہر معاملہ میں مناسب اور موزوں رویہ اختیار کرنا جس کے ذریعہ ہر چیز اپنا صحیح مقام حاصل کرے۔

الملک

جس کے قول وفعل پر اعتراض نہ ہو سکے۔

یہ ایسی اصطلاحات ہیں جن سے حقیقت کے طلب گاروں کو واقف ہونا بڑا ضروری ہے۔

(کشف المحجوب ص:597)

اصطلاحاتِ تصوف کی چوتھی قسم جو صرف صوفیاء کے درمیان رائج ہیں

الخاطر

دل میں ایسے خیال اور وسوسہ کا آنا جسے دل سے نکالنے پر قدرت حاصل ہو، اور جو کسی دوسرے خیال کے آنے پر زائل ہو جائے ۔اہلِ معاملہ خیالات کی آمد کے وقت پہلے خیال کو منجانب اللہ سمجھ کر اسے اپنا لیتے ہیں، اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔

الواقع

سے مراد دل میں ایسے خیالات اور کیفیات کا آنا جو مستقل دل نشین ہو جائے اور اُسے دور کرنے پر قدرت حاصل نہ ہو۔جیسے ایک محاورہ ہے کہ:

"خَطَرَ عَلٰی قَلْبِیْ وَوَقَعَ فِیْ قَلْبِیْ"

یعنی میرے دل میں ایک خیال گزرا اور وہ میرے دل میں بیٹھ گیا۔

خیالات تو تمام دلوں میں آتے ہیں مگر واقعات صرف حق تعالیٰ کے نور سے معمور

دلوں میں واقع ہوتے ہیں۔

الاختیار

اپنے اختیار پر اختیارِ مولیٰ کو ترجیح دے کر خیر و شر میں راضی برضا ہونا۔

الامتحان

سے مراد بذریعہ خوف، غم، قبض اور ہیبت کے اولیاء کرام کے دلوں کی آزمائش ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

اُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ * (الحجرات:3)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ (عطا کرنے) کے لئے امتحان و آزمائش میں ڈالا۔ ایسے پرہیزگاروں کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔

البلاء

سے مراد بیماریوں، پریشانیوں اور تکالیف کے ذریعے اولیاء کرام کے دلوں اور جسموں کی آزمائش ہے۔ اور جس قدر مصیبت اور آزمائش بڑی ہوگی اس قدر قربِ الٰہی میں اضافہ ہوگا۔ کیونکہ دکھ درد اولیاء کا لباس، بزرگوں کا مسکن اور انبیاء کی لازمی صفت ہے۔ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

"نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً"

ہم گروہ انبیاء تمام لوگوں کی نسبت آزمائش میں زیادہ مبتلاء ہوتے ہیں۔

اور فرمایا کہ:

" اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِيَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلْ" (بخاری)

لوگوں میں سب سے زیادہ مصیبت میں انبیاء ہوتے ہیں، پھر اولیاء، پھر وہ لوگ جو زیادہ بزرگ ہوتے ہیں، پھر جو ان کی طرح بزرگ ہوں۔

بلاء اور آزمائش مومن کے لئے ایک نعمت ہوتی ہے جس کا ظاہر تکلیف دہ اور اصل میٹھا پھل ہوتا ہے۔اور کافر کے لئے وبال جان و بدبختی ہوتی ہے جس سے چھٹکارا ملنا مشکل ہوتا ہے۔

اَلتَّحَلّیِ

سے مراد وہ اقوال زریں ہیں جو مختلف قوموں کے دانا اور عقلمندوں نے بیان کئے ہیں، اور جن سے اچھائی پیدا ہوتی ہے لیکن ایمان نہیں پیدا ہوتا۔

جیسا کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

" لَيْسَ الْاِيْمَانُ بِالتَّحَلِّيِ وَالتَّمَنِّيِ ،لٰكِنْ مَا وَقَّرَ فِي الْقُلُوْبِ وَ صَدَّقَهُ الْعَمَلُ"

یعنی ایمان کسی طرح اچھی قوم کے اقوال قبول کرنے یا ان کی طرح بننے کی خواہش کا نام نہیں، بلکہ جو کچھ دل میں بیٹھ جائے، اور اس کی تصدیق عمل سے ہو جائے تو وہ حقیقت میں ایمان کہلاتا ہے، تو اصل کام عمل ہے اور بغیر عمل کے صرف باتوں میں مشابہت تحلّی ہے۔

اَلتَّجَلّی

اولیاء کا دل کی آنکھوں سے انوار الٰہی اور ذات حق کا اس طرح مشاہدہ کرنے کے قابل ہونا کہ وہ جو چاہیں تو دیکھیں اور نہ چاہیں تو نہ دیکھیں تجلی کہلاتا ہے۔

تجلّی کے مقابلے میں رؤیت ہے جو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا عمل ہے، یہ اہل

جنت کو حاصل ہوگا،اور وہاں رؤیتِ حق جلّ شانہٗ لازمی ہوگی۔ کیونکہ تجلّی کے لئے پردہ جائز ہے اور رؤیت کے لئے ناجائز۔رؤیت بہرصورت ہوتی ہے خواہ چاہیں یا نہ چاہیں (جیسا کہ آنکھ کھولنے پر یہ ناممکن ہے کہ کچھ نہ دیکھا جائے)۔

التخلّی

سے مراد قرب الٰہی میں آڑ بننے والی مصروفیات سے کنارہ کش ہوجانا ہے۔یعنی دنیااور آخرت دونوں سے دستبردار ہونا، خواہش نفس کی مخالفت اور لوگوں سے علٰیحدگی اختیار کرنا،اور دل سے دنیاوی، اخروی،نفسانی اور انسانی وسوسوں اور اندیشوں کو دور کرنے کا نام تخلّی یا تخلیہ ہے۔

الشّرود

سے مراد آفتوں ،حجابوں اور بے قراری سے نجات طلب کرنا ہے، کیونکہ طالب حق پر جو مصیبت آتی ہے وہ حجاب سے آتی ہے۔اس پردے اور حجاب کو کھولنے کے لئے تدبیر، تجویز اور کسی عمل کا نام شرود ہے،جس کا نتیجہ سکون ہے۔کیونکہ طالب حق کو شروع میں بے چینی ہوتی ہے اور آخرکار اطمینان وسکون۔

القصود

سے مراد مقصد حاصل کرنے کے لئے عزم صمیم اور صحیح ارادہ کرنا ہے۔اولیاء کا قصد و ارادہ حرکت وسکون کے ساتھ مشروط نہیں اس لئے کہ انہیں یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ ان کی حرکت وسکونت ہی قصد و ارادہ کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے،اور تمام صفات قصد بن جاتی ہیں۔اور جب مقام محبت حاصل ہوجاتا ہے تو سراپا قصد وارادہ بن جاتے ہیں۔

الاصطناع

یہ اصطلاح گروہِ انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہے۔البتہ بعض مشائخ الیاء کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا مومن کو تمام معاملات دنیوی سے مبرّا اور لذات انسانی اور خواہشاتِ نفسانی سے خالی کر کے مہذب بنانا ہے جس کی وجہ سے وہ ماسواللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

الاصطفاء

سے مراد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بندہ کے دل کو خاص اپنی معرفت کے لئے منتخب کرنا تاکہ اپنی معرفت کی جلا اس کے دل میں بھر دے۔

یہ درجہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے علاوہ ہر خاص وعام ،فرمانبردار اور نا فرمان سب کے لئے عام ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتَابَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرَاتِ★ (فاطر:۳۲)

ہم نے پھر ان لوگوں کو کتاب دی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا، چنانچہ ان میں سے بعض تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض میانہ رو ہیں، اور بعض نیک کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

الاصطلام

سے مراد ایک لطیف آزمائش کے ذریعے غلبہ حق کا بندہ پر مسلط ہو کر اس کے دل کا امتحان لینا ہے قلب ممتحن (آزمایا ہوا دل) اور قلبِ مصطلم (جڑ سے اکھاڑا ہوا دل) دونوں

ہم معنیٰ ہیں۔البتہ امتحان کی بنسبت اصطلام خاص اور لطیف ہے۔

الرّین

سے مراد دل پر کفر اور گمراہی کا ایسا پردہ ہے جو صرف نورِ ایمان سے دور ہوسکتا ہے جیسا کہ کفار کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ★ (المطففین)

ایسا ہرگز نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کفر کرتے ہیں۔بلکہ جو کچھ وہ کفر اور شرک کیا کرتے تھے (اسی کی وجہ سے) ان کے دلوں پر ایک قسم کا زنگ یعنی پردہ پڑ گیا ہے۔

بعض کے نزدیک رین ایسا حجاب ہے جو کسی طرح زائل نہیں ہوتا کیونکہ کافروں کا دل اسلام قبول نہیں کرتا۔

الغین

اس پردہ کو کہتے ہیں جو بذریعہ استغفار زائل ہو جاتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں خفیف اور غلیظ۔حجاب غلیظ غافل اور کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے، اور خفیف حجاب سب کے لئے ہوتا ہے خواہ ولی ہو یا نبی۔جس کی طرف پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے اندر اشارہ فرمایا ہے:

"اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِیْ ، وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُاللهَ فِیْ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ"

(بخاری:ابن ماجه)

کبھی کبھی میرے دل پر ایک خفیف سا پردہ چھانے لگتا ہے تو میں اس کی مدافعت کے لئے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

چنانچہ خفیف پردہ کے لئے صرف رجوع الی اللہ کافی ہے،اور حجابِ غلیظ کے لئے

توبہ شرط ہے۔اور توبہ کا معنیٰ گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا ہے۔اور رجوع کا معنیٰ اپنے ارادہ و اختیار سے دستبر دار ہوکر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا ہے۔ نیز توبہ جرم سے کی جاتی ہے اور جرم عام بندوں کا خدا کی نافرمانی ہے۔اور خاص بندوں یعنی اولیاء کا اپنے آپ کو سمجھنا یا دیکھنا ہے۔

جو جرم سے توبہ کرتا ہے اسے تائب کہتے ہیں۔جو غیروں سے الگ ہوکر اللہ کی طرف لوٹے اسے انابت کہتے ہیں، اور جو اپنے وجود سے بھی بے نیاز ہوکر راضی برضا ہو جائے اسے اداب کہتے ہیں۔

التّلبیس

کہتے ہیں کسی چیز کو اصلیت وحقیقت کے برعکس دکھا کر وھم میں مبتلا کرنے کو، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿ الانعام:۹﴾

جو کچھ وہ حق و باطل کو ملا کر معاملہ کو پیچیدہ کرتے ہیں تو ہم نے بھی انہیں شبہ میں ڈال دیا۔

تلبیس صرف حق تعالیٰ کے کسی فعل پر بولا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں یہ صفت نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ کافر پر انعام کر کے مومن ظاہر کرتا ہے، اور مومن کو نعمت سے مالا مال کر کے اسے کفر کرنے کا موقع دیتا ہے۔

الشُّرب

کہتے عبادت و طاعت کی مٹھاس ،عظمت و بزرگی کے مزّہ اور انس ومحبت کی خوشی کو۔لذّت شرب کے بغیر انسان کوئی کام نہیں کرسکتا۔جس طرح جسم کے لئے پانی اور غذا

میں، اور روح کے لئے ذکر وعبادت میں لذّت ہے۔مگر یہ دونوں اسی وقت کام کرتے ہیں جب انہیں لذّت حاصل ہوتی ہے ۔مرید اور عارف بغیر شرب کے معرفت اور ارادت سے بیگانہ ہوتے ہیں۔

الذَّوق

ذوق بھی شرب کی طرح ہے ،مگر شرب صرف آرام اور راحت کے لئے استعمال ہوتا ہے،جبکہ ذوق رنج وراحت دونوں صورتوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ★ (الدخان:۴۹)

اے بزعم خود معزز ومکرّم آدمی چکھ لو اس دردناک عذاب کا مزہ۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ★ (القمر:۴۸)

دوزخ کی آگ لگنے کا مزّہ چکھو۔

☆☆☆☆☆☆

خاتمہ

قارئین کرام: میں ربّ العزت کے اس عظیم احسان کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں کہ اس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں تصوّف جیسے حسّاس موضوع پر کچھ لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں۔

اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے احباب سے عرض گزار ہوں کہ وہ مجھے اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ ربّ العزت ہم سے راضی ہوجائے، اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے دین متین کی خدمت گزاری کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کتاب کو نافع اور قبولیت عامہ نصیب فرمائے، اور میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

اسی طرح میں رب العالمین کی بارگاہ میں دست بدعاء ہوں کہ طالبانِ علمِ سلوک کے لئے اس کتاب کو ایسی روشنی بنادے جس کی مدد سے فن معارف کے میدانوں کو طے کرنے میں ان کو سہولت میسر آئے، اور اسے زینہ بنادے ان لوگوں کے لئے جو بلند مقاموں تک پہنچنا چاہتے ہیں، اور ہمارے لئے اس کو ایک ایسا ذریعہ بنادے جس کے توسل سے حق تعالیٰ کا اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کا دین اور دنیا میں قرب ونزدیکی نصیب ہو۔

من نہ شادی خواہم ونے خسروی آنچہ می خواہم من از تو، ہم توئی!

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى تَوْ فِيْقِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ، وَأَسْأَلُهٗ تَعَالٰى الْمَزِيْدَ مِنْ فَضْلِهٖ۔

محتاجِ دُعاء: (مولانا) **محمد موسیٰ شاکر** غفراللہ لہٗ

ماخذ ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین ومؤلفین	مطابع
1	سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندی	علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی گورکھپوری	ہمدرد کمپریڈ پریس دہلی
2	مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، دفتر اول، دوم، سوم، چہارم	حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحبؒ	ادارہ مجددیہ ناظم آباد نمبر 3 کراچی
3	اربع انہار مترجم	مولانا شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددیؒ	مسجد طیبہ پرنسس سٹریٹ کراچی
4	کنز الہدایات	خواجہ محمد باقر بن شرف الدینؒ	شیخ عبدالعزیز پرنٹر امرتسر
5	آئینۂ تربیت	مولانا عبدالحئیؒ	مکتبہ قاسم العلوم کراچی
6	الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ (آداب بندگی)	حضرت العلام امام عبدالوہاب شعرانیؒ	ادارہ اسلامیات کراچی: لاہور
7	عبقات	حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	ادارہ اسلامیات لاہور
8	کتاب آداب المریدین	لابی النجیب عبدالقاھر سہروردی (المتوفی ھ ۵۶۳)	الجامعۃ العبریۃ فی اورشلیم تصوف فاونڈیشن
9	آداب سالک	مفتی شاہ محمد رحیم بخش صاحب	باب الاسلام کراچی
10	فیوضاتِ حسینی (تحفۂ ابراہیمیہ	مولانا حسین علیؒ نقشبندی مجددی	نصرت العلوم گوجرانوالہ

﴿تالیف: مولانا محمد موسیٰ شاکرؔ: غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ﴾

11	آثار حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ	سید ظفر احسن بہرائچی	خانقاہِ نعیمیہ بہرائچ انڈیا
12	اکابر کا سلوک و احسان	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندہلویؒ	مکتبۃ الشیخ بہادر آباد کراچی
13	شجرۂ طیبہ	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	دار التصنیف مکتبہ الفقیر الاسلامی جھنگ
14	احوال الصادقین	حضرت امام عبد الوہاب شعرانیؒ	ادارہ اسلامیات کراچی
15	اہل دل کے انمول اقوال	محمد اسحٰق ملتانی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
16	بیعت کیا ہے؟	شیخ امیر محمد اکرم اعوان	دار العرفان منارہ چکوال
17	بیعت کی شرعی حیثیت	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	مکتبہ الشیخ بہادر آباد کراچی
18	شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
19	الطاف القدس فی معرفت لطائف النفس	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	المعارف گنج بخش روڈ لاہور
20	ہمعات	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	سندھ ساگر اکیڈمی لاہور
21	انفاس العارفین	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	فرید بک سٹال لاہور
22	قرآن اور تصوف	ڈاکٹر میر ولی الدین	ندوۃ المصنفین دہلی
23	حقیقت کشف	مفتی مجد القدوس خبیب رومی	مجلس صیانت الحق
24	تذکرہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	مکتبہ کوثر دھاراوی
25	(الطبقات الکبریٰ	سید عبد الوہاب شعرانیؒ	مصر
26	مکتوبات و بیاض یعقوبی	مولانا یعقوب نانوتویؒ	دار الاشاعت کراچی

27	کلیاتِ امدادیہ	حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی	دار الاشاعت کراچی
28	حقیقت تصوف وسلوک	مولانا عزیز الرحمٰن حقانی	برکی اسلامی کتب خانہ
29	ارشاد الطّالبین	قاضی ثناء اللہ مجدّدی پانی پتیؒ	مکتبہ اسحاقیہ کراچی 2
30	تجدید تصوف وسلوک	مولانا عبد الباری ندویؒ	مکتبہ اشرفیہ لاہور
31	مبادی التصوّف	از امالی، حضرت تھانویؒ	مکتبہ تھانوی کراچی
32	پاس انفاس	علماء ومشائخ کی نظر میں	ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال
33	محافل شیخ	امیر محمد اکرم اعوان	ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال
34	احوال العارفین	حافظ غلام فرید	نذیر سنز پبلشرز لاہور
35	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ	مکتبہ معارف القرآن
36	انوار القرآن	مفتی محمد عاشق الٰہیؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
37	الفرقان	شیخ الاسلام ابن تیمیہ	المکتبہ